سپارٹیکس

1

انتساب

محترمہ گل بی بی بلوچ کے نام جس نے انگریز سامراج کے خلاف
جنگِ آزادی کی قیادت کی اور بلوچستان پر سامراجیوں کے قدم جمنے نہ دیے۔

اشاعتِ دوئم کیلئے پیش لفظ

ہاورد فاسٹ ایک صلاحیتوں بھرے ادیب تھے۔ انہوں نے 80 سے زائد کتابیں لکھیں جن میں 50 ناول ہیں، دس ڈرامے ہیں، اور 20 غیر فکشن کتابیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ عالمی طور پر اُن کے ناولوں کی فروخت ایک سوملین سے زائد ہے۔ بیسویں صدی میں وہ سب سے زیادہ پڑھے جانے والے مصنف ہیں۔ ان کی تصانیف 82 زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔

فاسٹ امریکہ کی کمیونسٹ پارٹی کے ممبر تھے۔ وہ ''روئے زمین پر موجود سارے غریبوں اور محکوموں سے اپنی پہچان کے احساس'' کا سہرا اپنے والد کے نام کرتے ہیں جو کہ مزدور طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے والد یوکرائن سے تھے اور وہاں سے مہاجرت کر گئے تھے۔ ہاورڈ اور اس کے بھائی انتہائی غربت میں پلے بڑھے۔ اسی انتہائی غربت نے انہیں اکسایا کہ وہ سٹیزن ٹام پین، The Unvanquished، فریڈم روڈ، دی امیریکن، The Last Frontier، اور سپارٹیکس، جیسے شہرہِ آفاق ناول لکھیں۔

فاسٹ کمیونسٹ پارٹی کے معزز ترین اراکین میں سے تھے۔ وہ 1949 میں ورلڈ پیس کانفرنس میں شرکت کے لئے پیرس گئے۔ جہاں وہ سٹیج پر لوئی اراگون کے ساتھ بیٹھے اور جہاں پبلو پکاسو نے اُن کو چوما اور اپنی پسند کی کوئی بھی پینٹنگ اٹھانے کی پیش کش کی۔ بعد میں پبلو نرودا نے اُس کے لئے ایک نظم لکھی۔ 1954 میں فاسٹ کو سٹالن امن انعام دیا گیا۔

یہ امریکی فاشزم کا دور تھا۔ ایسا دور جس میں نوجوانوں کا نعرہ تھا ''حضرت عیسیٰ کے نام پر ایک کمیونسٹ مار کر دو''۔

سپارٹیکس نامی ناول لکھنے کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ جیسے کہ ہم بتا چکے ہیں یہ میکارتھی ازم کا کمیونسٹ دشمن دور تھا۔ اس سوچ نے کمیونسٹ تحریک کو دبانے اور کچلنے کے لئے جتنے بھی طریقے وضع کیے تھے وہ سب کے سب ہاورڈ فاسٹ پر استعمال کیے۔ اپریل 1946 میں ''غیر امریکی سرگرمیوں'' کے الزام میں پارلیمنٹ کی کمیٹی نے فاسٹ کے ساتھ ساتھ جنوبی فرانس میں رہنے والے سپین

سپارٹیکس

ریپبلکی مہاجروں کی مدد کرنے والی تنظیم ''جوائنٹ اینٹی فاشسٹ ریفیوجی کمیٹی'' کے پندرہ دیگر ممبروں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ پارلیمانی کمیٹی نے تنظیم کے تیس ہزار چندہ دینے والوں کے ناموں کی فہرست دکھانے کا مطالبہ کیا۔ تنظیم کے بورڈ نے انکار کردیا۔ اور پارلیمنٹ نے 56 کے مقابلے میں 262 ووٹوں کی اکثریت سے پارلیمنٹ کی توہین پر انہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ انہیں جیل ہوگئی۔ اور اسی جیل میں فاسٹ نے اپنا مشہور ترین ناول سپارٹیکس لکھنا شروع کیا۔

کمیونسٹ دشمن کارروائیاں بڑھتی گئیں۔ 1949 میں نیویارک کی لائبریریوں سے فاسٹ کے شہرہ آفاق ناول ''سٹیزن ٹام پین'' کو اٹھوادیا گیا۔ وہ ہمیشہ جاسوسوں کی نگرانی میں رہتے۔ ان کا پاسپورٹ ضبط کیا گیا۔ اور جب ناول مکمل ہوا تو سارے پبلشروں نے سپارٹیکس چھاپنے سے انکار کردیا۔ بالآخر 1951 میں اسے نجی طور پر چھاپا گیا۔ پچاس ہزار کاپیاں فروخت ہوگئیں۔

ہاورڈ فاسٹ اٹھاسی برس کی عمر میں 2003 میں انتقال کر گئے۔

ہاورڈ فاسٹ کے اس ناول کا میرا اردو ترجمہ پہلی بار 1988 میں شائع ہوا تھا۔ جسے اب بائیس برس ہو چکے ہیں۔ بائیس برس تو خود ربع صدی ہوتے ہیں۔ اس دوران کیا کچھ تھا جو نہیں رہا اور کیا کچھ نہ تھا جو اَب موجود ہوگیا۔ حق باطل بنا' حرام حلال بنا اور اچھائی بدی بن گئی۔ ہم نے اپنی گنہگار آنکھوں سے نقطے کو جہان بنتے دیکھا' اور ایک جہان کو نقطہ بنتے دیکھا۔ ممالک کے نقشے بدل گئے۔ کتنے نئے ممالک وجود میں آ گئے۔ کتنے پرانے ممالک باہم ضم یا نابود ہوگئے۔ جو جھوٹ لگتا تھا سچ بنا اور جن کے سچ کی گواہیاں مالیکیول تک دیا کرتے تھے، واہمہ بن گئے۔

اِنہی بائیس برسوں میں امریکہ اور اس کا سرمایہ داری نظام سب سے بڑی حقیقت اور سب سے بڑی طاقت کے بطور ہمارے سامنے آ گئے۔ سپارٹیکس ایک بار پھر نا کام ہوا' مگر اس بار روم میں نہیں بلکہ ایشیا افریقہ اور یورپ میں۔ اُس کے ساتھی ایک ایک کر کے مصلوب ہوئے، ورینیا عجوبہِ عالم بنی ۔۔۔۔ گراکس (گدھ کو بلوچی میں کرگس کہتے ہیں) بادشاہ ہے۔

مگر تبدیلیوں بھری اس پوری ربع صدی کے دوران سپارٹیکس نامی ناول کا اردو ترجمہ دوبارہ نہ چھپ سکا۔ بائیس برس تک صرف پانچ سو کی تعداد!!۔ ایک پورے برصغیر کیلئے صرف پانچ سو!! اور وہ پانچ سو بھی مشکوک تعداد ہے ۔۔۔۔ اس لئے کہ اس دوران پبلشر اجڑ گیا، اُس کی میراث سیلاب، پانی، گرد اور مکڑی کے جالوں میں تقسیم ہوگئی۔ پتہ ہی نہ چلا کہ ناول کی کتنی کاپیاں اُن فرسودگیوں میں بٹیں اور کتنی کاپیاں اصل قارئین تک پہنچیں۔ وہ تو بھلا ہو لاہور انارکلی میں اتوار کے دن زمین پر بچھی پرانی کتب کی خرید و فروخت کے کاروبار کا، کہ ایک دن میرے انجینئر بیٹے مہراللہ نے مجھے (یعنی میرے ترجمہ کردہ اس ناول کو) پچاس روپے میں خرید لیا۔ میں نے اِسے ایک بار پھر پڑھا اور اس ناول کی گمنامی پر بہت نادم ہوا۔ اس قدر اہم ناول کو تو ہر اچھے تکیے کے نیچے موجود ہونا چاہیے تھا۔

میں ناول کو دوبارہ چھپوا رہا ہوں۔ مگر میری دلی خواہش ہے کہ اس ناول کو ناول کی طرح نہ پڑھا جائے۔ اسے آہستہ آہستہ' وقفوں وقفوں میں' چسکیاں لے لے کر پڑھا جائے۔ میں نے بے شمار ناول اور افسانے پڑھے۔ بہت سے ترجمے بھی کئے۔ مگر سچی بات ہے کہ مجھے اس ناول کا ثانی آج تک نہ ملا۔ نہ دوستوئفسکی نہ ٹالسٹائی، نہ گورکی نہ ترہ کی۔ یہ ناول سارے ناولوں کا بادشاہ ہے۔ اس میں مواد ہی مواد ہے، سبق ہی سبق ہے۔ ایک پوری تاریخ ہے۔ یہ سماجیات کا الف بے ہے۔ یہ طبقات کو سمجھنے، طبقاتی جدوجہد کے اسباب و علل پر دسترس رکھنے اور انقلاب کی سائنس سمجھنے کی کنجی ہے۔ یہ ایسا ناول قطعاً نہیں ہے جسے سرپٹ دوڑ کر پڑھا جائے۔

مگر کیا کیا جائے کہ یہ بہت ہی تجسس بھرا' رواں دواں ناول ہے' آپ درمیان میں رُک ہی نہیں سکتے ۔۔۔۔ چنانچہ مجھے معلوم ہے کہ میری دلی خواہش کبھی پوری نہ ہوگی، اور آپ اسے رُک رُک کر کبھی نہ پڑھ پائیں گے۔ یہ ناول آپ کو رات کو جگائے رکھے گا اور خود کو آخر تک پڑھوا کر دَم لے گا ۔مگر مجھے یہ یقین ضرور ہے کہ آپ اسے پڑھنے کے کچھ عرصہ بعد ایک بار پھر پڑھنے پہ مجبور ہوں گے ۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ناول انقلابی نصاب میں شامل اہم ترین کتاب ہوگی۔

شاہ محمد مری

ماوند

سپـــارٹیـکـــس

29 جنوری 2010

پہلی اشاعت کیلئے پیش لفظ

فیو چک نے کہا تھا ''آپ میں سے جو لوگ تاریخ کے اِس دور کے بعد زندہ رہیں گے، میں اُن سے ایک بات کہوں گا۔ اُن لوگوں کو کبھی مت بھولئے جنہوں نے عوام کے لئے اپنی جانیں قربان کیں۔ اُن کے متعلق جتنی دستاویزات ممکن ہوں، محفوظ کیجئے۔ حال بہر حال ماضی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اُس ماضی کے اَن گنت ہیرو ہوں گے جنہوں نے تاریخ بنائی ہے۔ اُن سب کے نام تھے، خدوخال تھے، اُمیدیں اور خواہشیں تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کی تکلیفیں اُن لوگوں سے کسی طرح کم نہیں جن کے نام تاریخ میں محفوظ رہیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اِن سب سے قربت محسوس کریں۔ جیسے آپ اِن سب سے واقف ہوں، جیسے یہ سب آپ ہی کے خاندان سے ہوں، جیسے یہ آپ خود ہی ہوں''۔

''سپارٹیکس'' ہاورڈ فاسٹ کا لکھا ہُوا وہ شاہکار ناول ہے جو سلطنتِ رُوم میں آقاؤں کے خلاف غلاموں کی عظیم بغاوت سے متعلق ہے۔ سپارٹیکس ایک پیدائشی غلام تھا جسے قتل کرنے کی تربیت دی گئی تھی تاکہ خصوصی طور پر بنائے گئے اکھاڑے میں غلام غلام کو قتل کر کے، فارغ اور بیکار آقاؤں کی تفریح طبع کا سامان مہیا کریں۔ اُس نے آقاؤں کی ظالمانہ اور گلی سڑی حکمرانی کے خلاف بغاوت کے شعلے بلند کئے۔ اس نے مایوس مردوں، عورتوں اور بچوں کو باورچی خانوں، اصطبلوں اور کھیت کھلیانوں سے نکال کر رومن ایمپائر کے خلاف عظیم ترین بغاوت میں ان کی راہنمائی کی۔ سلطنتِ رُوم کی چولیں ہلا ڈالنے والی یہ بغاوت 73 ق۔م میں شروع ہوئی تھی۔ اور 71 ق۔م تک جاری رہی۔ اس ناول کا تمام تانا بانا تاریخی حقائق پر مبنی ہے۔

روم (اٹلی کا دارالحکومت) حضرتِ عیسیٰ کی پیدائش سے ایک ہزار سال قبل تک پہاڑی مگر سرسبز علاقہ تھا۔ آبادی بہت کم تھی۔ آریائی قبائل کی شان و شوکت کچھ قصبوں کو معرضِ وجود میں لائی۔ اٹلی کے جنوب میں یونانی آباد تھے جبکہ مرکزی حصے میں ایک غیر آریائی آبادی، ایطرسکانی سکونت پذیر تھے۔ اور انہوں نے مختلف آریائی قبائل کو زیرنگیں کر لیا تھا۔ باور کیا جاتا ہے کہ روم تقریباً آٹھ سو سال

قبل مسیح معرضِ وجود میں آیا تھا۔ چھٹی صدی ق۔م میں ایطرسکان بادشاہوں کی ظلِ الٰہیت ختم ہو جاتی ہے اور روم اشرافیہ کا ری پبلک بن جاتا ہے۔ پیٹریشیائی خانوادوں پر مشتمل افراد لاٹ صاحبان کا طبقہ بن جاتے ہیں اور پبلیشیائی فرقے کو محکوم بنا دیا جاتا ہے۔ یہ محکوم پبلیشیائی لوگ کئی صدیوں تک اپنی آزادی اور حکومت میں حصہ دار بننے کی جدوجہد کرتے رہے اور بالآخر وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔

پانچویں صدی قبل مسیح میں رومن اقتدار کی سرحدیں وسیع ہونے لگیں۔ اس وقت تک وہ ایطرسکانیوں سے جنگ میں مصروف رہے تھے۔ ایطرسکانی اُس وقت ہمیشہ کے لئے معدوم ہو گئے جب ایک طرف یونانیوں نے ان کے خلاف کارروائیاں شروع کیں اور دوسری طرف شمال سے گال قبائل وبال بن کر ان پہ ٹوٹ پڑے۔ رومنوں نے ایطرسکان پر فتح پا کر پورے وسطی اٹلی پر قبضہ کر لیا۔

دوسری طرف سکندر کی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور سلطنت اس کے جرنیلوں میں بٹ گئی۔ اس کے ایک ساتھی پائرس نے تربیت یافتہ فوج جمع کر کے اٹلی پر حملہ کر دیا۔ اس نے 270 ق۔م میں دو محاذوں پر رومنوں کو شکست دی، انہیں شمال کی طرف دھکیل دیا۔ اور خود سسلی کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ مگر سسلی کے نزدیک اُس وقت دُنیا کا عظیم ترین شہر اور تجارتی مرکز کارتھیج واقع تھا۔ جس کی بھرپور مدد سے رومنوں نے پائرس کو شکستِ فاش دے دی۔ یوں روم کی سلطنت وسیع تر ہو گئی اور اب اس کے راستے میں واحد رکاوٹ عظیم تجارتی قوت' کارتھیج رہ گیا تھا۔

تقریباً ڈھائی سو سال قبل مسیح میں روم اور کارتھیج کے مابین لڑائیاں شروع ہوئیں جنہیں دُنیا PUNIC WARS کے نام سے جانتی ہے۔ ان طویل جنگوں کا نتیجہ بالآخر رومنوں کے حق میں نکلا اور کارتھیج کو (149 ق۔م) میں شکستِ فاش ہو گئی۔ روم کی طاقت بڑھتی گئی، اس کا زیرِ تسلط علاقہ وسیع تر ہو گیا اور ہزاروں کی تعداد میں کارتھیج باشندے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے۔

اب سامی النسل ریاستوں اور شہروں میں صرف جوڈیا کا علاقہ آزاد بچا ہوا تھا۔ جس کے مرکز یروشلم پر رومنوں نے 65 ق۔م میں قبضہ کر لیا۔

سپارٹیکس

390 ق۔م سے لے کر 240 ق۔م تک کا زمانہ وہ تھا جب روم آزاد کاشتکاروں کا ری پبلک رہا۔ اس دَور میں بڑی بڑی سڑکیں بنیں اور لوگوں کو روم کی شہریت ملتی گئی۔ اس دَور میں ہر مقبوضہ علاقہ رومن تہذیب میں گھل مل جاتا اور فاتح ومفتوح جُدا نہیں بلکہ ایک وحدت بن جاتے۔

مگر 240 ق۔م کے بعد کا مرحلہ نیا تھا۔ سسلی کو فتح کر کے اسے رومیوں کا مفتوحہ علاقہ قرار دیا گیا۔ اس کے خزانے اور زرخیز زمینیں رومنوں کے تصرف میں دی گئیں۔ اس جنگ میں بے شمار غلام ہاتھ آئے۔ اس سے قبل رومن ری پبلک کی آبادی زیادہ تر شہریت حاصل کردہ کاشتکاروں پر مشتمل تھی۔ فوجی خدمات کی انجام دہی اُن کی ذمہ داری تھی۔ فوجی خدمات کی انجام دہی کے دوران ان کے کھیت قرض تلے دَب گئے اور وہاں ایک نئی اور وسیع زرعی غلامی اُبھرنے لگی۔ جب وہ فوج سے واپس آئے تو انہوں نے اپنی پیداوار کو سسلی اور خود روم کی نئی جاگیروں میں غلاموں کی کاشت کردہ پیداوار سے مقابلے میں پایا۔ ری پبلک کی خصوصیت بدل چکی تھی۔ نہ صرف سسلی روم کے قبضے میں تھا بلکہ عام آدمی دولت مند قرض دہندہ کے قبضے میں تھا۔ روم اب امیر لوگوں کا ری پبلک بن چکا تھا۔ روم کے کاشت کار سپاہی تمام حقوق سے محروم ہو گئے۔ ان کی انتخابی مراعات بھی چھن گئیں۔ سینٹ ری پبلک کا حکمران ادارہ تھا۔ دوسرے نمبر پر وہ لوگ تھے جنہیں طاقتور افسروں نے سینٹ میں بٹھایا۔ دوسرے الفاظ میں سینٹ بڑے بڑے زمینداروں اور بڑے تاجروں کا ایوان تھا۔ یہ ایوان رومی سیاست کا مرکز رہا۔ روم کا عام آدمی کسمپرسی کی حالت میں تھا، اس کی زمین چھن گئی، وہ غلامی کی منافع بخش پیداوار سے بے دخل ہوا اور اس کے پاس کوئی سیاسی قوت نہیں رہ گئی۔ پس اس کے پاس اظہار کا محض ایک ذریعہ رہ گیا تھا یعنی بغاوت۔ روم کی دوسری و پہلی صدی قبل مسیح کی داخلی سیاست کی تاریخ ناکام انقلابی بغاوتوں کی تاریخ ہے۔ جاگیریں ختم کرنے، زمین آزاد کاشت کاروں کو واپس کر دینے اور قرضوں کی ضبطگی کی خاطر بغاوتیں اور خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ اٹلی کی اس بے آرامی میں 73 ق۔م میں سپارٹیکس کی قیادت میں ہونے والی عظیم بغاوت نے اضافہ کر دیا۔ اس بغاوت کے بارے میں لینن نے لکھا کہ ''سپارٹیکس اُن عظیم بغاوتوں کے بہت بڑے ہیروؤں میں سے تھا جو غلاموں نے تقریباً دو ہزار سال پہلے برپا کی تھیں۔ رُوم کی بہ ظاہر انتہائی طاقتور سلطنت نے، جس کا

دارومدار صریحاً غلامی پر تھا کئی سال تک ان غلاموں کی زبردست بغاوت کی ضربیں اور چوٹیں کھائیں جنہوں نے سپارٹیکس کی قیادت میں مسلح اور متحد ہو کر بڑی فوج بنالی تھی''۔

ہاورڈ فاسٹ نے عہدِ غلامی کے ہر پہلو کو جامع، مفصل اور بہت استادانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس نے آقاؤں کے بیچ مختلف مفادات رکھنے والے لوگوں کی نفسیاتی حالت اور اسی طرح برسرِ پیکار غلاموں کے درمیان موجود اعتقادات، تعصّبات، ارمانوں اور خواہشوں کو بہت باریکی سے بیان کیا ہے۔ 1960 تک ان کی اس کتاب کا ترجمہ 82 زبانوں میں ہو چکا تھا اور ایک ہی سال میں اس کے سات ایڈیشن چھپ کر فروخت ہوئے تھے۔

سپارٹیکس محض غلاموں کا کمانڈر اور قائد ہی نہیں، وہ ان کا بہترین دوست اور شفیق باپ بھی ہے۔ وہ ایک عاشق بھی ہے اور ایک نظریہ دان بھی۔ اس کی بہادری، پہل کاری، فہم وفراست اور روشن مستقبل پہ اس کا عمیق اور پختہ یقین، دراصل وہ خوبیاں ہیں جو جنگِ آزادی میں برسرِ پیکار عوام (نچلے طبقے اور محکوم قوم) کے راہنما میں ہوتی ہیں۔ سپارٹیکس محض غلاموں کی (73 ق۔م کی) جنگِ آزادی کا راہبر و ہیرو نہیں بلکہ وہ تو بلند نظری اور مقدس انسانی آدرشوں کے لئے لڑی جانے والی ہر لڑائی کے راہبر کا نشاں ہے، علامت ہے۔ ہر عوامی جنگ کا اپنا ایک سپارٹیکس ضرور ہوتا ہے اور خواہ اس کا رنگ، نسل، مذہب، زبان اور قومیت اصل سپارٹیکس سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں، اس میں بُو باس سپارٹیکس ہی کی ہوتی ہے۔ دُنیا کے ہر لُٹے پسے اور مظلوم ومحکوم طبقے اور قوم کی تحریک آزادی میں (قطع نظر قد کاٹھ، وقت ورواج، حسب نسب اور تاریخی ارتقا کے کسی مخصوص دَور کے) ایک لیڈر موجود ہوتا ہے، سپارٹیکس جیسا ایک لیڈر موجود ہوتا ہے۔ بے شک کہ یہ راہنما پہلے سے تراشا اور گھڑا ہوا لیڈر نہیں ہوتا، بلکہ اسی جنگِ آزادی کی صفوں میں سے کوئی شخص آناً فاناً سپاہی سے سپارٹیکس بن جاتا ہے اور پھر وہ نہ صرف اپنے ساتھی انسانوں کو اشارۂ ابرو سے متحرک کرتا ہے بلکہ دریاؤں تک کو رُخ بدلنے کا حکم دیتا ہے..... اور وہ تعمیل کرتے ہیں۔ ان مقبول ومحبوب سپارٹیکسوں کے نزول کا سلسلہ یقیناً اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ انسانی سماج سے ''مقدس ترین'' چیز یعنی نجی ملکیت کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ اُس کے بعد بھی مائیں سپارٹیکس جننا بند نہیں کر دیں گی اور محبوبائیں

سپارٹیکسوں کو پیار کر کے انہیں مافوق الفطرت دیوتا بننے سے روکنا بند نہ کر دیں گی، گو کہ وہ سپارٹیکس، وہ ماں اور وہ محبوبہ اس وقت ذرا مختلف ہوں گے۔ اس لئے کہ اب اُن کا مدِ مقابل رومن ایمپائر نہیں بلکہ ایک اور مہیب سپر پاور، یعنی فطرت ہوتی ہے۔ فطرت، جس کی اندھی قوتوں کے خلاف لڑائی اور اس کے پوشیدہ رازوں کے کھوج کی جدوجہد کی صُورت ہی اور ہوتی ہے۔

مگر یہ دُور، بہت دُور والی مستقبل کی حقیقت ہے۔ آج کی حقیقت یہ ہے کہ جہاں ہم رہتے ہیں، وہاں پہ ہاورڈ فاسٹ کے ناول کے تمام کردار معمولی تبدیلیوں کے ساتھ موجود ہیں۔ یہاں پہ نظر آنے' اور نظر نہ آنے والی بے شمار جھڑپیں، اُبھار، بے چینیاں اور بغاوتیں جاری ہیں۔ ان مڈبھیڑوں میں ایک طرف ''سب کچھ'' کے مالک چند لوگ ہیں اور ان کے مدِ مقابل دوسری طرف ''کچھ نہیں'' کے مالک جمِ غفیر ہے۔ ایک طرف ایک ''مقتدرہ'' زبان و ثقافت ہے اور دوسری طرف اپنی نجات کے لئے سرگرم و سرگرداں محبوس زبانیں ہیں، مجبور و مقہور ثقافتیں اور قومیں ہیں۔ ایک طرف سیم و زر اور فوج و لشکر کا قاہر و جابر مالک حکمران متمکن ہے تو دوسری طرف خیر و نیکی اور آزادی و آبادی کے امین سینہ سپر ہیں، جو معدوم ہوتے ہیں اور پھر مچل کر اُبھرتے ہیں۔ لیلائے وطن کے ہزاروں بیٹے بیٹیاں ایک بلند تر سماج کی تعمیر کی آرزو لئے جیلیں، پھانسیاں اور کوڑے سہتے ہیں۔ رشد و ہدایت کی یہ شمع بجھائے نہیں بجھتی۔ اور ظالم و مظلوم، آمر و جمہور، آقا و غلام کی یہ جنگ اس وقت صفتی تبدیلیوں کا موجب بنے گی جب افتادگانِ خاک کا طبقہ اور زیرِ دست قومیتیں اپنے سپارٹیکس کی راہبری میں، منظّم و باہم پیوست ہو کر میدانِ عمل میں کُود جائیں گی۔ اور ان کی چیخیں، آہیں اور للکار گھن گرج بن کر افلاک کو تار تار کر دیں گے۔ جب عالی ظرفی، انسان دوستی، عظمتِ محنت اور روشن خیالی انسان کا لائحہ عمل بن جائے گی۔

غلام داری سماج انسان کی ارتقاء کا ایک تکلیف دِہ اور دِلخراش مگر اپنے پچھلے دَور سے مترقی مرحلہ تھا۔ یہ ہمارا ماضی تھا۔ ماضی جو گزر جاتا ہے، جو ایک ہی بار لکھا جا سکتا ہے اور وہ بھی رف کاغذ پہ نہیں کہ ایک بار مٹا کر دوبارہ لکھا جائے۔ تاریخ کے خود کو دُہرانے کا تصوّر مضحکہ خیز حد تک غلط ہے۔ ماضی کو حال کے تسلسل ہی میں دیکھ کر مستقبل کی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔ ماضی سے نہ تو پیچھا چھڑایا جا سکتا ہے، نہ اس کے تجربات رائیگاں جاتے ہیں۔ غلاموں کی جنگیں آج کے باعمل، ترقی یافتہ اور ہراول محنت کش طبقے کے آباؤ اجداد کی نجات کی جنگیں تھیں۔ یہ جنگیں جبر و استحصال کی مکروہ ترین صورتوں اور انسانی تذلیل و بے حرمتی کے طویل عہد کا نتیجہ تھیں، اور یہی جنگیں کاروانِ انساں کی آگے کی سمت تیز رفتار روانی اور عظمت و خوشحالیِ آدم کا سبب بنیں۔ یہ جنگیں نہ تو ابتدا ہیں اور نہ انجام۔ بلکہ ہر دَور اور ہر مقام پہ اپنی شکلیں بدلے یہ جنگیں جاری رہتی ہیں۔ اور یہ دائی اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک کہ پابہ جولاں حاملہ سماج حسین و جمیل مستقبل کو نہ جنے۔ جب تک کہ آخری بیڑی بھی تڑاک سے توڑ نہ دی جائے۔

ہاورڈ فاسٹ کا یہ مشہور ناول اسی لمحے کا توشہ ہے۔ خود ہاورڈ فاسٹ نے لکھا۔ ''یہ بہادر مردوں اور عورتوں کی کہانی ہے۔ جو قدیم زمانے میں گزرے اور جن کے نام کبھی بھی فراموش نہ کئے گئے ہیں۔ اس کہانی کے ہیروؤں نے انسانی وقار اور آزادی کو عزیز رکھا اور وہ شرافت اور نیکی میں جئے۔ میں نے اسے اس لئے لکھا تا کہ وہ لوگ جو اسے پڑھیں گے (میرے بچے اور دوسرے)، وہ اپنے مستقبل کے لئے قوت حاصل کر سکیں اور ظلم اور بدی کے خلاف جدوجہد کریں..... تا کہ سپارٹیکس کا خواب ہمارے اپنے دَور میں پُورا ہو جائے''۔

ترجمے کی اصلاح میں جناب عزیز اثری، عمران خالد اور مرتضےٰ افغانی نے میری بہت مدد کی۔ مَیں ان دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

شاہ محمد مری.....12 اگست 1988

سپـــارٹیـکـــــس

باب اوّل

1

مارچ کے اوائل ہی میں روم کے لافانی شہر سے نسبتاً چھوٹے مگر خوبصورتی میں برابر کے قصبے کاپوا جانے والی شاہراہ ایک بار پھر عام سفر کے لئے کھول دی گئی تھی۔ لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ اس سڑک پر آمدورفت یک دَم بحال ہوگئی ہو۔ گذشتہ چار برسوں سے جمہوریہ میں کسی بھی ایسی سڑک کو پُرامن اور خوشحال انسانی سفر نصیب نہیں ہوا تھا، جسے رومن روڈ کہا جاسکتا ہو۔ کیونکہ ہر جگہ پر کم وبیش گڑبڑ ہوتی رہتی اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ روم سے کاپوا جانے والی سڑک تو اس گڑبڑ کا نمونہ بن گئی تھی۔ یہ کہاوت بالکل صحیح تھی کہ جیسے سڑکیں چلتی ہیں، ویسے ہی روم چلتا ہے۔ اگر سڑکوں پر بدامنی اور گڑبڑ ہو تو شہر میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

شہر میں خبر دی گئی تھی کہ جس شہری کا کاپوا میں کوئی تجارتی کام ہو تو وہ وہاں کا سفر کرسکتا ہے۔ مگر فی الحال اس خوبصورت شہر میں سیر سپاٹے کے لئے جانے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی۔ بعد میں جب حالات سازگار ہوگئے اور اٹلی کی سرزمین پر خوبصورت بہار آ گئی تو پابندیاں اُٹھا دی گئیں اور کاپوا کے دلکش مناظر اور عظیم الشان عمارتوں نے رومیوں کو ایک بار پھر اپنی طرف کھینچا۔

قرب وجوار کے علاقے کے قدرتی حُسن کے علاوہ جن لوگوں کو عمدہ اور گراں قیمت عطر کا شوق ہوتا۔ وہ کاپوا جا کر مُسّرت اور منافع دونوں حاصل کرسکتے تھے۔ یہاں عطر کی بڑی بڑی فیکٹریاں قائم تھیں۔ جو دُنیا میں لاثانی ہوا کرتی تھیں۔ پُوری دنیا سے نایاب عرق اور تیل سمندر کے راستے کاپوا پہنچتا تھا۔ عطر، گلاب کا مصری تیل، شیبا کے گل سوسن کا عرق، گلِ لالہ، ویل مچھلی کی آنتوں سے حاصل شدہ تیل، لیموں اور نارنگی کے چھلکے، نازبو کے پتے اور صندل وغیرہ۔ یہاں پہ رُوم کی نسبت نصف سے بھی کم قیمت پر عطر خریدا جاسکتا تھا۔ پھر عطر کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر ہر مرد وزن کا کم از کم ایک بار کاپوا کا چکّر لگانا سمجھ میں آنے والی بات تھی۔

2

سڑک مارچ میں کھل گئی تھی اور اس کے دو ماہ بعد یعنی مئی کے وسط میں کائیس کراسس اور اس کی بہن ہیلینا اور اس کی سہیلی کلاڈیا مارئیس کاپوا میں اپنے عزیزوں کے ساتھ ایک ہفتہ گزارنے کے لئے روانہ ہوگئے۔ وہ ایک صاف شفاف اور ٹھنڈی صبح کو روم سے روانہ ہوئے۔ یہ سفر کے لئے ایک موزوں اور مناسب دن تھا۔ وہ سب کے سب نوجوان تھے اور اُن کی آنکھوں میں سفر اور اس میں پیش آنے والی یقینی مہمات کے تصوّر سے چمک اور مسّرت موجود تھی۔ کائیس کراسس تقریباً 25 سال کا نوجوان تھا۔ جس کے بال گھنے، سیاہ اور لمبے تھے۔ اس کے خدوخال متناسب تھے جنہوں نے اسے اعلیٰ نسل کا درجہ عطا کیا تھا۔ وہ ایک خُوبصورت سفید عربی گھوڑے پر سوار تھا جو اس کے باپ نے چار سال قبل اس کی سالگرہ پر اُسے تحفے میں دیا تھا۔ دونوں لڑکیاں کھلی پالکیوں میں سفر کررہی تھیں۔ ہر پالکی کو چار غلام اٹھائے ہوئے تھے جو نہایت سبک رفتار تھے اور ایک ہموار سڑک پر دس میل تک بغیر ستائے چل سکتے تھے۔ راستے میں پانچ دن گزارے۔ اُن کا منصوبہ تھا کہ وہ رات کسی رشتہ دار یا دیہاتی بنگلے پر بسر کرتے ہوئے اور آرام دہ اور خوشگوار پڑاؤ ڈالتے ہوئے کاپوا تک جائیں گے۔ وہ سفر شروع کرنے سے پہلے ہی جانتے تھے کہ سڑک پر صلیبوں کے نشان ہوں گے مگر یہ نشانات اس قدر زیادہ ہوں گے، یہ انکے تصور میں بھی نہ تھا۔ کیونکہ یہ انتہائی تکلیف دہ نشانات تھے۔ دراصل لڑکیوں نے ایسی تفصیلات اور بیانات سُنے تھے کہ وہ کافی پُرجوش ہوگئی تھیں۔ جہاں تک کائیس کا تعلق تھا تو اسے تو ایسی چیزوں سے مسرت وشادمانی حاصل ہوتی تھی۔ اسے اپنے معدے پر بڑا فخر تھا کہ ایسے مناظر اسے غیر معمولی تکلیف نہیں پہنچاتے۔ ''بہرحال'' کائیس نے لڑکیوں کو دلیل دی۔

''ایک صلیب کو دیکھنا بہتر ہے بہ نسبت ایک پر چڑھا دیئے جانے سے''۔

''ہم سیدھا آگے کی طرف دیکھیں گی'' ہیلینا نے کہا۔

وہ کلاڈیا سے بہتر دکھائی دے رہی تھی جو گوری چٹی تو تھی مگر سفر میں دلچسپی نہ لینے کی وجہ سے اس کے زرد چہرے، اور زرد آنکھوں سے تھکن کا اظہار ہوتا تھا جو اس کا خاصہ تھا۔ وہ بھرے ہوئے اور دلکش

جسم کی مالک تھی مگر کائیس کو وہ احمق دکھائی دیتی تھی۔ وہ حیران تھا کہ آخر اس کی بہن نے اس میں کیا دیکھا تھا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جسے وہ اس سفر میں حل کرنے کا عزم رکھتا تھا۔ اس نے اس سے پہلے کئی بار اپنی بہن کی سہیلی سے ناجائز تعلقات قائم کرنے کا عزم کیا تھا لیکن ہر بار کلاڈیا کی تھکاوٹ اور عدم دلچسپی سے اس کا فیصلہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ یہ عدم دلچسپی اسے صرف اس سے نہ تھی بلکہ یہ تو عمومی تھی۔ وہ بور تھی اور کائیس کو یقین تھا کہ صرف کلاڈیا کی بوریت نے اُسے گناہگار ہونے سے بچائے رکھا تھا۔ اس کی بہن بالکل دوسری چیز تھی۔ وہ اسے اس انداز میں اُبھارتی تھی جو اس کے لئے تکلیف دہ تھا۔ وہ اسی کی طرح لمبی، خوش اور خوبصورت تھی۔ کاپوا کے اس سفر کا منصوبہ بناتے وقت اسے اس بات کی اُمید تھی کہ شاید اس مسئلہ کا بھی کوئی حل نکل آئے۔ اس کی بہن اور کلاڈیا کی جوڑی عجیب مگر تسلی بخش تھی اس لئے اب کائیس کو سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات کا انتظار تھا۔

روم سے چند میل دُور ہی سے سزا کے نشانات شروع ہو گئے۔ ایک ریت اور چٹانوں والی ویران سی جگہ پر جو کچھ ایکڑ تک پھیلی ہوئی تھی اسے پہلی صلیب کو دیکھنے کے لئے انچارج نے (جو ایک آنکھ سے معذور تھا) خصوصی جگہ دی۔ صلیب نئی اور تازہ صنوبر کی لکڑی کو کاٹ کر بنائی گئی تھی اور چونکہ یہ سطح زمین سے بہت اونچی تھی اس لئے صبح کے سُورج کے مقابل واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی اور اس پر لٹکنے والے شخص کی ننگی لاش کو مشکل ہی سے دیکھا جا سکتا تھا کیونکہ لاش قدرے اُونچی لٹکی ہوئی تھی۔ کائیس نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور اسے صلیب کی جانب لے گیا۔ ہیلینا نے اپنی شریفانہ چابک زنی سے پالکی والے غلاموں کو اس کے پیچھے چلنے کا حکم دیا۔

جب وہ صلیب کے سامنے رُکے تو ہیلینا کی پالکی کے غلام نے سرگوشی کی۔ ''مالکن! کیا آپ ہمیں تھوڑا سا ستانے کی اجازت دیں گی؟'' وہ غلام ہسپانوی تھا اور اس کی رومی زبان ٹوٹی پھوٹی اور محتاط تھی۔ ''یقیناً'' ہیلینا نے کہا۔ وہ صرف تئیس سال کی تھی مگر اپنے خاندان کی تمام عورتوں کی طرح ارادے کی پکّی اور جانوروں پر خواہ وہ غلام ہوں یا چوپائے، بے جا ظلم کو گناہ سمجھتی تھی۔ تب پالکی والوں نے آہستگی سے پالکی نیچے رکھی اور ان کے گرد احسان مندی سے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔

صلیب کے سامنے چند گز کے فاصلے پر ایک غربت زدہ شخص تنکوں سے بنی ہوئی ایک کُرسی پر بیٹھا تھا۔ جسے سایہ دار بنایا گیا تھا۔ وہ ایک موٹا اور دوستانہ رویہ رکھنے والا شخص تھا۔ اس کی توند اسے منفرد بنائے ہوئے تھی۔ اس کے پُرانے اور گندے کپڑے، گندے ناخن اور اس کی داڑھی گھاس کی مانند اُگی ہوئی تھی۔ اس کا دوستانہ پن، پیشہ ور سیاستدانوں کے آسانی پہنے جانے والے نقاب کی طرح تھا اور ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کئی سال تک وارڈ، سینٹ اور فورم کی خاک چھانتا رہا ہے۔ یہاں آنے سے پہلے وہ روم کے کسی گھر میں محض ایک چٹائی کی خاطر گداگر بن جاتا تھا۔ اس کی آواز جان دار تھی جیسے کسی میلے کے باہر آوازیں لگانے والے شخص کی ہو۔ اس نے بیٹھے بیٹھے سوچا۔

''یہ نعمتیں جنگ کی لائی ہوئی ہیں۔ کچھ لوگ دولت مند پارٹی کا انتخاب کرتے ہیں۔ مَیں نے ہمیشہ غلط پارٹی کو منتخب کیا۔ اس نے مُجھے اس جگہ پہنچایا تھا مگر اچھے لوگ بہت کم کرایہ دیتے ہیں''۔

''کھڑا نہ ہونے پر آپ مجھے مُعاف کیجئے گا شریف زادہ اور شریف زادیو! مگر دل.....

دل'' اُس نے اپنا ہاتھ اپنی توند کے عمومی حصّے پر رکھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ آپ لوگ صبح سویرے نکلے ہیں اور آپ کو سویرے ہی نکلنا چاہئے تھا کیونکہ سفر کا یہی وقت ہوتا ہے۔ کاپوا؟''

''ہاں کاپوا'' کائیس نے جواب دیا۔

''کاپوا'' موٹا شخص دوبار بولا'' بے شک ایک دِل کش، خوبصورت اور عُمدہ شہر ہے۔ حقیقی معنوں میں انمول شہر۔ یقیناً عزیزوں سے ملنے جا رہے ہیں؟''

''بالکل'' کائیس نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ دوستانہ تھا۔ لڑکیاں مسکرا رہی تھیں وہ ایک عظیم مداری تھا۔ اس وقت اس کا تمام وقار نو دو گیارہ ہو چکا تھا۔ ان نوجوان لوگوں کی خاطر مداری بن جانا اچھا تھا۔ کائیس نے تسلیم کیا کہ ان کارروائیوں میں کہیں نہ کہیں پیسہ شامل تھا، مگر اُس نے بُرا نہ مانا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کی تمام وقتی ضرورتوں اور خواہشوں کے لئے پیسہ کبھی کم نہ ہوتا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی دولت مندی سے لڑکیوں کو مرعوب کرنا چاہتا تھا اور ایسی جگہ اس موٹے

غربت زدہ سے بہتر اور کوئی نہ تھی۔

''تم مجھے ایک گائیڈ، ایک قِصّہ سنانے والے اور سزا اور انصاف کی کہانیاں سنانے والے لگتے ہو''۔ کائیس نے موٹے آدمی سے کہا۔ لڑکیاں مردہ آدمی سے اپنی نگاہیں ہٹا نہیں پا رہی تھیں جو صلیب پر لٹک رہا تھا۔ وہ اب بالکل ان کے اُوپر تھا۔ وہ اُس کی دھوپ سے جلی ہوئی گردن اور پرندوں کے پھاڑے ہوئے ننگے بدن کو انہماک سے دیکھ رہی تھیں۔ کوّے اس کے گرد تیزی سے حرکت کر رہے تھے اور اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ مکّھیاں اس کی جلد پر رینگ رہی تھیں۔ وہ اس طرح لٹک رہا تھا کہ اس کا بدن باہر کی جانب جھک آیا تھا۔ وہ صلیب سے دُور تھا جیسے کہ وہ گرنے والا ہو، ہمیشہ حرکت میں ہو، مردے کی مضحکہ خیز حرکت۔ اس کا سَر آگے کو لٹکا ہوا تھا اور اس کے لانبے اور ریت سے اَٹے ہوئے بال اس کے چہرے کی ساری نفرت کو ڈھانپے ہوئے تھے۔

کائیس نے موٹے آدمی کو ایک سکہ دیا اور جواب میں اتنا ہی شکریہ وصول کیا جتنا کہ اس کا حق تھا۔ پالکی بردار نظریں جھکائے خاموشی سے بیٹھے تھے۔ انہوں نے صلیب کی طرف بالکل نہیں دیکھا۔ وہ بڑے سبک رفتار اور خُوب تربیت یافتہ تھے۔

''یوں کہا جائے کہ یہ ایک مثال ہے''۔ موٹے آدمی نے لاش کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میری مالکن۔ اسے انسانی یا غیر انسانی حیثیت سے مت دیکھئے۔ روم دیتا ہے اور روم لیتا ہے اور سزا کم وبیش جرم کے مطابق ہے۔ یہ جسم اکیلا ہے جو آنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہاں سے کاپُوا تک آپ کو معلوم ہے کتنی صلیبیں ہیں؟''

انہیں معلوم تھا مگر وہ اُسی سے سننے کے منتظر تھے۔ اس مسخرے موٹے آدمی کی بات جامع تھی۔ جس نے انہیں وہ کچھ بتایا جو کہا نہیں جا سکتا تھا۔ یہ خود اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ ایک ایسی بات نہیں کہ کہی نہ جا سکتی ہو۔ بلکہ فطری اور عام سی بات تھی۔ وہ انہیں صحیح اعداد وشمار دے سکتا تھا۔

''چھ ہزار چار سو بہتر''۔ اس نے کہا۔

کچھ پالکی بردار ہل کر رہ گئے! وہ آرام نہیں کر رہے تھے بلکہ ان میں کشیدگی تھی۔ اگر کوئی انہیں خاطر میں لاتا تو وہ اس بات کو محسوس کر سکتا تھا مگر کسی نے ان پر توجہ نہ دی۔

''چھ ہزار چار سو بہتر'' موٹے آدمی نے دُہرایا۔ کائیس نے اس کے ساتھ اتفاق کیا۔ تب موٹے آدمی نے گاؤن کی تہوں سے ایک چھڑی نکالی اور صلیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''وہ محض جُرم کا ایک نشان ہے''۔

کلاڈیا نروس انداز میں ہنسی۔

''بہر حال یہ بہت دلچسپ اور اہم بات ہے۔ دلیل کی بات اور ہے۔ دلیل روم ہے اور روم مدلّل ہے''۔ اسے محاورے استعمال کرنے کا بہت شوق تھا۔

''کیا یہ سپارٹیکس ہے؟'' کلاڈیا احمقانہ انداز میں بولی۔ مگر موٹے شخص نے اسے ضبط سے سنا۔ جس طرح وہ اپنے ہونٹ چاٹ رہا تھا، اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ اس کا یہ روّیہ جذبات سے پُر تھا۔ کائیس نے سوچا۔

''لالچی بڈھا، درندہ!''

''سپارٹیکس کہاں عزیزم!''

''اس کی لاش کبھی نہ ملی''۔ کائیس نے بے صبری سے کہا۔

''ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی تھی، اس کی لاش'' موٹے آدمی نے اپنی اہمیت جتاتے ہوئے کہا''۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی تھی میرے بچے۔ ایسی وحشت ناک سوچوں سے اعصاب زخمی ہو جاتے ہیں مگر حقیقت یہی ہے''۔

کلاڈیا خوف سے لرز اُٹھی مگر خوبصورت انداز میں اور کائیس نے اس کی آنکھوں میں ایسی روشنی دیکھی جو اُس نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ کائیس کو یاد آیا کہ اس کے باپ نے ایک بار اس سے کہا تھا کہ ''سطحی فیصلوں سے محتاط رہو'' اور کیونکہ اس کا باپ عورتوں کا اندازہ لگانے سے زیادہ بڑے معاملات پر سوچتا تھا، اس لئے اس کی بات صحیح تھی۔ کلاڈیا اب اس موٹے آدمی کو جس طرح دیکھ رہی تھی۔ اس طرح تو کبھی اُس نے اُس کی طرف بھی نہ دیکھا تھا۔ اور موٹا آدمی بولے جا رہا تھا۔ ''یہ سادہ حقیقت ہے اور اب وہ کہتے ہیں کہ سپارٹیکس کا وجود ہی نہ تھا۔ ہونہہ! کیا میں وجود رکھتا ہوں؟ کیا آپ وجود رکھتے ہیں؟ کیا یہاں سے کاپُوا تک سڑک کے ساتھ ساتھ چھ ہزار چار سو بہتر لاشیں

صلیبوں پر لٹکی ہیں یا نہیں؟ کیا وہ حقیقت ہیں کہ نہیں؟ بلا شبہ حقیقت ہیں۔ اور مجھے ایک اور سوال کرنے دیں۔ یہ اتنے بے شمار کیوں؟ سزا کی ایک نشانی کافی ہوتی ہے مگر چھ ہزار چار سو بہتر کیوں؟''۔

''یہ کتے اسی کے مستحق تھے''۔ ہیلینا نے اطمینان سے جواب دیا۔

''واقعی؟'' موٹے آدمی نے شاہانہ انداز سے ابرو اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ ایک جہاندیدہ شخص تھا۔ یہ اس نے انہیں جتا دیا تھا۔ اور اگرچہ وہ مرتبے میں اس سے بلند تھے، مگر عُمر میں تو چھوٹے تھے۔ اس لئے متاثر تو انہیں ہی ہونا تھا۔ ''شاید وہ اسی کے مستحق تھے۔ مگر اس قدر گوشت ذبح کیوں کیا جائے جو کھایا نہ جا سکے؟۔ اس کی اہمیت بھی میں آپ کو بتاتا ہوں۔ اس سے قیمتوں کا توازن برقرار رہتا ہے، چیزوں کو استحکام نصیب ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس کی افادیت یہ ہے کہ اس سے ملکیت کے پیچیدہ سوالات کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ہمارے پاس اس عمل کا یہی نپا تلا جواب اور جواز ہے۔ اب اسے دیکھیے''۔ اس نے چھڑی سے صلیب کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے اچھی طرح سے دیکھیے، یہ گال نسل کا اہم ترین شخص ہے، بہت ہی اہم۔ وہ سپارٹیکس کا دستِ راست تھا اور مَیں نے اُسے مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مرتے ہوئے اسے چار دِن لگے۔ ایک بیل کی طرح طاقتور شخص، آپ ایسی قوت و استقلال کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ وہ ایک شریف النفس انسان ہے اور مجھ پر بہت مہربان بھی۔ کیونکہ حیران کن تعداد میں لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ مَیں ان سے کوئی باقاعدہ فیس لیتا ہوں۔ مگر لوگ دیتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ بھی اس کے بدلے میں انہیں کوئی چیز دیں اور مَیں انہیں معلومات دیتا ہوں۔ آپ حیران ہوں گے کہ سارے لوگ سپارٹیکس کے بارے میں بالکل عجیب اور بے علم باتیں کرتے ہیں۔ اب آپ اس خاتون کو دیکھیں جو مُجھ سے سوال کرتی ہے کہ کیا سپارٹیکس یہی ہے؟ یہ ہے تو ایک قدرتی سوال مگر فرض کریں کہ ایسا ہی ہوتا تو یہ سوال غیر فطری نہیں ہوگا؟۔ آپ اشرافیہ لوگ محفوظ زندگی گزار رہے ہیں ورنہ خاتون' آپ کو معلوم ہوتا کہ سپارٹیکس کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا کہ اس کا ایک بال تک، ایک بوٹی تک بھی کہیں نہیں مِل سکی۔ اس شخص سے مختلف انداز میں..... یہ تو پکڑ لیا گیا تھا اور اسے بہت کم کاٹا گیا تھا۔ یہاں

دیکھیے''۔

اپنی چھڑی سے اس نے لاش کے ایک طرف ایک لمبا چیرا دکھایا۔

''بے شمار چیرے' مگر سب یا تو سامنے کی طرف ہیں یا پھر پہلو کی طرف۔ پیٹھ پر ایک بھی نہیں۔ آپ تو نچلے طبقے کے انبوہِ عظیم کے بارے میں ایسی تفصیلات سُننے کو پسند نہیں کرتے مگر مَیں آپ کو حقیقت بتا رہا ہوں''۔

پالکی بان اپنی آنکھوں میں ہلکی سی چمک لئے سُن رہے تھے۔

''اور وہ یہ کہ سرزمینِ اٹلی پر آج تک ان جیسے بہترین سپاہی نہیں گھومے۔ زرا ریچھ کا تصور کیجئے اور پھر ہمارے اس دوست پر نگاہیں ڈالئے۔ اس کو مرنے کے لئے چار دن لگے۔ اور اگر وہ اس کی ایک وریدچیر کر خُون نہ بہنے دیتے تو یہ دن زیادہ بھی ہو سکتے تھے۔ ابھی تو ممکن ہے آپ کو معلوم نہ ہو لیکن جب آپ انہیں صلیب پر چڑھائیں گے تو آپ سیکھ جائیں گے کہ یا تو انکا خون کاٹ کر بہنے دیں۔ بصورت دیگر وہ سمندری مچھلی کی طرح پھول جائیں گے۔ صحیح طریقے سے ان کا خون بہنے دیں تو پھر وہ صحیح طور پر سُوکھ جاتے ہیں۔ اور ایک ماہ تک بغیر سڑے اسی طرح لٹکے رہیں گے ماسوائے معمولی سی بدبُو کے۔ یہ تھی تو ظالمانہ کارروائی۔ یہ درست ہے کہ وہ نافرمان تھا، معزور تھا مگر وہ ہار گیا۔ پہلے دن وہ یہاں لٹکتے ہوئے ہر اُس شخص کو گالیاں دیتا تھا جو اُسے دیکھنے آتا۔ خوفناک حد تک گندی زبان میں۔ ایسی زبان میں کہ خواتین کے سامنے میں دُہرا بھی نہیں سکتا۔ وہ نچلی نسل کا آدمی ہے اور غلام تو بہر حال غلام ہوتا ہے۔ لیکن میرے دِل میں اس کے لئے کوئی بُرائی نہیں تھی۔ اب بھی اور اس وقت بھی، مَیں اس سے کہتا رہا کہ تمہاری بدقسمتی میری بدقسمتی ہے اور گو تمہاری موت اذیت ناک ہے مگر میری زندگی بھی اذیت ناک ہے۔ اور جب تک مَیں کافی پیسہ اکٹھا نہ کر لوں، تم اسی طرح گالیاں بکتے رہو۔ لیکن وہ ان باتوں سے چنداں متاثر نہیں ہوا تھا۔ دوسرے دِن شام کو اس نے بولنا بند کر دیا۔ وہ سَرد پڑ گیا اور اکڑ گیا۔ پتہ ہے اس کے آخری الفاظ کیا تھے؟''

''کیا تھے؟'' کلاڈیا نے پوچھا

یہ کہ ''میں واپس آؤں گا اور لاکھ بن کر''

''اس کا کیا مطلب تھا؟'' کائیس حیران ہو کر بولا۔

''صاحب! یہ تو میں بھی نہیں جانتا اور اس سے زیادہ اس نے کچھ کہا بھی نہیں۔ مَیں نے اگلے دِن اسے چھیڑا بھی مگر اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا' صرف مُجھے اپنی سرخ آنکھوں سے گھورتا رہا۔ مجھے یوں دیکھا جیسے مجھے قتل کرنا چاہتا ہو۔ مگر اب تو وہ کسی چیز کو قتل کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ تو بہر حال محترمہ!'' اس نے کلاڈیا کو دوبارہ مخاطب ہو کر کہا'' وہ سپارٹیکس نہ تھا بلکہ اس کے جاں نثاروں میں سے ایک تھا۔ وہ ایک سخت جان شخص تھا۔ سپارٹیکس کے قریب قریب مگر اس کی طرح سخت جان تو بہر حال نہ تھا۔ سپارٹیکس تو بے انتہا سخت جان شخص تھا۔ آپ اس شاہراہ پر اس سے ملاقات پسند نہیں کریں گی اور نہ ہی وہ مل سکے گا کیونکہ وہ تو مر گیا اور سڑ گیا۔ اب آپ لوگ مزید کیا جاننا چاہیں گے؟''

''میرے خیال میں ہم نے کافی کچھ سنا۔ اب ہمیں چلنا چاہیئے''۔ کائیس نے کہا۔

3

ان دِنوں روم، ایک دل کی مانند تھا، جو رومن سڑکوں کے ساتھ ساتھ اپنا خُون دُنیا کے ہر حصّے کی طرف رواں کرتا تھا۔ دوسری کوئی قوم اگر ہزار سال بھی جیتی تو بھی مشکل سے ایک تیسرے درجے کی سڑک بنا پاتی تھی جو شاید ہی اس کے تمام بڑے شہروں کو ملا سکتی۔ روم کا معاملہ اور تھا'' ہمارے لئے ایک سڑک بناؤ'' سینیٹ کہتا۔ انجینئر اس کا نقشہ بناتے، ٹھیکے دیئے جاتے اور ماہرینِ تعمیر کام شروع کر دیتے۔ مزدور اس سڑک کو تیر کی مانند بنا ڈالتے۔ اگر پہاڑ راہ میں آ جاتے تو اُن کا وجود تک ختم کیا جاتا۔ گہری وادیوں کے آر پار پُل تعمیر ہو جاتے اور دریا آ جاتا تو اس پر پل باندھ دیا جاتا۔ روم کے سامنے کسی چیز نے رکاوٹ نہ ڈالی اور کسی چیز نے رومن سڑکوں کو نہیں روکا۔ یہ شاہراہ جس پر یہ تینوں نوجوان روم سے جنوب میں کاپوا کی جانب سفر کر رہے تھے۔ ایپین شاہراہ تھی جس پر آتش فشانی راکھ اور بجری بچھائی گئی تھی۔ اور جس کی سطح پتھر کی تھی۔ اسے آخر تک اسی طرح تعمیر کیا گیا تھا۔ جب رومن ایک سڑک بناتے تھے تو اسے صرف ایک یا دو سال کے لئے نہیں بلکہ صدیوں کے لئے بناتے تھے۔ یہ سڑک انسانی ترقی، رومن اہلیت اور ان کے دیرپا نظم وضبط کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ یہ اس بات کی وضاحت کرتی تھی کہ رومن نظام تمام بنی نوعِ انسان کے بنائے ہوئے نظاموں سے بہتر تھا۔ یعنی انصاف، ترتیب اور ذہانت کے نظام۔ اور اس سڑک پر سفر کرنے والوں کو اس بات کا اس قدر یقین ہو جاتا تھا کہ وہ اس کے متعلق سوچتے بھی نہ تھے۔

مثال کے طور پر فاصلوں کا محض اندازہ نہیں لگایا جاتا تھا بلکہ ناپے ہوئے ہر سنگِ میل پر ہر وہ متعلقہ اطلاع تحریر میں موجود تھی جس کی مسافروں کو ضرورت ہوتی اور کسی بھی جگہ پر جامع معلومات حاصل ہو سکتی تھیں کہ وہ روم سے کتنا دُور ہیں، فارمیاتی سے یا کاپوا سے کتنے فاصلے پر ہیں۔ ہر پانچ میل کے فاصلے پر ایک پبلک ہاؤس اور ایک اصطبل تھا جہاں مُسافروں کو گھوڑے باندھنے، کھانے پینے کی چیزیں اور ضرورت پڑنے پر رات گزارنے کے لئے جگہ بھی مِل سکتی تھی۔ ان بے شمار عظیم الشان پبلک عمارتوں کے وسیع برآمدوں میں مشروبات اور خوراک مہیّا کی جاتی تھی۔ کچھ میں غسل خانے بھی تھے تا کہ تھکے ماندے مُسافر خود کو تازہ دم کر سکیں۔

جہاں جہاں زمین چپٹی، یا دلدلی ہوتی تھی وہاں سڑک پر چبوترے بنائے جاتے اور وہاں سڑک کو سطحِ زمین سے دس، دس پندرہ پندرہ فٹ اونچا کیا جاتا تھا۔ جہاں زمین ٹوٹی پھوٹی ہوتی وہاں پتھر کی محرابیں بنا کر گزاری جاتی تھیں۔

یہ سڑک مضبوط تھی اور اس پر رومن استحکام کے تمام عناصر رواں دواں تھے۔ اس سڑک پر سپاہی مارچ کرتے ہوئے تیس میل کا سفر روزانہ طے کرتے تھے۔ مال گاڑیاں اس سڑک پر دوڑتیں جن پر ریاست کا سامان، گندم، جَو کی شراب، ڈھلی ہوئی دھات، تختے، شہتیر، کپڑا، پشم، تیل، میوے، پنیر اور خشک گوشت لدا ہوتا تھا۔ اس سڑک پر دُنیا بھر سے آئے ہوئے لوگ رومن استحکام اور مضبوطی سے لطف اندوز ہوتے۔ اس کے علاوہ مقامی تجارت پیشہ افراد، سیر وتفریح کی غرض سے سفر کرنے والے مُسافر، منڈی کی جانب آتے جاتے لوگ' اور غلاموں کے کارواں اس سڑک پر ہمیشہ نظر آتے رہتے تھے۔

4

کائیس کی توقع کے برخلاف صبح کے وقت گرمی زیادہ پڑی اور ہر چند لمحوں بعد لاشوں کی بدبُو

آ جاتی جواب تو بہت ناخوشگوار ہو چلی تھی۔لڑکیوں نے اپنے رومال عطر میں بھگو کر مسلسل اپنی ناک پر رکھے ہوئے تھے مگر پھر بھی سڑک سے اچانک آنے والی بدبُو کو روکنے میں ناکامی ہوتی۔لڑکیوں کو متلی ہوتی تھی۔کائیس بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد پیچھے رہ کر سڑک کے کنارے قے کرتا تھا۔اس صورتِ حال نے خوبصورت صبح کو مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا۔

خوش قسمتی سے پبلک ہاؤس سے آدھ میل کے فاصلے پر اِردگرد صلیبیں نہ تھیں جہاں وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے رُکے۔گو کہ اب ان کی بُھوک بہت کم رہ گئی تھی،مگر وہ متلی پر قابو پانے کے قابل ہو چکے تھے۔اس سرائے کو یونانی طرز پر تعمیر کیا گیا تھا۔یہ ایک منزلہ عمارت تھی جس کا ایک شاندار برآمدہ تھا جسے میزوں سے سجایا گیا تھا۔صنوبر کی میٹھی خوشبو اور کھانا کھاتے ہوئے لوگوں کی گفتگو کی ملائم بھنبھناہٹ اور موسیقی کی مدھر آوازیں تھیں۔

''کیا پُر مسرت اور شاندار جگہ ہے!'' کلاڈیا بولی۔کائیس نے ایک خالی میز حاصل کی اور عظیم تحکم کے ساتھ کھانے کا آرڈر دینے لگا۔جلد ہی ایک شفاف،عنبریں،خشک اور تازگی عطا کرنے والی شراب ان کے سامنے رکھی گئی اور جونہی انہوں نے گھونٹ بھرا،ان کی بھوک لوٹ آئی۔

وہ عمارت کے پچھواڑے بیٹھے ہوئے تھے جو عام لوگوں کی جگہ سے علیحدہ تھی جہاں پر سپاہی اور غیر ملکی لوگ کھانا کھاتے تھے۔جگہ سایہ دار اور ٹھنڈی تھی اور اپنے محلِ وقوع سے ہی بتائی تھی کہ یہاں صرف منصب دار اور طبقہِ امراء کی خدمت کی جاتی تھی۔اس وقت بھی وہاں کئی تاجر،صنعت کار ،کمیشن مرچنٹ اور غلاموں کے تاجر بیٹھے ہوئے تھے۔یہاں پر موجود منصب دار امیر طبقے کے طور طریقوں کی نقل کر رہے تھے اور شور مچانے کی عادت کو کم کر رہے تھے اور اب اس قدر ناخوشگوار نہ رہے تھے۔

کائیس نے آگ پر بھونی ہوئی ٹھنڈی مرغابی اور ٹھنڈے سنگترے کا آرڈر دیا تھا اور کھانا آنے تک اس نے تھیٹر کے اس کھیل کے بارے میں گفتگو کی جو روم میں لگنے والا تھا اور جو گھٹیا اور مزاحیہ قسم کا تھا اور بے شمار دیگر کھیلوں کی طرح یونان کی نقل تھا۔کہانی کا تعلق ایک ایسی بدصورت اور بدکردار عورت سے تھا جس نے دیوتاؤں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا کہ وہ اپنے خاوند کا دِل نکال کر

انہیں پیش کرے گی،بشرطیکہ وہ اسے ایک دن کے لئے حسین بنا دیں۔اس کا خاوند دیوتاں میں سے ایک کی بیوی کے ساتھ عیاشی کر رہا تھا اور اس پیچیدہ کھیل کا محرک جذبہِ انتقام تھا۔یہ ہیلینا کے تاثرات تھے۔مگر کائیس نے یہ کہہ کر احتجاج کیا کہ اس کے سطحی ہونے کے باوجود اس میں کئی دلچسپ مناظر موجود تھے۔

''یہ ڈرامہ مجھے پسند آیا ہے'' کلاڈیا نے سادگی سے کہا۔

''میرے خیال میں ہمیں اس چیز سے زیادہ دلچسپی ہے کہ ایک ڈرامے کا پیغام کیا ہے بہ نسبت اس کے کہ لکھنے والا اسے کس طرح پیش کرتا ہے۔!'' کائیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تھیٹر اس نیّت سے جاتا ہوں کہ اس میں ہوشمندی کی کیا کیا باتیں ہیں۔اگر کسی کو زیست و موت کے ڈرامے کی خواہش ہو تو وہ اکھاڑے میں جا کر گلیڈی ایٹرز کو ایک دوسرے کو کاٹتا ہوا دیکھ سکتا ہے''۔

''آپ بُری تحریروں کو معاف کر رہے ہیں'' ہیلینا نے احتجاج کیا۔

''ہرگز نہیں۔میرے خیال میں تھیٹر کی تحریر کی کوالٹی اتنی اہم نہیں ہے۔ایک ڈولی کھینچنے والے سے بھی ارزاں قیمت پر ایک یونانی ادیب کو کرائے پر حاصل کیا جا سکتا ہے۔اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو یونانیوں کو پوجتے ہیں''۔

جب کائیس نے فقرہ پُورا کیا تو اس نے میز کے دوسرے سرے پر ایک شخص کو کھڑے پایا۔ تاجروں کے قبیلوں سے تعلق رکھنے والے اس شخص کو چونکہ کہیں اور خالی میز ملی نہیں تھی،اس لئے وہ یہاں بیٹھنے کا آرزومند تھا۔

''مجھے محض ایک لقمہ کھا کر چلے جانا ہے،اگر آپ اس مداخلت کو ناگوار نہ سمجھیں تو''۔وہ ایک لمبا،صحت منداور توانا شخص تھا۔اس کے قیمتی کپڑوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی مالدار تھا۔

''میرا نام گائیس مارکوس سینوئیس ہے''۔اس نے کہا۔

''برائے مہربانی تشریف رکھئے'' ہیلینا نے کہا۔کائیس نے اپنا اور لڑکیوں کا تعارف کرایا۔

''میں آپ کے خاندان کے کچھ لوگوں کے ساتھ تجارت کرنے کی خواہش رکھتا ہوں''۔

اجنبی نے کہا۔

''تجارت؟''

''مویشیوں کی تجارت۔ میں ایک ولایتی کباب بنانے والا ہوں۔ میرا ایک پلانٹ روم میں ہے اور ایک ٹارا سینا میں ہے جہاں سے میں اس وقت آ رہا ہوں۔ اگر آپ نے کبھی ولائتی کباب کھائے ہیں تو سمجھیں وہ میرے تھے''۔

''یقیناً'' کائیس یہ سوچتے ہوئے مسکرایا ''کہ وہ میری عالی ظرفی سے نفرت کرتا ہے مگر پھر بھی اسے بیٹھنے کی خوشی ہو رہی ہے۔ یہ کیسے سُوَر لوگ ہیں!''

''سُوَر کے کاروبار کے معاملات!'' تاجر نے اس طرح کہا جیسے اس نے دوسرے شخص کے خیال کو پڑھ لیا ہو۔

ہیلینا نے نرمی سے کہا۔

''ہمیں آپ سے مِل کر بہت خوشی ہوئی۔ ہم آپ کی دوستانہ خواہشات اپنے والد تک پہنچا دیں گے''۔ وہ تاجر کی جانب گہرے اور میٹھے انداز میں دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ اس نے بھی اس کی طرف دیکھا جیسے کہنا چاہتا ہو''۔ تم ایک عورت ہو میری جان! خواہ اشرافیہ طبقہ سے ہو یا نہ ہو''۔ کائیس کو یوں محسوس ہوا جیسے اجنبی تاجر اس کی بہن کو کہہ رہا ہو''کم سِن کتیا! تم میرے ساتھ ہم بستری کرو گی یا نہیں؟'' وہ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ تب کائیس اسے مار ڈالتا مگر اس وقت اسے اپنی بہن سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔

''میں آپ کی گفتگو میں مخل ہونا نہیں چاہتا''۔ تاجر نے کہا۔''براہِ مہربانی اسے جاری رکھیں''۔''ہم ایک اکتا دینے والے کھیل کے بارے میں بحث کر رہے ہیں'' کائیس بولا۔ اسی وقت کھانا آ گیا اور انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔ اچانک کلاڈیا مرغابی کا ایک ٹکڑا اپنے منہ کی جانب لے جاتے ہوئے آدھے میں رُک گئی اور بول پڑی۔

''آپ کو تو لاشوں نے بہت زیادہ پریشان کیا ہوگا''۔

''لاشوں نے؟''

''سولی پر چڑھتی ہوئی لاشوں نے''۔

''پریشان؟''

''اس قدر تازہ گوشت کے ضائع ہو جانے نے'' کلاڈیا نے خاموشی سے کہا۔ محض خاموشی سے، نہ کہ عقلمندی سے اور پھر اپنی مرغابی کھانے لگی۔ کائیس کو سختی سے اپنی ہنسی دبانی پڑی۔ اور تاجر لال پیلا ہو گیا مگر کلاڈیا بالکل اپنی حرکت سے بے خبر کھاتی رہی۔ صرف ہیلینا نے تاجر میں ایک قسم کی غیر معمولی سختی محسوس کی۔

''پریشان۔ موزوں لفظ نہیں ہے''۔ تاجر نے کہا''خواہ مخواہ چیزوں کو ضائع کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا''۔

''ضائع کرنا؟'' گلاڈیا نے ٹھنڈے سنگترے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑتے ہوئے اپنے ہونٹوں میں رکھتے ہوئے پوچھا۔ کلاڈیا پر کچھ آدمیوں کو ترس آتا تھا اور کچھ کو غصہ۔ کوئی بہت غیر معمولی شخص ہی اس سے آگے دیکھ سکتا تھا۔

''وہ بہت اچھی طرح سے پالے ہوئے تھے۔ سپارٹیکس کے آدمی!'' مارکوس تاجر نے وضاحت کی۔''اور خوب کھلائے پلائے ہوئے بھی۔ فرض کریں کہ ان میں سے ہر ایک کا اوسطاً وزن ڈیڑھ سو پاؤنڈ تھا اور مسالہ بھرے ہوئے مُرغ کی طرح ان کے چھ ہزار سے زیادہ آدمی وہاں لٹکے ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ نو سو ہزار پونڈ تازہ گوشت کے برابر ہے اور یہ ہر طرح سے تازہ ہے''۔

''اوہ نہیں۔ اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا''۔ ہیلینا نے سوچا۔ اسکا بدن اب متوقع خدشے سے ہوشیار ہو گیا مگر کلاڈیا جو سرد سنگترہ کھا رہی تھی جانتی تھی کہ اس کا یہی مطلب تھا۔ تب کائیس نے پوچھا۔

''آپ نے پیش کش کیوں نہ کی؟''

''میں نے کر دی ہے!''

''پھر کیا وہ نہیں بیچتے؟''

''میں نے ایک ملین پونڈ کی چوتھائی خرید لی ہے'' سوداگر نے کہا۔

اس کا مطلب کیا ہے؟ کائیس حیران تھا۔ وہ ہمیں صدمہ پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اپنے گندے اور فحش طریقے سے کلاڈیا کی بات کا جواب دے رہا ہے۔ ہیلینا نے بہر حال سچی بات سمجھ لی۔

''انسانوں کی؟'' کلاڈیا نے سرگوشی کی۔

''اوزاروں کی''۔ کباب بنانے والے نے جامع انداز میں جواب دیا۔ ''اس قابلِ تعریف نوجوان فلاسفر سائیسیرو کے الفاظ میں بے قیمت اوزار۔ مَیں نے انہیں جلتی آگ میں رکھا، قیمہ بنایا اور اس میں سُوّر اور نمک ملا دیا۔ اب وہ مصر تک جائے گا اور قیمت بھی موزوں رہے گی''۔

''میرے خیال میں یہ گھناؤنا مذاق ہے''۔ کائیس بڑبڑایا۔ وہ بہت چھوٹا تھا اور تاجر کی تلخی کا مقابلہ کرنا اس کے لئے مشکل تھا۔

''میں مذاق کرنے کی کوشش نہیں کر رہا'' تاجر بولا ''نوجوان خاتون نے ایک سوال پوچھا اور میں نے اس کا جواب دے دیا۔ میں نے غلاموں کے ایک ملین پونڈ کی چوتھائی خرید لی ہے تاکہ اسے کباب بنایا جا سکے''۔

''یہ خوفناک ترین اور نفرت انگیز عمل ہے جس کے بارے میں مَیں نے زندگی میں پہلی بار سُنا ہے''۔ ہیلینا نے کہا ''آپ کا فطری گنوار پن ایک بدنما انداز میں ظاہر ہوا ہے جناب عالی!''

تاجر اُٹھ کھڑا ہوا اور سب کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا ''مجھے معاف کیجئے گا۔ ذرا اپنے چچا سلیئس سے پوچھئے۔ اس نے بھی سودا کیا اور اس طرح اس نے کافی نفع کمایا''۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

کلاڈیا آرام سے ٹھنڈے سنگترے کھاتی رہی۔ وہ صرف یہ کہنے کے لئے رُکی ''کس قدر عجیب شخص نکلا''۔

''اس کے باوجود وہ سچ بول رہا تھا''۔ ہیلینا بولی۔

''کیا؟''۔

''یقیناً'' وہ سچ بول رہا تھا۔ آپ کو اس قدر حیران ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

''وہ ایک بھونڈا جھوٹ تھا''۔ کلاڈیا چیخی ''جو صرف ہمارے لئے گھڑا گیا تھا''۔ ہیلینا نے کہا ''

ہم میں فرق یہ ہے میری جان کہ جب کوئی شخص سچ بول رہا ہو تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے''۔ کلاڈیا سفید پڑ گئی۔ وہ اُٹھی اس نے معذرت چاہی اور آرام کرنے کے کمرے کی طرف تمکنت سے روانہ ہو گئی۔

ہیلینا اپنے آپ سے مسکرائی اور کائیس نے کہا۔

''تمہیں بھی کسی چیز سے صدمہ پہنچتا ہے یا نہیں''۔

''نہیں تو'' ہیلینا نے کہا۔

''کم از کم میں دوبارہ کبھی کباب نہیں کھاؤں گا''۔

''میں نے پہلے بھی کباب نہیں کھائے''۔ ہیلینا نے کہا۔

5

اسی سہ پہر کو جب وہ اسی سڑک پر رواں دواں تھے تو انہیں ایک شامی عطر فروش مِلا جس کا نام موزیل شابال تھا۔ اس کی محنت سے گھنگھریالی کی گئی داڑھی معطر تیل لگانے سے چمک رہی تھی اور اس کا لمبا چوغہ اس کے عُمدہ سفید گھوڑے کے دونوں طرف لٹک رہا تھا جس پر کہ وہ سوار تھا۔ اس کی انگلیاں بیش بہا انگوٹھیوں کی چمک سے آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی تھیں۔ اس کے پیچھے ایک درجن مصری غلام اور بدّو اپنے سروں پر بھاری بنڈل اُٹھائے دوڑتے آ رہے تھے۔ کائیس اس دولت مند سوداگر سے تقریباً یک طرفہ گفتگو کرتا رہا تھا۔ شابال کسی بھی رومن سے مِل کر فخر محسوس کرتا تھا۔ وہ رومن باشندوں کی حد سے زیادہ تعریف کرتا تھا۔ تمام رومن باشندوں کی، بالخصوص اُن لوگوں کی جن کا مقام اور رُتبہ بلند ہو۔ جیسے کہ کائیس۔

کچھ ایسے مشرقی لوگ تھے جو رومن باشندوں کی کچھ چیزیں سمجھ نہ پاتے تھے۔ مثال کے طور پر جس آزادی سے ان کی عورتیں گھومتی پھرتی تھیں۔ مگر شابال ان لوگوں میں سے نہ تھا۔ آپ جب بھی کسی رومن کو ٹٹولتے تو وہ آپ کو پتھر کا بنا ہوا ملتا۔ سڑک کے کنارے لٹکی ہوئی لاشیں اس کی گواہ تھیں اور اس کے غلاموں نے محض سبق آموز صلیبیں دیکھ کر جو سبق حاصل کیا تھا اس پر وہ بہت خوش تھا۔

''آپ کو مشکل سے اعتبار آئے گا جناب؟'' موزیل شابال نے اپنی رواں مگر عجیب دباؤ

ڈالنے والی لاطینی زبان میں کہا۔

''مگر میرے وطن میں کئی ایسے لوگ تھے جو مکمل طور پر یقین رکھتے تھے کہ روم سپارٹیکس کے سامنے ہتھیار پھینک دے گا۔۔۔۔اور ہمارے اپنے غلاموں میں چھوٹی چھوٹی بغاوتیں ہوئیں۔ جنہیں ہم نے سختی سے دبا دیا۔مَیں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تم روم کے متعلق اتنا نہیں جانتے ہو۔ تم روم کو اسی پیمانے سے ناپتے ہو جس سے روم کو ماضی میں ناپا جاتا تھا۔اب رُوم اس کرۂ ارض پر ایک نئی چیز ہے۔ میں ان سے کس طرح بیان کرتا کہ روم کیا چیز ہے؟ مثال کے طور پر میں ان سے کہتا GREVITAS۔انہیں کیا پتہ کہ یہ کیا چیز ہے۔واقعی ان تمام لوگوں کو اس چیز کا پتہ نہیں، جنہوں نے رُوم کو خود نہیں دیکھا ہو یا جو رُوم کے شہریوں سے خود نہ ملے ہوں۔GREVITAS۔ شاندار لوگ، وہ لوگ جنہیں احساس ذمہ داری ہو۔جن میں سنجیدگی ہو اور جن کے عزائم سنجیدہ ہوں۔''LAVITAS ہم سمجھتے ہیں' یہ ہماری تباہی ہے۔ہم معاملات کو معمولی انداز میں لیتے ہیں اور خوشی پانے کے لئے بے تاب رہتے ہیں جبکہ روم کے لوگ ان چیزوں کے پیچھے نہیں بھاگتے' وہ پارسائی اور نیکی کے طالب ہوتے ہیں۔محنت، ڈسپلن، کفایت شعاری اور رحمدلی کے طالب۔میرے نزدیک یہی انمول الفاظ ''روم'' ہیں۔روم کی شاہراہوں اور روم کی حکمرانی کے پُرامن رہنے کا یہی راز ہے۔مگر کوئی کس طرح ان باتوں کی وضاحت کرے جناب۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں ان سزا یافتہ لاشوں کو دیکھ کر بہت مطمئن ہوں۔ کیونکہ روم معاملات کو معمولی انداز میں نہیں دیکھتا۔سزا جُرم کے عین مطابق ہے، یہی تو روم کا انصاف ہے۔سپارٹیکس بدنصیب تھا کہ اس نے ان تمام چیزوں کو نظر انداز اور چیلنج کیا جو بہترین تھیں۔اُس نے تباہی مچادی، قتل وغارت گری کی اور بدنظمی پھیلائی۔ روم تو نظم وضبط کا نام ہے اسی لئے رُوم نے اُسے مسترد کر دیا.....'' کائیس سُنتا رہا، سنتا رہا اور بالآخر بور ہو گیا۔جبکہ شامی تاجر جُھک جُھک کر ہیلینا اور کلاڈیا کو خوشبُودار ہار کا ایک ایک تحفہ پیش کر رہا تھا۔ اُس نے ان کے خاندان سے اپنی ممکنہ تجارت کی سفارش کی اور پھر الوداع کہہ گیا۔

''خُدا کا شکر ہے''۔کائیس بڑبڑایا

''میرے مولا!''ہیلینا مُسکرائی۔

اسی سہ پہر کو وہ اپین شاہراہ کو چھوڑ کر ایک چھوٹی سی سڑک پر مُڑ کر ایک بنگلے میں رُکنا چاہتے تھے کیونکہ وہاں انہیں رات بسر کرنا تھی۔اچانک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے سفر کی یکسانیت توڑ دی۔ سڑک پر گشت کرنے والی فوج کا ایک دستہ ستا رہا تھا۔ سپاہی شامیانے کے سائے میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو تنگ بیٹھے تھے اور شراب مانگ رہے تھے۔اُن کے جسم لوہے جیسے تھے اور چہرے سخت اور کھردرے۔اُن کے دانت گندے اور پیلے تھے اور پسینہ زدہ پتلون اور جیکٹوں سے آنے والی بدبُو اس بات کی گواہ تھی کہ شاہراہ پر سزا یافتہ لاشیں انہی کی حالیہ کارروائی کا نتیجہ تھیں۔

جیسے ہی کائیس اور لڑکیاں انہیں دیکھنے کے لئے رُکے ان کا کیپٹن باہر نکل آیا۔اس نے ایک ہاتھ میں شراب کا جام تھام رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ کو کائیس کے استقبال کے لئے ہلا رہا تھا۔ وہ بڑے ذوق شوق اور زور زور سے ہاتھ ہلا رہا تھا کیونکہ کائیس کے ہمراہ دو خوبصورت اور نوجوان لڑکیاں تھیں۔ وہ کائیس کو پہلے سے جانتا تھا۔اُس کا نام سیلس کوئینٹس بروٹاس تھا۔ وہ بہت بہادر اور خوبصورت تھا، اس لئے پیشہ ورانہ طور پر کام کرتا تھا۔ہیلینا کو وہ پہلے سے جانتا تھا اور اب اُسے کلاڈیا سے مِل کر بھی دلی مسرت ہوئی تھی۔ جب وہ اُن سے اپنے جوان سپاہیوں کے بارے میں اُن کے خیالات پوچھ رہا تھا تو وہ خاص پیشہ ورانہ انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔کائیس نے کہا۔

''یہ ایک شور مچانے والا گندا مجمع ہے''۔

بروٹاس مُسکرایا اور بولا''وہ تو صحیح ہے۔وُہ ہیں اچھے''۔

''یہ میرے ساتھ ہوں تو مَیں کسی چیز سے نہیں ڈروں گی'' کلاڈیا نے اظہار کیا۔

''اور یہ اب آپ کے غلام ہیں اور آپ کے ساتھ ساتھ جائیں گے'' بروٹاس شجاعت سے بولا۔مگر فوراً کائیس نے سوال کیا۔

''کہاں تک؟ ہم آج رات ویلا سلاریا میں ٹھہریں گے اور اگر تم زیادہ شراب نہیں پی گئے ہو تو تمہیں یاد ہو گا کہ یہ سڑک یہاں سے دو میل آگے جا کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے''۔

بروٹاس نے اطمینان سے کہا۔

''تب اس دو میل تک آپ دُنیا کی کسی بھی چیز سے خوف نہ کھائیں'' پھر وہ ہیلینا سے مخاطب ہوا۔

''کیا آپ نے کبھی کسی فوجی گارڈ آف آنر کے ساتھ مارچ کیا؟''۔

''میں نہ اب اس قدر اہم ہوں اور نہ کبھی پہلے تھی''۔ ہیلینا نے جواب دیا۔

''آپ مجھے ایک موقع دیں اور پھر دیکھیں، مَیں انہیں آپ کے قدموں میں گرا دوں گا۔ یہ کمپنی آپ کی ہے''۔

ہیلینا نے احتجاج کیا۔

''دُنیا میں یہ آخری چیزیں ہوں گی جنہیں مَیں اپنے قدموں میں گرانا چاہوں گی''۔

افسر نے شراب ختم کی۔ دربان غلام کی طرف جام اچھالا اور اپنی گردن کے گرد لٹکی ہوئی چاندی کی سیٹی بجائی۔ فضا میں ایک پُراسراریت سی پھیل گئی۔ اس کے جواب میں فوجی دستے نے اپنی شراب غٹا غٹ پی کر ختم کی۔ اپنے ہتھیار سنبھالے اور ہیلمٹ پہنے اور جلدی جلدی لائن میں کھڑے ہوئے، دستوں میں بٹے۔ پھر سڑک کے دونوں کناروں پر ایک ایک قطار بنا کر کھڑے ہو گئے۔

انہوں نے حیران کن انداز میں ڈسپلن کا مُظاہرہ کیا۔ لڑکیوں نے تالیاں بجائیں اور کائیس اپنے دوست کی اس مضحکہ خیز حرکت پر کچھ ناراض سا معلوم ہوتا تھا مگر پھر بھی وہ کمپنی کی تعریف کرنے پر مجبور تھا۔

''کیا یہ لڑتے بھی ہیں؟'' اس نے دریافت کیا۔

''سپارٹیکس سے پوچھئے''۔ بروٹاس نے کہا اور کلاڈیا نے قہقہہ لگایا۔

''واہ عمدہ جواب ہے''۔

بروٹاس جھکا اور اسے سلیوٹ کیا اور وہ دوبارہ ہنس پڑی۔ کائیس کے لئے اس کا یہ ردِعمل نیا نہ تھا، اسے کلاڈیا آج خلافِ معمول عجیب نظر آ رہی تھی۔ اس کے رخسار چمک رہے تھے اور پریڈ پر اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھی۔ جس انداز سے وہ افسر سے باتیں کر رہی تھی، وہ بھی کائیس کو حیران کئے دے رہا تھا۔ بروٹاس سڑک کے درمیان سارے کارواں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا۔

''یہ اور کیا کام کر سکتے ہیں؟''۔ کلاڈیا نے پوچھا۔

''یہ مارچ کر سکتے ہیں، لڑ سکتے ہیں، عہد کر سکتے ہیں''۔

''اور قتل؟''

''ہاں۔ یہ قاتل ہیں۔ کیا وہ اس طرح نظر نہیں آتے؟''

''مجھے ان کے دیکھنے کا انداز پسند ہے''۔ کلاڈیا نے کہا۔ بروٹاس نے مسرت سے اس کی طرف دیکھا اور سوچ کر آہستگی سے جواب دیا۔

''ہاں جانِ من! تمہیں دیکھ کر مجھے بھی اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے''۔

''اور آپ کیا چاہتی ہیں؟ کیا آپ مارچ کرتے ہوئے ان کی موسیقی پیدا کرنے والی آواز سننا چاہیں گی؟'' اس نے چلا کر حکم دیا اور قدموں کے ساتھ ساتھ سپاہیوں کی گرجدار آوازیں آنے لگیں۔

''زمیں فلک، چٹان سڑک! تیغیں چھپلیں ہڈیوں تک!''

''اس کا کیا مطلب ہے؟''۔ ہیلینا نے پوچھا

''دراصل مطلب کچھ نہیں، یہ محض مارچ کرنے کی ایک قسم ہے۔ اور بھی کئی ہیں اور ان کا بھی مطلب کچھ نہیں ہوتا۔ زمین فلک، چٹان سڑک۔ حقیقتاً کچھ بھی نہیں مگر اس سے وہ مارچ اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ کچھ تو ایسے الفاظ پر مشتمل ہیں جو خواتین کے سننے کے قابل بھی نہیں ہوتے''۔

''میں تو کچھ سننا چاہتی ہوں''۔ کلاڈیا نے کہا

''میں آپ کے کان میں بتا دوں گا''۔ وہ مسکرایا اور چلتے چلتے اس کی طرف جھکا، کچھ کہا اور پھر سیدھا ہو گیا۔ کلاڈیا نے اس کی طرف آنکھیں گاڑیں اور اسے گھورا۔ آگے ایک بار پھر سڑک پر لاشوں کی قطار تھی۔ لٹکے ہوئے جسم تسبیح کے دانوں کی طرح پروئے ہوئے تھے۔ بروٹاس نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ اسے شرافت کہہ سکیں گے؟ یہ انہی سپاہیوں کا کام ہے۔ میرے دستے نے ان میں سے آٹھ سو کو صلیب پر چڑھایا''۔

''اور شاید یہی بات انہیں اچھے سپاہی بناتی ہے؟''۔ ہیلینا نے کہا۔

''یہی سمجھا جاتا ہے''۔

کلاڈیا نے کہا ''ان میں سے ایک کو یہاں بلا دیجئے''۔

''کیوں؟''

''کیونکہ میری خواہش ہے''۔

''اچھی بات ہے''۔ اس نے کندھے اچکائے اور چلایا۔ ''سیکس ٹس! لائن چھوڑو اور حاضر ہو جاؤ''۔

ایک سپاہی لائن چھوڑ کر دونوں قطاروں کے درمیان سے ڈبل مارچ کرتا ہوا حاضر ہوا۔ سلیوٹ کیا اور کھڑا ہو گیا۔ کلاڈیا ٹکٹکی باندھے اسے تکنے لگی۔ وہ ایک درمیانے قد، کالی شکل اور گھٹے ہوئے بدن کا آدمی تھا۔ اس کے ننگے بازو، گردن اور چہرہ مہاگنی کے درخت جیسے بھورے تھے۔ وہ پسینے سے شرابور تھا۔ اس کی چار فٹ کی ڈھال اس کی پشت کی جانب لٹک رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں چھ فٹ لمبا اور دو انچ چوڑا نیزہ تھا۔ اس کے پاس ایک بھاری ہسپانوی تلوار تھی اور تین اضافی لوہے کی پلیٹیں اس کی کمر کے ساتھ لٹکی ہوئی تھیں۔ اس نے چمڑے کی پتلون پہن رکھی تھی اور چمڑے ہی کی اُونچی چپل۔ لکڑی، لوہے اور چمڑے کے بوجھ تلے بھی وہ آسانی سے بھاگ رہا تھا۔ اپنے لوہے کے ہتھیاروں کو اس نے خُوب تیل لگا رکھا تھا لہٰذا چمڑے، پسینے اور تیل کی سٹرانڈ مِل گئی تھی۔

کائیس جوان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ وہاں سے اس نے دیکھا کہ کلاڈیا کے لب کھلے ہوئے تھے اور زبان ان پر مچل رہی تھی اور اس کی آنکھیں سپاہی پر جمی ہوئی تھیں۔

''میں اسے ڈولی کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں''۔ کلاڈیا نے بروٹاس سے سرگوشی کی۔ اس نے شانے اچکائے اور سپاہی کو چلنے کا حکم دیا۔ سپاہی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پیچھے ہٹا اور ڈولی کے ساتھ چلنے لگا۔ صرف ایک بار اس کی آنکھیں کلاڈیا پر ٹکیں اور پھر وہ ناک کی سیدھ

میں دیکھنے لگا۔ وہ اس کی طرف آئی اور اس کے جسم کو ہاتھ لگایا۔ پھر اس نے بروٹاس سے کہا۔

''اسے جانے کے لئے کہو، اس سے بدبو آ رہی ہے''۔ اُس کا لہجہ درشت تھا۔ بروٹاس نے پھر کندھے اچکائے اور سپاہی کو دوبارہ اپنی قطار میں جانے کا حکم دیا۔

7

سلاریا محل دراصل ایک قسم کا طنزیہ نام تھا جو اس زمانے کی یاد دلاتا تھا جب روم کے جنوبی حصّے کی زمین ملیریا زدہ نمکین دلدل ہوا کرتی تھی۔ یہ حصہ بہت عرصے کے بعد قابل کاشت بنایا گیا تھا۔ یہاں سے سڑک علیحدہ ہوتی تھی اور ایک حصہ ایک بڑے جاگیر کی جانب جاتی تھی۔ اس جاگیر کا مالک انتونیس کائیس نامی شخص تھا۔ جو ہیلینا اور کائیس کا ماں کی طرف سے رشتہ دار تھا۔ یہ محل شہر کے قریب بھی تھا اور وسیع و عریض شجر کاری میں گھرا ہوا بھی۔ اس کا طرزِ تعمیر بھی قابلِ دید تھا۔

جیسے ہی کائیس اپنے چھوٹے سے قافلے کے ہمراہ اس سڑک پر مڑا تو وہ جلد ہی جان گیا کہ یہی راستہ محل تک جاتا ہے' کیونکہ راستے میں ہر روش کے اندر انگور کی بیلوں کی کھیتیاں تھیں۔ زمین کی خوب دیکھ بھال کی گئی تھی۔ نیز کھیتوں میں زیتون کے درختوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ ہر طرف بہار کا سا سماں تھا جو صرف اُس وقت ہی ممکن ہو سکتا تھا جب غلام محنت کشوں کی سپلائی لامحدود ہو۔ گردونواح کا منظر اس قدر سحر انگیز تھا کہ کلاڈیا جو پہلے اس علاقے میں نہیں آئی تھی، بار بار مسرت سے چیخ اٹھتی تھی۔ یہ ''نئی کلاڈیا'' تھی اور کائیس کو اندازہ ہو رہا تھا کہ سزا کی علامتوں کے اکسانے پر ایک نازک اندام حسین دوشیزہ کس قدر کھل اٹھتی ہے۔

اُس وقت غلام مویشیوں کو اندر لے جا رہے تھے۔ گائیوں کی گھنٹیوں کی جھنکار اور چرواہوں کی سیٹیوں کی صدائیں مسلسل آ رہی تھیں۔ نوجوان تھریشین اور آرمینیائی گڈریے جو کہ کمر ڈھانپنے کے چیتھڑوں کے علاوہ ننگ دھڑنگ تھے، ڈرے ہوئے مویشیوں کو آوازیں دیتے ہوئے درختوں کے بیچ بھاگ رہے تھے اور کائیس یہ دیکھتے ہوئے حیران تھا کہ بکریوں اور غلاموں میں انسان کون سا ہے؟ وہ ہمیشہ کی طرح سوچ رہا تھا کہ اس کا چچا کس قدر دولت مند ہے۔ قانون کے مطابق تو

پُرانے اشرافیہ اور امیر خاندانوں کے لئے ہر قسم کا کاروبار ممنوع تھا مگر انتونیس کائیس نے اپنے دوسرے ہم عصروں کی طرح قانون کو پاؤں کی زنجیر کی بجائے چُغہ بنایا تھا۔ اسے اپنے ایجنٹوں کے توسط سے دس ملین کا بلاسُود قرض ملا تھا حالانکہ اس وقت عام طور پر سو فیصد سود لگتا تھا۔ سپین کی چاندی کی کانوں میں سے سب سے بڑی کان کا نصف حِصّہ اس کی ملکیت تھا۔ مصر تک اس کا کاروبار پھیلا ہوُا تھا۔ گو منصب داروں کے علاوہ بڑی جوائنٹ سٹاک کمپنیوں کے بورڈ میں اور کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا مگر انتونیس کائیس کی خواہشات کو یہی بورڈ بڑی احتیاط سے پُورا کیا کرتے تھے۔

یہ کہنا تو مشکل تھا کہ وہ کس قدر دولت مند تھا۔ اور گوسلاریا محل ایک خوب صُورت اور دیدہ زیب جگہ تھی۔ جس کی ملکیت میں دس ہزار ایکڑ سے زائد زمین تھی، مگر پھر بھی یہ علاقے کا سب سے بڑا' یا سب سے زیادہ عالیشان کسی طرح بھی نہیں تھا' اور نہ ہی انتونیس کائیس نے اپنی دولت کا دکھاوا کیا تھا جو کئی اشرافیہ خانوادوں کی عادت بن گئی تھی۔ انتونیس ایک پُرانی طرز والی شان وشوکت رکھنے والا رومن تھا۔ کائیس اس کی عزّت تو کرتا تھا مگر اسے زیادہ پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی موجودگی سے کائیس ہمیشہ بے آرامی محسوس کرتا تھا۔

اس بے آرامی کی توجیح کائیس کی نظر میں یہ تھی کہ خود اُس میں اور دوسرے رومن جوانوں کے درمیان جو فرق تھا، اس سے اس کا چچا واقف تھا۔ رومن نوجوان کے بارے میں عام توقعات تو یہ تھیں کہ وہ نیک اور سادگی پسند ہو، معاشرے کی طرف سے عائد شدہ فرائض کے لئے خود کو وقف کر چکا ہو، ایسا بہادر سپاہی، جو آگے بڑھتے ہوئے دستے کا ہراول ہو، خوشحال رومن دوشیزہ سے شادی کرے، ریاست کی بہتر طور پر خدمت کرے، ایک پوسٹ سے ترقی کر کے دوسری پوسٹ تک جائے حتیٰ کہ کونسل کا ممبر بن جائے اور عوام الناس نیز اعزاز یافتہ، دولت منداور شہرت پانے والے لوگوں کی طرف سے عزّت وتکریم پائے۔ مگر کائیس ایسے کسی جوان کو جانتا تک نہ تھا۔ اس نے تو اپنے اردگرد موجود نوجوان جس حالت میں پائے' وہ یہ تھی کہ ان میں سے کچھ نے خود کو حسین دوشیزاؤں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں فتح کرنے کے لئے وقف کر رکھا تھا، کچھ کو کم عمری ہی میں دولت کمانے کا روگ لگ گیا تھا۔ اور وہ کئی قسم کی غیر قانونی تجارتی سرگرمیوں میں لگ گئے تھے۔ کچھ رشوت لینے، ووٹ

بیچنے کا کاروبار اپنے والدین سے سیکھ رہے تھے۔ اور کچھ لوگ بہت قلیل تعداد میں فوج میں بھرتی ہو رہے تھے۔ مگر کائیس کسی ایسی جھنجھٹ میں نہیں پڑا تھا۔ بے کاری، خوشحالی اور ''جیو اور جینے دو'' اس کے لئے مہذب اور قابلِ عمل فلسفہ بن چکا تھا۔ وہ خود کو اگر عظیم جمہوریہ کا ناگزیر شہری نہیں تو کم از کم غیر ضرر رساں آدمی ضرور سمجھتا تھا۔ وہ اپنے چچا کی طرف سے بار بار لگائے جانے والے غیر اعلانیہ تہمت کا بُرا مانتا تھا۔

اس نے دیکھا کہ غلاموں کے کوارٹر رہائشی علاقے سے دور رکھے گئے تھے اور ان کی نشانی تک کو (بدصورتی یا جدوجہد کی نشانی تک کو) محل کی روایتی شان وشوکت اور سکون و وقار میں گھسنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ محل ایک بلند جگہ پر تعمیر کیا گیا اور رنگ وروغن شدہ اور سرخ ٹائلوں سے چھتا گیا تھا۔ ہر جگہ سنگ مرمر استعمال کیا گیا تھا۔ مچھلیوں کے لئے بیسن اور ہرن اور دوسرے خوبصورت نایاب جانوروں کے لئے خوبصورت لان بنے ہوئے تھے۔ اس نے محل میں مجسمے نصب کرنے کے لئے بڑی بڑی قیمتیں دے کر یونانی مجسمہ ساز خرید لئے تھے حالانکہ خود اس کی اپنی کوئی پسند نہ تھی۔ وہ تو سب کچھ اپنی بیوی جولیا کے لئے کیا کرتا تھا۔

جب وہ بڑے گیٹ سے داخل ہو کر محل کی جانب جا رہے تھے تو کلاڈیا نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''میں ایسی جگہ کا تصور تو میں خواب میں بھی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ یونانی دیومالائی کہانیوں کی طرح ہے''۔

''ہاں واقعی، یہ بہت خوش گوار مقام ہے''۔ ہیلینا نے اتفاق کیا۔

انتونیس کائیس کی دو چھوٹی بچیوں نے انہیں سب سے پہلے دیکھا اور دوڑتے ہوئے ان کی طرف آئیں۔ جبکہ ان کی ماں جولیا جو قبول صورت، گول مٹول اور سانولی رنگت والی خاتون تھی، نرم رفتاری سے ان کی طرف بڑھی۔ انتونیس خود تین افراد کے ہمراہ مکان سے نمودار ہوُا۔ وہ ایک پر تکلف اور رکھ رکھاؤ والا شخص تھا۔ وہ اپنے بھتیجے، بھتیجی اور ان کی دوست کے ساتھ شائستگی سے ملا۔ پھر روایتاً اس نے اپنے مہمانوں کا تعارف کرایا۔ ان میں سے دو کو کائیس پہلے سے جانتا تھا ایک لینٹی لس

گراکس تھا، جو زیرک اور کامیاب سیاستدان تھا اور دوسرا لی سی نیئس کراسس تھا، جس نے غلاموں کی جنگ میں جنرل کی حیثیت سے خوب نام پیدا کیا تھا۔ لیکن تیسرا شخص کائیس کے لئے اجنبی تھا۔ وہ دوسروں سے عمر میں چھوٹا تھا۔ اس کا نام مارکوس ٹولیئس سائیسیرو تھا۔ یہ تجسّس اور جانچنے پرکھنے والی نظروں سے کائیس اور دونوں خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا۔

اس دوران کلاڈیا جاگیردار انتونیس کائیس پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ چونکہ وہ سیاست کے بارے میں معمولی شُد بُد اور جنگ کے بارے میں بھی دھندلی سی معلومات رکھتی تھی۔ اس وجہ سے وہ گراکس اور کراسس دونوں سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔ سائیسیرو انجانا بھی تھا اور صاف طور پر منصب داروں کی لالچی نسل میں سے بھی تھا۔ جن سے کلاڈیا کو نفرت کرنا سکھایا گیا تھا۔ اس لئے کلاڈیا اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہی تھی۔ جولیا نے آتے ہی کائیس کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ وہ اُسے بہت چاہتی تھی اور ایک بڑی بھدّی بلّی کے بچّے کی طرح اس سے خُرخُر کر رہی تھی اور کلاڈیا انتونیس کے بارے میں کائیس کی رائے سے زیادہ زیرک انداز میں اپنی رائے قائم کر چکی تھی۔ اسے طوطے کی ناک، مضبوط پٹھوں والا یہ جاگیردار ظلم کا مجموعہ لگا، ایسے لگتا تھا جیسے کہ اس کی بھوک کبھی نہ مٹ سکی۔ وہ جس طرح خود کو سخت قسم کا پروٹسٹنٹ ظاہر کر رہا تھا، اُسے کلاڈیا نے محسوس کیا۔ وہ تو کمزور لوگوں پر طاقتور لوگوں کو ترجیح دیتی تھی۔ انتونیس نے کلاڈیا پر ظاہر کر دیا تھا کہ وہ غیر دانشمندانہ اور مصلحت ناکوش آدمی ہرگز نہیں ہے۔

یہ سب لوگ مکان کے اندر آ گئے۔ پالکی بان اتنی لمبی مسافت طے کرنے کے بعد تھکے ہارے، پسینے سے شرابور، اپنی پالکیوں کے گرد جھکے ہوئے، شام کی ہَوا سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کے پٹھے تھکاوٹ کے درد کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔ کوئی بھی ان کی طرف توجہ نہیں کر رہا تھا۔ پانچوں مرد، تینوں عورتیں اور دونوں بچّے مکان کے اندر جا چکے تھے مگر پالکی بان ابھی تک اپنی پالکیوں کے گرد سر جُھکائے انتظار کر رہے تھے۔ ان میں سے بیس برس کا ایک لڑکا سسکیاں لے رہا تھا، قابل رحم سسکیاں۔ مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ وہ تقریباً بیس منٹ تک وہیں رہے۔ تب ایک غلام ان کی طرف آیا اور انہیں بیرکوں کی طرف لے گیا جہاں انہیں کھانا دیا گیا اور رات بسر کرنے کے

لئے چھپر بھی۔

کائیس نے لی سی نیئس کراسس کے ساتھ غسل کیا۔ اس نے کراسس کو خوش اخلاق اور خوش ذوق پایا، اس میں وہ تمام دِل کش رویے پائے جو قابل ستائش ہو سکتے تھے۔ وہ آہستگی سے پانی سے کھیلتے رہے، آگے پیچھے تیرتے رہے۔ گرم و مُعطّر پانی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پانی میں مُعطّر نمکیات ڈال کر اسے رنگین بنا دیا گیا تھا۔ کراسس نے اپنے بدن کی خوب دیکھ بھال کر رکھی تھی اور اپنی توند نکلنے نہیں دی تھی۔ وہ سخت جان اور متوازن انداز میں چُست و جوان تھا۔ اس نے کائیس سے پوچھا کہ آیا وہ روم کی سڑک سے آئے ہیں۔

''ہاں ہم اسی سڑک سے آئے ہیں اور کل صبح ہم لوگ کاپُوا جا رہے ہیں''۔

''آپ کو سزا کی علامتوں سے تکلیف تو نہیں پہنچی؟''۔

''نہیں، حقیقت یہ ہے کہ انہیں دیکھ کر کوئی خاص تکلیف نہیں پہنچی، البتہ تعجب ضرور ہوا۔ لاشوں کو پرندوں نے چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا' جس کی وجہ سے کسی حد تک ناخوشگواری پیدا ہوتی تھی۔ خصوصاً جب ہَوا چلتی تھی۔ مگر اس کا کوئی تدارک بھی نہ تھا۔ لڑکیاں اپنے پردے کھینچتی تھیں مگر پالکی بانوں کا دل خراب ہوتا تھا اور کبھی تو وہ بالکل بیمار سے دکھائی دیتے تھے''۔

''میرے خیال میں انہوں نے اپنی قوم سے خود کو وابستہ کر لیا ہوگا'' جنرل مسکرایا۔

''ممکن ہے۔ کیا آپ کے خیال میں غلاموں میں احساسات بھی موجود ہوتے ہیں؟ جانوروں جیسے لوگ کیا سوچ رکھتے ہوں گے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سارے غلام سپارٹیکس کے لئے ہمدردی محسوس کرتے ہیں؟''۔

''میرے خیال میں سارے غلام سپارٹیکس سے محبت کرتے تھے''۔

''اچھا؟ پھر آپ تو اس بات پر پریشان ہوتے ہوں گے''۔

''بہر حال۔ میں صلیبوں پر چڑھائے جانے والا یہ معاملہ پسند نہیں کرتا تھا''۔ کراسس نے

وضاحت کی۔

''میرے نزدیک تو یہ فضول خرچی تھی۔صرف ضائع کرنے کے لئے ضائع کرنا۔اس بڑے پیمانے پر قتلِ عام ہمارے خلاف جائے گا اور مستقبل میں ہمیں نقصان پہنچائے گا''۔

''مگر غلام کیا کرسکیں گے؟'' کائیس نے احتجاجاً کہا۔

''سائیسیرو بہت شوق سے کہتا ہے کہ غلام بولنے والا اوزار ہوتا ہے جو درندوں یعنی نیم بولنے والے اوزار سے مختلف ہے جو کہ عام اوزار یعنی بے آواز آواز سے مختلف ہے۔بات کو اس طرح پیش کرنا ہوشیار اور چالاک انداز ہے اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ سائیسیرو بہت ہوشیار آدمی ہے۔مگر سائیسیرو کو تو سپارٹیکس کے خلاف لڑنا نہیں پڑا تھا۔اسے میری طرح سوچتے رہنے کے لئے راتیں جاگ کر کاٹنا نہیں پڑی تھیں کہ سپارٹیکس کیا سوچ رہا تھا۔جب آپ ان کے خلاف لڑ رہے ہوں تو آپ کو اچانک معلوم ہوگا کہ غلام محض بولنے والے اوزار نہیں ہیں''۔

''آپ اُسے جانتے تھے؟ میرا مطلب ہے ذاتی طور پر''۔

''کِسے؟''۔

''سپارٹیکس کو''۔

جنرل جواباً مسکرایا

''بالکل نہیں'' اس نے کہا۔''میں نے اِدھر اُدھر سے ٹکڑے جوڑ کر اس کا ایک خاکہ سا تیار کرلیا تھا۔مَیں نے اسے دیکھا نہیں تھا اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو جانتا ہوں جو اسے پہچانتا ہو۔اسے پہچانا جایا بھی نہیں سکتا۔اگر آپ کا اپنا سُدھایا ہوا کتا اچانک باؤلا ہوکر بھاگ جائے تو آپ کتّوں کے غول میں اسے کیسے پہچانیں گے؟مَیں نے سپارٹیکس کے بارے میں اپنا تصور قائم کرلیا تھا مگر اس کی تصویر بنانے سے قاصر رہا اور میرے خیال میں کوئی دُوسرا بھی ایسا نہیں کرسکتا۔اگر کچھ لوگ کر بھی سکتے تھے تو وہ سب کے سب اسپین شاہراہ کے ساتھ ساتھ لٹکے ہوئے ہیں۔وہ شخص تو پہلے ہی سے ایک خواب بن گیا تھا۔ہم تصّور میں اسے دوبارہ کسی غلام کے رُوپ میں دیکھیں گے''۔

''جیسا کہ وہ تھا''۔کائیس بولا۔

''ہاں ہاں۔مجھے یہی نظر آتا ہے''۔

کائیس کے لئے معاملے کی گہرائی تک پہنچنا مشکل تھا۔وجہ یہ نہ تھی کہ اسے جنگ کے بارے میں کوئی تجربہ نہ تھا، بلکہ اس لئے کہ اسے جنگ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔حالانکہ جنگ اس کے طبقے، نسل اور اس کی برادری یعنی اشرافیہ طبقے کی ضرورت تھی۔وہ اس بات پر حیران تھا کہ پُوری رومن تاریخ کی تلخ ترین جنگ لڑ کر بھی اس جنرل کو کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔اس نے غلاموں کو شکست دیا تھا۔اور وہ بھی ایسے وقت، جب غلام روم کو تقریباً شکست دے چکے تھے۔کراسس کی ذات ایک حقیقت بن گئی تھی حالانکہ اس کے بارے میں نہ تو شاعری کی گئی تھی اور نہ ہی کوئی داستان گھڑی گئی تھی بلکہ اُلٹا پوری جنگ کو فراموش کرنے کی کوششیں کی جارہی تھیں۔

وہ غسل خانے سے باہر نکلے تو منتظر غلام عورت نے انہیں گرم تولیوں میں لپیٹ لیا۔کائیس نے سوچا کہ اس قسم کی عیش وعشرت کی زندگی تو پچھلے زمانے کے بادشاہ بھی نہیں گزار چکے ہوں گے جس قدر کہ جاگیردار انتونیس کے گھر میں اسے مہیّا تھی۔

''مُجھے لباس پہنائے جانے یا عورتوں کے ہاتھوں میں لئے جانے کی کبھی عادت نہیں رہی'' کائیس نے کہا۔

''کیا تم ایسا پسند کرتے ہو؟''۔

''مَیں نے اس پر کبھی غور نہیں کیا'' کائیس نے جواب دیا۔حالانکہ اصل میں ایسا نہیں تھا۔کیونکہ اسے غلام عورتوں کے ہاتھوں میں لئے جانے میں ایک خاص مسّرت اور لذت ملتی تھی۔جنرل کے سوال نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ ان خادماؤں کو بغور دیکھے۔وہ سپین کی رہنے والیاں تھیں، جوان اور قد کاٹھ میں کم۔ان کے پاؤں ننگے تھے اور وہ رُومی چُغوں میں ملبوس تھیں۔ان کے لباس گرم پانی کی بھاپ سے پُرنم ہوگئے تھے اور تیزی سے تولیہ لگانے کی وجہ سے پسینہ میں شرابور۔کائیس بہت جذباتی ہورہا تھا۔کراسس نے ان میں سے ایک کو اپنی طرف کھینچا اور مُسکرایا۔وہ سٹپٹا گئی۔

کراسس کی اس حرکت سے کائیس کو شرمندگی ہوئی۔اسے یہ حرکت نیچ اور گندی لگی۔وہ مالش کی میز پر جاکے لیٹ گیا اور کچھ لمحوں بعد کراسس بھی وہیں پہنچ گیا۔''ایک خُوب صُورت اور ننھی

چیز''۔ کراسس نے کہا۔ کائیس نے سوچا کہ کیا یہ آدمی عورتوں کے معاملے میں مکمل بدھو ہے؟ مگر کراسس کو بظاہر کوئی پرواہ نہ تھی۔ ''سپارٹیکس'' اس نے قصّہ کو وہیں سے شروع کر دیا۔ جہاں سے چھوڑا تھا۔

''میرے لئے بھی اتنا ہی معمّہ تھا، جتنا تمہارے لئے ہے۔ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا حالانکہ اس نے مجھے تگنی کا ناچ نچوایا تھا''۔

''آپ نے اُسے کبھی نہیں دیکھا؟''۔

''کبھی نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں اسے جانتا نہیں تھا۔ ٹکڑے ٹکڑے جوڑ کر میں نے اسے تخلیق کیا، لوگ موسیقی یا فن تخلیق کرتے ہیں، مگر میں نے اس کی تصویر تخلیق کی تھی''۔

کراسس لیٹ گیا۔ وہ مالش کرنے والی عورت کی انگلیوں کے لمس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''سپارٹیکس کے متعلق آپ کا خاکہ کیسا لگتا تھا؟''۔ کائیس نے پوچھا۔

''مجھے ہمیشہ تعجب یہ ہوتا ہے کہ سپارٹیکس کے ذہن میں میرا خاکہ کس طرح کا بنا تھا۔ اس نے آخری وقت پر مجھے پکارا تھا۔ میں نے خود تو اس کی آواز نہیں سُنی، مگر لوگ کہتے ہیں کہ اس کے آخری الفاظ یہ تھے۔ ''کراسس حرام زادے! میرا انتظار کرو''۔ وہ مجھ سے بمشکل چالیس، پچاس گز کے فاصلے پر تھا۔ اس نے میری طرف دوڑنا شروع کیا تھا۔ یہ واقعی حیران کن بات تھی۔ وہ بڑے قد کاٹھ کا آدمی نہ تھا۔ نہ ہی زیادہ طاقتور، مگر اس وقت وہ انتہائی غضب ناک ہو رہا تھا۔ اسی طیش اور غصے کی بدولت تو وہ لڑا تھا۔ اس نے میری طرف فاصلے کا نصف حصہ طے بھی کیا تھا۔ اس نے اپنی اس آخری شیطانی دوڑ میں کم از کم دس گیارہ آدمی قتل کر ڈالے تھے اور وہ اس وقت تک نہ رُکا جب تک میرے آدمیوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر دیا''۔

''پھر تو یہ بات درست ہوئی ناں کہ اس کی لاش کبھی بھی نہ ملی؟''۔ کائیس نے پوچھا۔

''ہاں یہ صحیح ہے۔ اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا اور ملنے کے لئے کچھ بچا ہی نہ تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ جنگ کا میدان کیا ہوتا ہے؟ وہاں صرف گوشت اور خُون ہوتا ہے۔ کوئی نہیں جان سکتا کہ یہ گوشت کس کا ہے، یہ خُون کس کا ہے۔ چنانچہ وہ جس طرح آیا تھا اُسی طرح چلا گیا۔ عدم سے عدم

تک۔ نکلا تھا' اکھاڑے سے گھسا تھا قصائی کی دکان میں۔ ہم تلوار سے زندہ رہتے ہیں اور تلوار سے مرتے ہیں۔ یہی حال سپارٹیکس کا تھا۔ میں اُسے سلام کرتا ہوں''۔

ان الفاظ نے کائیس کو کباب بنانے والے کی گفتگو یاد دلا دی۔ اس کی زبان پر یہی سوال آیا تھا مگر اس نے لمحہ بھر غور کر کے دوسرا سوال کر دیا۔

''کیا آپ اس سے نفرت نہیں کرتے؟''۔

''نہیں۔ کیوں کروں؟ وہ ایک اچھا سپاہی تھا اور قابلِ نفرت گندا غلام۔ میں کِس چیز سے نفرت کروں؟ وہ مر گیا اور میں زندہ ہوں۔ بس مجھے یہ بات پسند ہے''۔ وہ مالشی عورت کی انگلیوں کے تحت احسان مندی سے بل کھا گیا۔ ''مگر میرا تجربہ محدود ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اس طرح نہیں سوچتے ہو گے۔ مجھے پھوہڑ عورتیں پسند نہیں ہیں۔ میں تو صحت مندی، احتیاط اور خوب صُورتی پر مرتا ہوں جیسی کہ یہ عورت ہے۔ کائیس! ایک شخص کتنی دُور جا سکتا ہے؟''۔

کائیس پہلے تو سمجھ ہی نہ سکا کہ جنرل کس چیز کے بارے میں بات کر رہا ہے۔ وہ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کراسس کے گردن کے پٹھے جذبات سے پھول گئے تھے۔ کائیس خوف زدہ سا ہو گیا۔ اس نے کمرے سے فوراً بھاگنا چاہا مگر وہ ایسا نہ کر سکا کہ یہ طرزِ شریفانہ نہ تھا۔

''آپ اِسی عورت سے پوچھ لیں''۔ کائیس نے کہا۔

''اس سے؟۔ کیا تمہارے خیال میں یہ کُتیا لاطینی زبان بول سکتی ہے؟''۔

''یہ سب تھوڑی بہت بول سکتی ہیں''۔

''تمہارا مطلب ہے اس سے براہِ راست پوچھا جائے؟''۔

''کیوں نہیں؟'' کائیس بڑبڑایا اور پیٹ کے بل لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

9

کائیس اور کراسس غسل خانے میں تھے۔ ڈوبتے سورج کی سنہری کرنیں سلاریا محل کی سبزہ زاروں پر پڑ رہی تھیں۔ انتونیس کائیس اپنی بھتیجی کی سہیلی کو سیر کرانے میدان کی طرف لے گیا۔

انتونیئس کائیس خود کو تمکنت آمیز دکھاووں میں نہیں ڈالتا تھا۔ اس کا نقطۂ نظر ہی الگ تھا۔ اُسے کسی ایسے سماجی عدم تحفظ کا سامنا نہ تھا جسے کسی نمائشی دکھاوے کی ضرورت ہو۔ یہ دکھاوا اُن دنوں وہاں کے ابھرتے ہوئے تاجروں کے نئے طبقے میں عام سی بات تھی۔ اپنے دوستوں کی طرح انتونیئس کائیس بھی گھوڑوں سے محبت رکھتا تھا۔ وہ اچھی نسل کے گھوڑوں پر کثیر سرمایہ خرچ کرتا تھا۔ اُس زمانے میں ایک اچھی گھوڑی کی قیمت ایک اچھے غلام کی قیمت کے پانچ گنا کے برابر ہوا کرتی تھی اور اس کا جواز یہ تھا کہ کبھی کبھی ایک گھوڑی کی مناسب تربیت کے لئے پانچ غلاموں کی ضرورت پڑتی تھی۔

گھوڑے وسیع سبزہ زار پر دوڑ بھاگ رہے تھے۔ ایک طرف اصطبل اور باڑھ تھے اور وہاں سے کچھ فاصلے پر پتھر کی بنی ایک گیلری تھی۔ جس پر پچاس آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔

جب وہ اصطبل کے قریب پہنچے تو انہیں ایک سانڈ گھوڑے کی تیز و مہیب ہنہناہٹ سنائی دی۔ یہ غضب ناک آواز کلاڈیا کے لئے نئی تھی۔

''یہ آواز کیسی ہے؟'' اس نے انتونیئس کائیس سے پوچھا۔

''ایک سانڈ گھوڑا مست ہوا ہے۔ میں نے دو ہفتے ہوئے اسے خریدا ہے۔ تھریشین نسل، بڑی ڈیل ڈول اور وحشت ناک، مگر ہے بہت خوبصورت۔ کیا آپ اسے دیکھنا پسند کریں گی؟''۔

''مجھے گھوڑوں سے پیار ہے، براہِ کرم مجھے دکھایئے''۔

وہ اصطبل کی طرف چل دیئے۔ انتونیئس نے بکھرے اور سکڑے ہوئے ایک مصری غلام سے گھوڑے کو نمائش والی باڑھ میں لانے کو کہا۔ وہ گیلری کی طرف گئے اور نرم نرم گدّوں پر بیٹھ گئے۔ جو ایک غلام نے ان کے لئے بچھائے تھے۔ کلاڈیا کو اندازہ ہوا کہ انتونیئس کے غلام کس قدر تربیت یافتہ تھے۔ کس طرح وہ اس کی ہر خواہش کو اس کے ابرو کے ایک اشارے پر پُورا کرتے ہیں۔ وہ خود بھی غلاموں کی جھرمٹ میں پلی بڑھی تھی اور اسے پتہ تھا کہ انہیں سدھارنے میں کتنی مشکلات ہوتی ہیں۔ جب اس نے اس کا ذکر انتونیئس سے کیا تو اس نے کہا۔

''میں اپنے غلاموں کو کوڑے نہیں مارتا۔ جب کبھی کوئی گڑبڑ ہو تو مَیں ایک کو مار دیتا ہُوں۔ اس سے ان کی فرمانبرداری بھی درست ہو جاتی ہے اور اُن کے دل بھی نہیں ٹوٹتے۔ غلاموں کو سنبھالنا

آسان نہیں ہوتا۔ غلام اور گھوڑے دونوں کو سنبھالنا مشکل کام ہوتا ہے''۔

اب وہ سانڈ کو باڑھ میں لائے۔ وہ گھوڑا ایک عظیم الجثہ اور وحشت ناک درندہ لگ رہا تھا۔ لال سُرخ آنکھیں اور منہ میں خاردار لگام۔ اس کے باوجود کہ اس کی لگام کو دو غلاموں نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا، وہ اسے چھلانگوں اور اچھل کُود سے نہیں روک سکے تھے۔ وہ انہیں احاطے کے نصف تک گھسیٹتا رہا اور جب وہ جان بچانے کے لئے اس کی لگام چھوڑ کر بھاگنے لگے تو ہنہناتے ہوئے وہ انہیں دولتیوں سے نوازتا رہا۔ کلاڈیا خوشی سے قہقہے لگاتی ہوئی تالیاں بجا رہی تھی۔

''لاجواب گھوڑا ہے، لاجواب!'' وہ چیخی ''مگر وہ نفرت سے بھرا کیوں ہے؟''

''کیا آپ نہیں جانتیں؟''

''میرا اندازہ ہے کہ یہ محبت ہوگی، نفرت نہیں''۔

''دونوں ہیں۔ وہ ہم سے نفرت کرتا ہے کیونکہ ہم اسے وہ کرنے نہیں دے رہے جو وہ چاہتا ہے۔ کیا آپ دیکھنا چاہتی ہیں؟''

کلاڈیا نے اثبات میں سر ہلایا۔ انتونیئس نے ذرا سے فاصلے پر کھڑے ہوئے غلاموں سے چند الفاظ کہے اور وہ دوڑ کر اصطبل کی طرف گئے۔ گھوڑی بھورے رنگ کی تھی، نرم، ملائم اور حواس باختہ۔ وہ احاطے کے اندر دوڑی مگر سانڈ گھوڑے نے چکّر کاٹتے ہوئے اس کا راستہ روک لیا۔ مگر انتونیئس کائیس گھوڑی کو نہیں دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھیں کلاڈیا پر جمی ہوئی تھیں جو اس نظارے میں مستغرق تھی جو اس کے سامنے ہو رہا تھا۔

10

شیو کر کے نہانے، خوشبو لگا کے بالوں کو کنگھی کرنے اور رات کا کھانا کھانے کے لئے نئے کپڑے پہننے کے بعد کائیس شراب کا ایک گلاس پینے کے لئے ساتھ والے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس کمرے میں گلابی رنگ کی ٹائلیں لگی ہوئی تھیں اور اس کی چھت ہلکے زرد رنگ کے خوبصورت شیشے کی تھی۔ ڈوبتے سورج کی مدھم سی شعاعوں نے چوڑے پتوں والے پودوں میں سے گزر کر ایک

جمالیاتی سماں پیدا کر رکھا تھا۔ جب کائیس داخل ہوا تو جولیا پہلے سے وہاں موجود تھی۔ وہ اپنے دونوں بازوؤں میں ایک ایک بلّی لئے ایک قیمتی بنچ پر بیٹھی تھی۔ اس نے لمبا گاؤن پہن رکھا تھا، اس کے سیاہ بال خُوبصورتی سے سنوارے ہوئے تھے۔ وہ رومن مٹیرن لگ رہی تھی۔ خوش اندام، خاموش اور پُر وقار۔ اگر وہ بچگانہ طور پر پوز بنائے نہ بیٹھی ہوتی تو یقیناً وہ کائیس کو گراشی کی ماں کی پینٹنگ کی یاد دلا دیتی۔ اس نے اس کی تعریف کرنے اور واہ واہ کہنے کی خواہش کو دبا دیا۔ جولیا کو تباہ کرنا بہت آسان تھا اس لئے کہ اس کی ریاکاری ہمیشہ دردانگیز ہوتی تھی۔

''آیئے، کائیس'' وہ حقیقی مسّرت اور حیرت سے مسکراتی ہوئی بولی۔

''جولیا مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ یہاں ہوں گی'' اس نے معذرت کی۔

''مگر آپ رُکیئے۔ رُکیئے۔ تاکہ میں آپ کے لئے شراب کا ایک جام بھر دوں''۔

''ٹھیک ہے'' وہ رضامند ہوا۔ جب جولیا بچیوں کو باہر بھیجنے لگی تو اس نے احتجاج کے لہجے میں کہا۔

''اگر وہ یہیں رہنا چاہتی ہیں تو انہیں یہیں رہنے دیں.....''

''یہ ان کے کھانے کا وقت ہے''۔ بچّے جب چلے گئے تو اس نے کہا'' کائیس آؤ' میرے قریب بیٹھو''۔ وہ بیٹھ گیا اور جولیا نے دونوں کے لئے گلاس بھرے۔ جولیا نے اپنا جام اس کے جام سے ٹکرایا اور نظریں اسی پر جمائے اپنا جام پی لیا۔

''کائیس تم بُہت خوبصورت ہو''۔

''جولیا مجھے خوبصُورت ہونے کی کوئی خواہش نہیں''۔

''تو تمہیں کِس چیز کی خواہش ہے؟''

''خوشی کی''۔ اس نے جواب دیا۔

''اور تم جیسے نوجوان کے لئے خوشی کا حصول مشکل ہوتا ہے۔ ہے نا کائیس؟''

''کیا واقعی؟ میرا چہرہ مغموم ہے کیا؟''۔

''یا شاید بہت زیادہ کِھلا ہوا ہے!''

''جولیا! مقدس دوشیزہ کا کردار ادا نہ کرو''۔

''تم مجھ سے زیادہ عقلمند ہو۔ کائیس! میں تمہاری طرح ظالم نہیں ہوں''۔

''جولیا میں ظالم نہیں بننا چاہتا''۔

''کیا تم میرا بوسہ لے کر اپنی بات کا ثبوت دو گے؟''

''یہاں؟ اِس جگہ؟''

''ہاں انتونیئس اتنی جلد واپس نہیں آئے گا۔ اس وقت وہ اپنے سانڈ کو اصطبل میں بند کرا رہا ہوگا جسے وہ تمہاری گوری لڑکی کو دکھانے گیا تھا''۔

''کیا؟ کلاڈیا کو؟ ارے نہیں''۔ کائیس کو بُہت تکلیف ہو رہی تھی۔

''تم درندہ ہو۔ تم میرا بوسہ لو گے کہ نہیں؟''۔

اس نے آہستگی سے اس کے ہونٹوں کو چُوما۔

''بس؟ کیا تم آج رات.....؟''

''دراصل، جولیا.....''

''انکار نہ کرو'' اس نے اس کی بات کاٹی'' خدا کے لئے ..... انکار نہ کرو۔ تمہیں آج رات تمہاری کلاڈیا بہرحال نہیں ملے گی۔ میں اپنے خاوند کو جانتی ہوں''۔

''وہ میری کلاڈیا نہیں ہے اور مجھے آج رات اس کی ضرورت نہیں ہے''۔

''پھر.....''

''اچھا بابا'' اس نے کہا'' اچھا جولیا۔ ہم اب اس بارے میں گفتگو نہیں کریں گے''۔

''تم نہیں چاہتے.....''

''جولیا، میرے چاہنے یا نہ چاہنے کی بات نہیں ہے۔ میں بس اس بارے میں مزید گفتگو کرنا نہیں چاہتا''۔

رُوم میں عام تبدیلیاں آ رہی تھیں مگر ولاّ سلاریا میں دوسری گھریلو چیزوں کی طرح رات کا کھانا بھی ان تبدیلیوں کی مزاحمت کا مظہر تھا۔ انتونیس کائیس قدامت پرست نہیں تھا۔ اس نے تو اپنے آپ کو اس نئے تاجر طبقے سے علیحدہ رکھنے کے لئے ایسا کیا جو جنگ، ڈکیتی، معدن اور تجارت کی مدد سے ابھر رہا تھا۔ یہ طبقہ یونان اور مصر کی ہر نئی اختراع و ایجاد کے ساتھ لپٹ جاتا تھا۔ اسے صوفے پر پھیلے ہوئے کھانے سے کوئی لطف نہیں آ رہا تھا، جس نے اس کا ہاضمہ خراب کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے مہمان میز پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ اس نے بہترین مرُغ مسلم اور نفیس پیسٹریاں انہیں پیش کی تھیں اور بہترین یخنی اور متنوع پھلوں سے میز بھری ہوئی تھی۔

وہ کھانے، اچھی شراب اور اچھی گفتگو کے دوران موسیقی کو بھی پسند کرتا تھا۔ اس کا باپ اور دادا دونوں روانی سے پڑھ اور لکھ سکتے تھے اور وہ خود کو بھی تعلیم یافتہ سمجھتا تھا۔ اس کا دادا اپنے غلاموں کو ساتھ لے کر کام کرنے کے لئے کھیتوں پر چلا گیا تھا اور انتونیس کائیس اپنی وسیع سبزہ زار پر اس طرح حکمرانی کر رہا تھا جس طرح ایک مشرقی شہزادہ اپنی چھوٹی سی سلطنت پر کرتا ہے۔ وہ خود کو روشن خیال حکمران تصور کرتا تھا۔ اس کے خیال میں اسے یونانی تاریخ، فلسفہ اور ڈرامہ پر عبُور حاصل تھا۔ علم طب سے واقفیت تھی اور سیاسی معاملات کا بھی علم حاصل تھا۔ اس کے مہمان اس کی پسند اور معیار کی عکاسی کر رہے تھے اور جب کھانے کے بعد وہ اپنی کرسیوں پر بیٹھے شراب کی چسکیاں لے رہے تھے، کائیس نے ان میں وہ صفتیں پہچان لیں جن کی وجہ سے روم، روم بنا تھا اور جن کی بدولت رُوم پر ان کی حکمرانی تھی۔

کائیس ان صفات کو پہچان رہا تھا۔ اس مَد میں خود اسے کوئی لالچ نہ تھی۔ وہ ایک اچھے خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کی قابلیت صرف خوراک اور اصطبل سے متعلق تھی جو ایک لحاظ سے نئی سمت تھی۔ پھر بھی اس کی کچھ اہمیت تھی۔ اس کے خاندانی روابط تھے جو اس کے والد کی موت کے وقت قابلِ رشک تھے۔ وہ بہت دولت مند بن سکتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ تقدیر کے پلٹنے سے وہ سیاسی اہمیت کا حامل شخص بن جاتا۔ لہٰذا وہ قابل برداشت تھا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جا سکتا تھا۔

کائیس ان لوگوں سے خوف زدہ بھی تھا۔ ان سب میں ایک بیماری تھی۔ مگر یہ مرض انہیں کمزور

نہیں کر رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے بہترین کھانا کھا کر بیٹھے مسرور کن شراب کی چسکیاں لے رہے تھے۔ جن لوگوں نے ان کی طاقت کا مقابلہ کرنے کی جرأت کی تھی ان کی لاشیں اپیئین شاہراہ کے ساتھ ساتھ میلوں تک لٹک رہی تھیں۔ سپارٹیکس قیمہ بن چکا تھا، قصائی کی میز پر پڑے ہوئے قیمہ کی مانند۔ اسے صلیب پر چڑھا دینا کافی نہ تھا۔ مگر میز کے کونے پر پُرسکون و پُر یقین بیٹھے انتونیس کائیس کو کبھی صلیب پر چڑھایا نہیں جا سکتا۔ کائیس گھوڑوں کے بارے میں مدلل گفتگو کر رہا تھا کہ ایک گھوڑے کو ہل میں جوتنے سے بہتر ہے کہ دو غلاموں کو جوتا جائے اس لئے کہ کوئی بھی گھوڑا غلاموں کے غیر انسانی سلوک کا شکار نہیں ہو سکتا۔

یہ سُن کر سائیسیرو کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ کائیس کے لئے سائیسیرو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ تکلیف دہ تھا۔ سائیسیرو کو کیسے کوئی پسند کرتا؟ کیا وہ سائیسیرو کو پسند کرتا تھا؟ ایک بار سائیسیرو نے اس پر نگاہیں یوں مرکوز کیں جیسے کہہ رہا ہو ''میرے بچے! مَیں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اُوپر سے نیچے تک، اندر سے بھی باہر سے بھی''۔ اسے تجسّس تھا کہ کیا دوسرے لوگ بھی سائیسیرو سے خوف زدہ تھے؟ اس نے خود سے کہا۔

''سائیسیرو سے دُور رہو۔ خُدا اسے جہنم واصل کرے'' کراسس مہذب انداد میں دلچسپی سے سُن رہا تھا۔ کراسس کو مُہذب ہونا ہی تھا۔ وہ روم کا سپاہی جو تھا، تندرست و توانا، مضبوط پٹھوں والا، گندمی چہرے اور سیاہ بالوں والا کراسس۔ پھر کائیس کو جب غسل خانہ یاد آیا تو وہ چونک پڑا۔ میز کی دوسری جانب سیاستدان گراکس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ایک عظیم الجثہ شخص تھا۔ اس کی آواز گہری تھی، اس کی گردن پر چربی چڑھی ہوئی تھی، اس کے ہاتھ موٹے اور پھولے ہوئے تھے۔ اس نے تقریباً ہر انگلی پر انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ اس کا روّیہ پیشہ ور سیاستدان کا سا تھا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنستا تھا۔ اس کی منظوری پُر وقار منظوری ہوتی تھی جبکہ اس کی نا منظوری ہمیشہ مشروط ہوتی تھی۔ اس کے بیانات نمائشی کرو فر والے ہوتے تھے مگر کبھی بھی احمقانہ نہ تھے۔

سائیسیرو نے کہا۔

''یقیناً غلام ہل میں جُتنے چاہئیں۔'' سوچ سکنے والا درندہ' سوچ نہ سکنے والے وحشی سے اچھا ہوتا

ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے۔ گھوڑا بیش بہا چیز ہے۔ گھوڑوں کے ایسے قبیلے نہیں ہوتے جن کے خلاف جنگ لڑی جا سکے اور جس کے نتیجے میں ڈیڑھ لاکھ کو نیلامی کے لئے لایا جا سکے۔ اور اگر آپ ہل چلانے کیلئے گھوڑے استعمال کریں گے تو غلام انہیں برباد کر کے رکھ دیں گے''۔

''میرے خیال میں ایسا نہیں ہے'' گراکس نے کہا۔

''اپنے میزبان سے پوچھیئے''۔

''یہ صحیح ہے'' انتونیئس نے اثبات میں سر ہلایا ''غلام گھوڑے کو مار ڈالیں گے۔ وہ کسی بھی ایسی چیز کی عزّت نہیں کرتے جو اُن کے مالک کی ہو۔ سوائے ان کی اپنی ذات کے''۔ اس نے ایک اور جام بھرا۔ پھر بول پڑا۔

''کیا ہم غلاموں کے بارے میں گفتگو کریں گے؟''۔

''کیوں نہیں؟'' سائیسیرو بولا۔ ''وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے ہیں۔ ہم غلاموں اور غلام داری کی انوکھی پیداوار ہیں۔ یہی چیز ہمیں رومن بناتی ہے۔ غلاموں ہی کی بدولت ہمارا میزبان قابلِ رشک سبزہ زاروں کا مالک ہے۔ روم کا موضوعِ سخن کراسس ہے اس لئے کہ غلاموں نے بغاوت کی تھی اور اس نے اسے کچل دیا تھا۔ گراکس کی پوری آمدن غلاموں کی منڈی سے آتی ہے جو مکمل طور پر گراکس کی ملکیت ہے اور یہ نوجوان.....'' کائیس کی طرف مسکراتے ہوئے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ نوجوان میرا خیال ہے کہ ذرا زیادہ ہی غلاموں کی انوکھی پیداوار ہے اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اس کی پرورش کی، اسے کھلایا پلایا، تربیت کی اور.....''

کائیس غصّے سے سُرخ ہو گیا مگر گراکس نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

''سائیسیرو، اپنے بارے میں بھی بتاؤ''۔

''میرے لئے تو غلام ایک مسئلہ ہیں۔ ان دنوں روم میں شائستہ زندگی گزارنے کے لئے کم از کم دس غلاموں کی ضرورت ہے۔ مگر ان کا خریدنا، کھلانا، مکان دینا' یہی ہے میرا مسئلہ''۔

گراکس ہنستا رہا مگر کراسس نے کہا۔

''سائیسیرو، میں آپ سے متفق نہیں ہوں کہ ہم غلاموں کی بدولت رومن ہیں''۔ گراکس کی زوردار ہنسی جاری رہی۔ اس نے شراب کا ایک بڑا گھونٹ پیا اور ایک غلام لڑکی کا قصّہ سنانے لگا جو اس نے ایک ماہ قبل منڈی سے خریدی تھی۔ شراب نے اس کا چہرہ لال سُرخ کر دیا تھا اور ہنسی اس کی بڑی توند کو ہچکولے دے رہی تھی۔ وہ بڑی تفصیل سے اس خریدی ہوئی لڑکی کا قصّہ سنا رہا تھا۔ کائیس کے خیال میں یہ بیہودہ اور عُریاں کہانی تھی مگر انتونیئس دانشمندانہ انداز میں سر ہلا رہا تھا اور کراسس اس موٹے شخص کے اندازِ بیاں میں کھویا ہوا تھا۔ سائیسیرو توجہ سے سُنتا اور مُسکراتا رہا۔

''اب میں سائیسیرو کے بیان پر آتا ہوں''۔ کراسس نے کہا۔

''کیا میں نے آپ کی ہتک کی؟'' سائیسیرو نے پوچھا۔

''یہاں کسی کی ہتک نہیں ہوتی''۔ انتونیئس نے کہا۔ ''یہ محفل ہم مُہذب لوگوں کی محفل ہے''۔

''نہیں نہیں۔ کوئی ہتک وتک نہیں آپ نے مجھے اُلجھا دیا ہے'' کراسس نے کہا۔

''حیرت ہے''۔ سائیسیرو نے کہا۔

''ایک چیز کے شواہد چہار جانب موجود ہوں پھر بھی ہم اسے نہ مانیں۔ یونانی ہم سے مختلف ہیں۔ وہ دلیل کی جانب کشاں کشاں جاتے ہیں۔ خواہ اس کے نتائج کچھ بھی نکلیں۔ ہمارے چاروں طرف دیکھیے.....'' خدمت پر مامور ایک غلام نے خالی جام بھر دیئے۔ اور دوسرے نے خشک میوے رکھ دیئے۔

''..... ہماری زندگیوں کا جوہر کیا ہے؟ ہم ایسے ویسے لوگ نہیں ہیں۔ ہم رومن لوگ ہیں اور ہم رومن اس لئے ہیں کہ ہم وہ اولین لوگ ہیں جنہوں نے غلاموں کے استعمال کو سب سے پہلے سمجھ لیا''۔

''مگر غلام روم سے پہلے بھی ہوا کرتے تھے'' انتونیئس نے اعتراض کیا۔

''بے شک تھے، کچھ یہاں کچھ وہاں۔ یہ سچ ہے کہ یونانیوں کے باغات تھے مگر ہم نے یونان کو تباہ کر دیا تا کہ اپنے باغات لگا سکیں۔ باغ اور غلام ایک ہی چیز ہیں۔ جہاں لوگوں کے پاس ایک ہی غلام ہوتا تھا وہاں ہمارے پاس بیس ہیں۔ اور اب تو ہم غلاموں کی ایک سرزمین میں رہتے ہیں

اور ہماری سب سے بڑی کامیابی سپارٹیکس ہے۔ کیا خیال ہے کراسس؟ آپ کی تو سپارٹیکس کے ساتھ گہری شناسائی ہے۔ کیا رومن قوم کے علاوہ بھی کوئی قوم سپارٹیکس پیدا کرسکتی ہے؟''۔

''کیا سپارٹیکس کو ہم نے پیدا کیا؟'' جنرل پریشان ہو یا تھا۔ ''میرا خیال ہے کہ سپارٹیکس کو جہنم نے پیدا کیا تھا''۔ اس نے اپنی بات پوری کی۔

''نہیں۔ ایسا نہیں ہے''۔

گراکس زیرلب ہنستا رہا، شراب پیتا رہا اور کسی قدر معذرت خواہانہ انداز میں سائیسیرو کو دیکھتا رہا۔ گویا کہہ رہا ہو کہ ایک اچھا رومن ہونے کی حیثیت سے وہ یعنی گراکس فلسفہ کم جانتا تھا۔ بہرحال یہ تھا روم اور یہ تھے غلام۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ سائیسیروان سے کس برتاؤ کا مشورہ دیتا ہے؟۔

''سمجھنے کی کوشش کریں''۔ سائیسیرو نے کہا۔

''کیوں؟'' انتونیئس کائیس نے مطالبہ کیا۔

''اس لئے کہ بصورتِ دیگر وہ ہمیں تباہ کردیں گے''۔

کراسس ہنس پڑا۔ اسی اثناء میں اس کی آنکھیں کائیس سے دوچار ہوگئیں۔ یہ ان دونوں کے درمیان پہلا اور حقیقی سامنا تھا۔ نوجوان کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر کپکپی کی ایک لہر دوڑ گئی ہو۔ کراسس بہت زیادہ پی رہا تھا مگر ایسا محسوس ہوتے ہی کائیس کی شراب نوشی کی خواہش ختم ہوگئی۔

''کیا آپ اسی سڑک سے آئے ہیں'' کراسس نے پوچھا۔ سائیسیرو نے اثبات میں سر ہلایا۔ کسی فوجی کو اس بات پہ قائل کرنا آسان نہ تھا کہ ہر مسئلہ تلوار سے حل نہیں ہوتا۔

''میں قصاب خانہ والی سادہ دلیل کو نہیں مانتا۔ یہ ایک عمل ہے۔ ہمارے معزز میزبان کی اسی زمین پر کبھی تین ہزار کسان خاندان آباد تھے۔ اگر آپ ہر خاندان کو پانچ افراد پر مشتمل سمجھیں تو یہ پندرہ ہزار افراد بنتے ہیں اور وہ کسان بہت اچھے سپاہی بھی تھے۔ کیا خیال ہے کراسس؟''

''ہاں۔ بہترین سپاہی۔ کاش ان کی تعداد اور زیادہ ہوتی''۔

''وہ اچھے کسان بھی تھے''۔ سائیسیرو نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''وہ صرف روایتی باغ اور

لان لگانے کے ماہر نہ تھے بلکہ جَو بھی کاشت کرتے تھے۔ انتونیئس! کیا آج آپ کے ہاں ایک بھی ایکڑ ایسا ہے جو اس محنتی کسان کی پیداوار کا نصف جَو بھی پیدا کرسکتا ہو؟''۔

''اب تو چوتھائی مقدار میں بھی نہیں ہوتی''۔ انتونیئس کائیس نے اتفاق کیا۔

کائیس کے نزدیک اب یہ گفتگو فضول اور اُکتا دینے والی بن گئی تھی۔ وہ تصورات کی دُنیا میں گم تھا۔ اس کا چہرہ سُرخ ہوگیا تھا۔ اس کے دِل میں جذباب متلاطم تھے اور اس نے خیال کیا کہ ایسے جذبات اس سپاہی کے ہوں گے، جب وہ جنگ کے لئے جارہا ہو۔ اب وہ سائیسیرو کی باتیں نہیں سن رہا تھا۔ وہ کراسس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اور آپ کے غلام کیوں پیداوار نہیں کرتے؟'' سائیسیرو نے کہا۔

''وہ ایسا کرنا نہیں چاہتے'' انتونیئس نے جواب دیا۔

''بالکل۔ اور چاہیں بھی کیوں؟ جب آپ کسی مالک کے لئے کام کرتے ہیں تو آپ کا واحد مقصد اپنے کام کو تباہ کرنا ہوتا ہے۔ غلاموں کے ہلوں کے پھالوں کو تیز کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ وہ یکدم انہیں کُند کردیتے ہیں۔ وہ درانتی توڑ دیتے ہیں۔ کین میں دراڑیں پیدا کرتے ہیں اور چیزوں کو ضائع کرنا، ان کا اصول بن جاتا ہے۔ یہ وہ بلا ہے، جس کو ہم نے اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ یہاں ان دس ہزار ایکڑوں پر کبھی پندرہ ہزار لوگ رہا کرتے تھے۔ اب یہاں صرف ایک ہزار غلام اور انتونیئس کائیس کا خاندان رہتے ہیں اور کسان روم کی گندی گلیوں اور متعفن محلّوں میں گل سڑ رہے ہیں۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہیئے۔ یہ ایک سادہ سا مسئلہ تھا۔ جب کسان جنگ سے واپس آئے تھے تو ان کے کھیت خودرَو گھاس پھونس سے بھر چکے تھے، ان کی بیویاں دوسروں کے ساتھ سوئی تھیں۔ اور ان کے بچّے انہیں پہچانتے نہ تھے۔ اس کسان کو اس کی زمین کا برائے نام معاوضہ دے کر اُسے روم کی گلیوں میں دھکیل دیا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہم غلاموں کی سرزمین پر رہتے ہیں اور آج یہی ہماری زندگی کی بنیاد اور معنی ہیں..... اور ہماری آزادی، انسانی آزادی' مملکت کی آزادی اور تہذیب کا مستقبل ان کے ساتھ ہمارے رویّوں سے متعین ہوتے ہیں۔ وہ انسان نہیں ہیں، یہ ہمیں سمجھ لینا چاہیئے۔ ہمیں یونانیوں کے اس فضول جذباتی مقولے سے جان چھڑانا ہے کہ''

چلنے اور بولنے والے برابر ہیں‘‘۔غلام بولنے والا آلہ ہوتا ہے۔ان آلوں میں سے چھ ہزار سڑک کے ساتھ ساتھ ٹنگے ہوئے ہیں۔یہ فضول خرچی نہیں بلکہ ضروری ہے۔مجھے سپارٹیکس کے تذکروں نے بیماری کی حد تک بیزار کر دیا ہے۔اس کی شرافت اور بہادری کی باتوں نے۔ایک ایسے درندے میں کوئی بہادری اور شرافت نہیں ہوسکتی جو اپنے مالک پر جھپٹ پڑے‘‘۔

سائیسیرو کی سرد مہری ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ غصے میں تبدیل ہوگئی تھی۔ایسا غصہ جو اس کے سامعین کے دلوں میں بھی اتر چکا تھی اور جس نے اُسے اُن کا مالک بنا دیا تھا اور وُہ نیم خوف زدہ اور نیم جادوزدہ ہوکر اس پر نگاہیں جمائے ہوئے ہیں۔

صرف وہاں پر موجود غلاموں پر اس کی گفتگو کا کوئی اثر نہیں ہوُا تھا جو تازہ اور خشک میوے پیش کرنے اور جام بھرنے کی خدمت پر مامور تھے۔کائیس نے اس بات کو نوٹ کیا۔اس نے دیکھا کہ غلاموں کے چہروں پر کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ان کے تاثرات سپاٹ تھے اور ان کی حرکات کا ہلا نہ تھیں۔اسے سائیسیرو کی باتیں سچ لگیں کہ وہ بول اور چل سکنے کے باوجود انسان نہیں تھے۔

12

جب وہ باتیں کر رہے تھے اور شراب پی رہے تھے تو کائیس اس وقت بہت اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا۔اس کا دِل تنگ ہو رہا تھا۔اس لئے کہ اگر وہ مزید بیٹھ کر ان کی باتیں سنے گا تو پاگل ہو جائے گا۔اس نے سفر کی تھکاوٹ کو اس اکتاہٹ کا سبب سمجھا۔مگر جب وہ ڈرائنگ روم سے نکل گیا تو اسے اندازہ ہوگیا کہ اسے تو تازہ ہَوا کی ضرورت تھی۔وہ پچھلے دروازے کے راستے چھت پر گیا۔چھت سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھی اور اس کے وسط میں پانی کا ایک تالاب تھا۔تالاب کے وسط میں پودوں کے جھُرمٹ میں دیوی کا ایک خمدار اور اُونچا مجسمہ تھا۔چاندنی رات میں وہ مجسمہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔قیمتی لکڑی کی بنچیں اِدھر اُدھر رکھی ہوئی تھیں۔خوبصورت آتش فشانی پتھروں سے بہترین سنگ کاری ہوئی تھی۔چھت عمارت پر محیط ہونے کے علاوہ تقریباً پچاس فٹ مزید چوڑی تھی۔جس کے چاروں طرف سنگِ مرمر کی ریلنگ لگی ہوئی تھی۔ایک طرف سفید پتھر سے بنائے گئے

زینے تھے جو نیچے پھُولوں کے باغ تک جاتے تھے۔کائیس نے اس حسن اور بھاری اخراجات پر دوبارہ غور نہیں کیا۔ہاں اگر سائیسیرو ہوتا تو سنگ کاری کے ماہر لوگوں کے اس قیمتی اور باریک کام سے ضرور متاثر ہوتا۔

روزمرہ زندگی کے بارے میں کچھ خیالات تو کائیس کے ذہن میں بھی آتے تھے۔وہ خیالات عموماً خوراک اور جنسی معاملوں کے بارے میں ہوتے تھے۔کائیس کند ذہن یا بے وقوف نہ تھا بلکہ اصل بات یہ تھی کہ اس کا کام ہی اس نوعیت کا تھا جو سوچ بچار اور دماغ سوزی کا تقاضا نہیں کرتا تھا۔اس وقت جو مسئلہ اسے درپیش تھا وہ اُن نظروں کا تھا جو کراسس نے کچھ دیر قبل اس سے ملائی تھیں۔وہ سہانی چاندنی میں انہی سوچوں میں غرق تھا کہ ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

’’کائیس!‘‘

اُس وقت اسے چھت پر جولیا سے ملنے کی خواہش بالکل نہ تھی۔’’مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ میں یہاں نکل آئی ہوں۔کائیس!‘‘۔

اس نے جواب دیئے بغیر شانے اچکائے۔جولیا اس کے پاس چلی آئی۔اس کی گردن میں بانہیں ڈالیں اور اس کے چہرے کو تکنے لگی۔

’’کائیس! مجھے پیار کرو‘‘اس نے کہا۔

’’پتہ نہیں یہ اس قدر سسکتی اور ممیاتی کیوں ہے؟‘‘اس نے سوچا۔

’’کائیس جو کچھ تم دو گے،اس کی قدر تمہارے پاس کم ہے۔مگر میرے لئے یہ بہت بڑی نعمت ہے۔تم سمجھتے کیوں نہیں؟‘‘اس نے کہا۔

’’جولیا! میں بہت تھکا ہوا ہوں اور سونا چاہتا ہوں‘‘۔

’’میں ہوں ہی اِسی قابل‘‘۔اس نے سرگوشی میں کہا۔

’’خُدا کے لئے‘ جولیا اس طرح نہ سوچو‘‘۔

’’کس طرح سوچوں؟‘‘۔

’’میں محض تھکا ہوا ہوں،بات صرف یہ ہے‘‘۔

''کائیس! بات صرف یہ نہیں ہے۔مَیں تمہیں دیکھ کر اپنے آپ سے نفرت کرنے لگتی ہوں۔تم اس قدر خوبصورت ہو۔اور اس قدر سڑے گلے.....''۔

اس نے اس کی باتوں میں مداخلت نہ کی۔اس نے سوچا کہ اسے سب کچھ کہنے دو تا کہ اس سے جلدی جان چھوٹے۔

اس نے اپنی بات جاری رکھی۔''میرے خیال میں تم جتنا سڑا گلا انسان اور کوئی نہیں ہوسکتا۔مگر سب گلے سڑے لوگ ہیں،ہم سب بیمار ہیں،موت سے بھرے ہوئے۔ہم موت کی بوریاں ہیں۔ ہم موت سے پیار کرتے ہیں اور تم شاہراہ پر یہاں سزا یافتہ لاشوں کو دیکھنے آئے ہو۔ہم یہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں موت سے پیار ہے۔تم کیا جانو کہ چاندنی میں کھڑے ہوئے تم کس قدر خوبصورت لگ رہے ہو۔ساری دنیا سے خوبصورت' اور بھرپور جوانی میں تمہارے پاس ایک بوڑھی عورت کے لئے وقت نہیں ہے۔کائیس! میں بھی تمہاری طرح گلی سڑی ہوں۔لیکن میں تم سے جتنی محبت کرتی ہوں۔اتنی ہی تم سے نفرت کرتی ہوں۔کاش تم مر گئے ہوتے۔کاش تمہیں کوئی قتل کر دے اور تمہارے دیمک زدہ دِل کو چیر کر پھینک دے''۔

طویل خاموشی کے بعد کائیس نے آہستگی سے پوچھا۔

''جولیا! تم سب کچھ کہہ چکیں؟''۔

''نہیں۔بالکل نہیں۔میری خواہش ہے کہ مَیں بھی مر جاتی''۔

''یہ دونوں خواہشیں ہیں جو پوری کی جاسکتی ہیں''۔کائیس نے کہا۔

''تم ذلیل انسان ہو''۔

''شب بخیر جولیا!''۔کائیس نے کہا اور تیزی سے چلا گیا۔ناراض نہ ہونے کا اس کا عہد ٹوٹ چکا تھا۔وہ اپنی چچی کی ان بے تکی باتوں سے مشتعل ہو گیا تھا۔اگر اسے کچھ خیال ہوتا تو وہ خود محسوس کرتی کہ وہ سستے انداز میں ممیاتی اور سسکتی ہوئی کتنی بُری لگ رہی تھی۔مگر جولیا میں اس قسم کا احساس نہ تھا۔

کائیس سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ایک لیمپ روشن تھا اور دو غلام خدمت کے لئے موجود

تھے۔وہ دونوں مِصری تھے۔کائیس نے انہیں چھٹی دے دی۔اس نے اپنے کپڑے اتارے۔اس کا سارا جسم انگاروں کی طرح سُرخ تھا اور وہ کانپ رہا تھا۔اس نے عطر مِلا پاؤڈر اعضاء پر چھڑکا، کمبل اوڑھا اور لیمپ بجھا کر لیٹ گیا۔جب اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو گئیں تو اسے کمرے کی ہر چیز صاف دکھائی دینے لگی۔چاندنی کی اچھی خاصی روشنی کھلی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔کمرہ خوشگوار طور پر ٹھنڈا تھا۔عطر اور باہر کے پھُولوں کی خوشبُو ہر طرف بکھری تھی۔

کائیس کے لئے انتظار کی چند گھڑیاں سال بن گئی تھیں۔تب دروازے پر ایک ہلکی سی دستک ہوئی۔

''آ جاؤ!'' کائیس نے کہا۔

کراسس اندر داخل ہوا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔یہ عظیم جنرل بہت وجیہہ نظر آ رہا تھا۔ وہ نوجوان کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا جو اس کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔

13

چاند کی شعاعوں کی سمت بدل گئی تھی۔کائیس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

''مجھے سائیسیر وسے نفرت ہے''۔

کراسس نے اس کے ناز اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں؟ صرف سائیسیر وسے کیوں؟ تم اسے کیوں ناپسند کرتے ہو؟''۔

''مجھے نہیں معلوم۔کیا یہ ضروری ہے کہ مجھے معلوم ہو کہ میں لوگوں سے نفرت کیوں کرتا ہوں۔ میں کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہوں اور کچھ سے نفرت''۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ سائیسیر وکی رائے تھی۔صرف سائیسیر وکی تو نہیں مگر زیادہ تر اسی کی ،کہ سزا کی لاشیں ٹانگی جائیں، چھ ہزار لاشیں اپیئین شاہراہ کے ساتھ ساتھ مصلوب کی جائیں۔کیا اسی وجہ سے تم اس سے نفرت کرتے ہو؟''۔

''نہیں''۔

''جب تم نے ان مصلوب لاشوں کو دیکھا تو تمہیں یہ سب کیسا لگا؟''۔ جنرل نے پوچھا۔

''کبھی کبھی میں جذباتی ہو جاتا تھا لیکن زیادہ نہیں۔ لڑکیاں زیادہ جذباتی ہو رہی تھیں''۔

''اچھا؟''۔

''مگر کل صبح میرے رائے مختلف ہوگی''۔ کائیس مسکرایا۔

''کیوں؟''۔

''اس لئے کہ انہیں تم نے وہاں لٹکایا''۔

''نہیں نہیں۔ یہ کام تو سائیسیر وا اور دوسروں نے کیا۔ اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں تھا''۔

''مگر سپارٹیکس کو تباہ تو تم نے کیا''۔

''کیا یہ بات اہم ہے؟''۔

''مَیں اسی لئے تو تم سے محبت کرتا ہوں..... مجھے اس سے نفرت ہے''۔

''سپارٹیکس سے؟'' کراسس نے پوچھا۔

''ہاں''۔

''مگر تم تو اسے جانتے بھی نہ تھے''۔

''اسے جاننا اہم نہیں ہے۔ میں اس سے نفرت کرتا ہوں' سائیسیر و سے بھی زیادہ۔ کاش تم اسے میرے پاس لاتے اور کہتے 'کائیس ! یہ لو۔ اس کا دل چیر کر باہر نکالو' کاش تم ایسا کرتے .....''۔

''اب تم بچوں کی طرح کی باتیں کر رہے ہو''۔ جنرل نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

''واقعی؟ تو کیوں نہ کروں؟'' کائیس نے آہستگی سے کہا ''میں کیوں بچوں کی طرح باتیں نہ کروں؟ کیا بڑا ہونا اتنی ہی اچھی بات ہے؟''۔

''مگر جب تم نے سپارٹیکس کو دیکھا ہی نہیں تو اس سے نفرت کیوں کرتے ہو؟''۔

''ہوسکتا ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں چار سال قبل کاپوا گیا تھا۔ اس وقت میری عُمر اکیس سال تھی۔ مَیں بہت چھوٹا تھا''۔

''تم اب بھی بہت چھوٹے ہو''۔ جنرل نے کہا۔

''نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب میں اتنا چھوٹا نہیں ہوں۔ مگر اُس وقت تھا۔ ہم کل پانچ چھ افراد تھے۔ ماریوس براکس مجھے وہاں ساتھ لے گیا۔ وہ مجھ سے محبت کیا کرتا تھا''۔ کائیس نے جان بوجھ کر ایسا کہا' اس لئے کہ اس کا اثر پڑنا تھا۔ ماریوس براکس جنگِ غلاماں میں مر گیا تھا۔ اس لئے اس کا ذکر کرنا غلط نہ تھا۔ کم از کم کراسس کو معلوم تو ہو کہ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہونے والا پہلا اور واحد شخص نہیں ہے۔ جنرل اکڑ تو گیا مگر اس نے کہا کچھ نہیں۔ کائیس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''میرے اور براکس کے علاوہ اس کے دوست ایک مرد اور ایک عورت بھی ہمارے ساتھ تھے۔ دو افراد اور بھی تھے جن کے نام مجھے یاد نہیں۔ ماریوس براکس بڑی سخاوت سے کام لیتا تھا۔ وہ بڑا فیاض آدمی تھا''۔

''کیا وہ تمہیں بہت یاد آتا ہے؟''۔

''میں اس کی موت پر بہت رنجیدہ ہوا تھا''۔ کائیس نے کندھے اچکائے اور جنرل نے سوچا۔

''ننھی مخلوق! گندے جانور!''۔

''بہر حال ہم کاپوا چلے گئے۔ براکس نے ہمیں سرکس دکھانے کا وعدہ کیا۔ جو آج کی بہ نسبت اس زمانے میں زیادہ مہنگا تھا۔ کاپوا میں سرکس دیکھنے کے لئے بہت سا پیسہ پاس رکھنا پڑتا تھا''۔

''وہاں اس زمانے میں لینٹولس باتیاتس کا سکول ہوتا تھا نا؟''۔ کراسس نے پوچھا۔

''ہاں ہاں۔ اور وہ سکول اٹلی بھر میں بہترین سکول تصور کیا جاتا تھا۔ وہ حد سے زیادہ مہنگا سکول تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک جوڑے کی لڑائی پر دس لاکھ کماتا تھا مگر ویسے تھا وہ سُور۔ کیا تم اسے جانتے تھے؟''۔

کراسس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔ مجھے بہت دلچسپی ہے۔ یہ سپارٹیکس کے بھاگنے سے پہلے کا قصہ ہے۔ ہیں ناں؟''۔

''میرے خیال میں آٹھ روز قبل کی بات ہے۔ باتیاتس بہت مشہور ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کے پاس غلام عورتوں کا ایک باقاعدہ حرم ہوتا تھا اور وہ بھی کھلم کھلا۔ لوگوں کو ایسی باتیں ناپسند تھیں۔ اگر

ایک کمرے میں دروازہ بند کر کے کچھ کیا جائے تو ٹھیک ہے، مگر کھلی سڑک پر ایسا کرنا کچھ بدمزگی کی بات ہے۔ وہ عملاً ایسا کرتا تھا۔ وہ ایک بیل جیسا موٹا آدمی تھا۔ کالے بال، کالی داڑھی۔ اور مجھے یاد ہے اس کے کپڑے بہت گندے ہوتے تھے۔ ان پر کھانے کے داغ لگے ہوتے تھے اور جس وقت وہ ہم سے باتیں کر رہا تھا، اس وقت انڈے کی زردی اس کی قمیص پر لگی ہوئی تھی''۔

''تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے''۔ جنرل مُسکرایا۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں براکس کے ساتھ اسے دیکھنے گیا تھا۔ براکس غلاموں کے دو جوڑے موت تک آپس میں لڑوانا چاہتا تھا۔ مگر باتیاتس ایسا کرنے میں ہچکچا رہا تھا۔ باتیاتس نے کہا کہ گو کہ 'میں جانتا ہوں کہ آج اس کے سرکس میں روم کا اکتایا ہوا دولتمند اشرافیہ آیا ہوا ہے۔ لیکن اس کے لئے سٹائل، طرز اور ٹیکنیک میں خلل پیدا کرنا اچھی بات نہیں'۔ مگر براکس کے پاس بٹوہ تھا اور پیسہ تو بولتا ہے''۔

''یہ صرف اسی قبیل کے لوگوں سے بولتا ہے''۔ جنرل نے کہا ''ایسے سارے لوگ ذلیل ہوتے ہیں مگر باتیاتس تو واقعی سؤر تھا۔ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس کے پاس روم کے تین وسیع ترین مکانات ہیں اور چوتھا محل اس نے پچھلے سال خرید لیا۔ گڑبڑ کے دوران اس کے آدھے مزارعے مارے جا چکے تھے۔ وُہ پیسے کے لئے سب کچھ کر گزرتا ہے''۔

''مجھے معلوم نہ تھا کہ تم اسے جانتے ہو''۔

''میری اس کے ساتھ گفتگو ہوئی۔ وہ سپارٹیکس کے بارے میں ڈھیر ساری معلومات رکھتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ واحد آدمی تھا جو سپارٹیکس کے بارے میں جانتا تھا''۔

''مجھے بتاؤ''۔ کائیس نے نخرہ کرتے ہوئے شوخی سے کہا۔

''تم کبھی کبھی تو بالکل لڑکی لگتے ہو'' جنرل مسکرایا۔

''ایسا نہ کہو۔ کبھی ایسا نہ کہو''۔ کائیس ایک بلّی کی طرح اچھلا۔

''اب میں نے ایسی بھی کونسی بات کہہ دی۔ جس سے تم ناراض ہو گئے؟''۔ جنرل نے اسے منایا ''تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں باتیاتس کے بارے میں بتاؤں؟ یہ اتنا دلچسپ تو نہیں ہے مگر تم کہتے ہو تو بتاتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ ایک سال پرانی بات ہے۔ غلام ہمیں بہت تنگ کر رہے تھے۔ اس لئے میں چاہتا تھا کہ سپارٹیکس کے بارے میں معلومات حاصل کروں کیونکہ اگر کسی شخص کے بارے میں معلومات ہوں تو اسے آسانی سے مارا جا سکتا ہے.....''۔

کائیس یہ سن کر مُسکرا دیا۔ اسے مکمل طور پر معلوم نہ تھا کہ وہ سپارٹیکس سے اس قدر نفرت کیوں کرتا تھا۔ مگر کبھی کبھی اسے محبت سے زیادہ نفرت کرنے سے تسکین ملتی تھی۔

باب دوم

1

(کراسس نے نوجوان کے پہلو میں لیٹے ہوئے کہا کہ یہ واقع میرے کمانڈر بنائے جانے کے فوراً بعد ہوا۔ کمانڈری تو ایک ایسا عہدہ ہوتا ہے جس کے لئے آپ جان نچھاور کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ غلاموں نے ہماری افواج کی دھجیاں اڑادی تھیں اور وہ عملاً اٹلی پر حکمرانی کررہے تھے، جسے بچانے کی خاطر مجھے بھیجا گیا تھا۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ جاؤ اور غلاموں کو شکست دے دو۔ یہ اعزاز میرے دشمنوں نے مجھے بخشا۔ مَیں نے سِسس الپائن گال میں کیمپ لگایا اور تمہارے موٹے دوست لنٹولس باتیاتس کو بلانے کے لئے ایک شخص روانہ کیا)۔

جس وقت لنٹولس باتیاتس، کراسس کے کیمپ پہنچا، اس وقت ہلکی سی بارش ہورہی تھی۔ سارا رستہ اجاڑ اور پریشان کن تھا اور وہ خود بھی کاپوا سے اس قدر دور کا سفر طے کرنے کے بعد تھک کر چور ہوگیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ:

''جب فوج اقتدار پر قبضہ کرتی ہے تو اُس وقت ایماندار لوگ بھی ان کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں۔ اس وقت زندگی اپنی نہیں ہوتی۔ لوگ مجھ سے جلتے ہیں کیونکہ میرے پاس پیسہ ہے۔ کسی منصب دار کے پاس سرمایہ ہونا بُری بات تصور نہیں کی جاتی۔ طبقہِ اشرافیہ کے پاس پیسہ ہونا تو اور بھی اچھی بات ہوتی ہے تاہم اگر آپ کا تعلق ان دونوں سے نہیں اور اگر آپ محض ایک دیانتدار شخص کی حیثیت سے حلال پیسہ کمالیں تو آپ کو کبھی چین نصیب نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ کسی انسپکٹر کو رشوت نہ دے رہے ہوں تو پھر آپ کو کسی اور افسر کو تو رشوت دینا ہی ہوگا اور اگر آپ دونوں کو رشوت نہ دیں تو آپ زندہ ہی نہیں رہ سکیں گے۔ ایک خبیث شخص سوالات پوچھ پوچھ کر مجھے اَدھ موا کردے گا۔ اگر میرا نام کراسس یا گراکس ہوتا یا پھر سائیلی نی اَس یا می نی اَس ہوتا تو پھر یقیناً بات ہی مختلف ہوتی۔ یہی ہے جمہوریۂ روم کا انصاف اور یہ ہے اس کی برابری''۔

اور پھر لنٹولس باتیاتس کے ذہن میں رومی انصاف اور جنرلوں کے بارے میں نفرت انگریز

سوچوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان سوچوں میں کیمپ کے باہر موجود پہرے داروں کے تیز سوالات نے مداخلت کی۔ اس نے نہایت فرمانبرداری سے اپنی گھوڑی روکی۔ وہ بارش اور سردی میں کھڑا رہا۔ جبکہ دو سپاہی آگے بڑھے اور اس کی تلاشی لینی شروع کردی۔ چونکہ انہیں اپنی ڈیوٹی کا وقت بہرصورت بارش میں کھڑے ہوکر گزارنا تھا۔ اس لئے وہ اس کی تلاشی میں کسی طرح کی تیزی نہیں دکھا رہے تھے۔ انہوں نے سرد مہری اور ناخوشگوار طریقے سے اس کی تلاشی لی اور اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔

''میرا نام لینٹولس باتیاتس ہے''۔

وہ چونکہ ان پڑھ کسان تھے، اس لئے انہیں نام کی پہچان نہ ہوئی۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جانا چاہتا ہے؟

''یہ سڑک کیمپ کی طرف جاتی ہے ناں؟''۔

''بالکل''

''اچھا تو میں کیمپ کی طرف جارہا ہوں''۔

''کس لئے؟''۔

''کمانڈر سے ملنے''۔

''ایسے ہی۔ تم بیچتے کیا ہو؟''۔

''واہیات لوگو!''۔ باتیاتس نے سوچا مگر صبر سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''بھائی میں نے بیچنا کچھ نہیں۔ مجھے یہاں آنے کی دعوت دی گئی ہے''۔

''کس کی طرف سے؟''۔ تب اس نے اپنا بٹوا کھولا اور کراسس کا حکم نامہ نکالا۔ چونکہ وہ اَن پڑھ تھے اس لئے محض کاغذ کا پرزہ دکھانے سے ہی اسے کیمپ کی طرف جانے کی اجازت مِل گئی۔ اس زمانے کے امیر شہریوں کی طرح باتیاتس بھی ہر چیز کو پیسے کی عینک سے دیکھتا تھا۔ اور وہ یہ سوچ کر حیران ہوا کہ ایسی سڑک بنانے پر کس قدر پیسہ خرچ ہوا ہوگا۔ حالانکہ یہ صرف کیمپ تک جانے کے لئے ایک عارضی سڑک تھی۔ مگر کاپوا میں خود اس کے اپنے سکول تک پہنچنے کے لئے اس نے جو سڑک

بنوائی تھی، یہ اس سے بھی بہتر تھی۔ پتھر کی خوبصورت بنی ہوئی یہ سڑک تیر کی طرح سیدھی تھی۔

''اگر یہ بد بخت جنرل سڑکوں سے زیادہ لڑائی کی طرف دھیان دیتے تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی''۔ وہ سوچنے لگا۔ مگر بہ یک وقت اس کا چہرہ فخر سے ٹمٹایا۔ کیونکہ ایسے گندے، برساتی اور تکلیف دہ کونے تک میں بھی رومن تہذیب پہنچ چکی تھی اور یہ بات شک وشبہ سے بالاتر تھی۔

اب وہ کیمپ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ کیمپ کے باہر کا عارضی چیک پوسٹ ایک شہر کی مانند تھا۔ فوج جہاں جاتی تھی اور جہاں فوج خواہ، ایک رات کے لئے ہی کیمپ لگاتی، وہیں تہذیب جنم لیتی تھی۔ یہ تقریباً ایک مربع میل کا رقبہ تھا۔ جس کے چاروں طرف ایک عظیم دیوار بنا دی گئی تھی۔ اس قدر خوبصورت اور جامع دیوار، جیسے ایک ڈرافٹسمین اپنے کاغذ پر خوبصورت نقشہ بنا لیتا ہے۔ پہلے ایک بارہ فٹ گہری اور بارہ فٹ چوڑی خندق تھی۔ جس کے پیچھے بارہ فٹ اُونچا جنگلا تھا۔ کیمپ میں داخلے کی سڑک اسی خندق پر سے گزرتی تھی۔ جہاں اس کے پہنچتے ہی لکڑی کا بنا ہوا بھاری گیٹ کھل گیا۔ جونہی وہ اندر داخل ہوا ایک دستہ اس کے گرد جمع ہو گیا۔ یہ مجمع اس کے اعزاز کے لئے نہ تھا بلکہ یہ تو ڈسپلن برائے ڈسپلن والی کارروائی تھی۔ یہ ایک ایسا فضول مگر متاثر کن ڈسپلن تھا جس کی مثال تاریخ میں اس سے پیشتر کسی فوج میں نہیں ملتی تھی۔ یہاں تک کہ خود باتیاتس بھی جو لڑانے اور خُون بہانے سے شدید محبت رکھتا تھا، فوج کے اس ڈسپلن سے متاثر ہو گیا تھا۔

جب باتیاتس گھوڑے سے اتر کر زین سے لگے ہوئے اپنے جسم کے موٹے علاقے کو کھجا رہا تھا تو ایک نوجوان افسر اس کے پاس آیا اور اس سے اپنا تعارف کرانے اور آنے کی وجہ بتانے کو کہا۔

''میں کاپوا کا رہنے والا لینٹولس باتیاتس ہوں''۔

''اچھا، اچھا، اچھا''۔ نوجوان افسر نے انکساری سے کہا۔ اس کی عُمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ وہ خوبصورت تھا اور شکل سے بہت بڑے گھرانے کا پالا پوسا جوان لگ رہا تھا۔ باتیاتس کو اس نسل سے ہی نفرت تھی۔

''اچھا''۔ نوجوان نے کہا۔ وہ اس کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کون ہے، کیا کرتا ہے اور فوجی کیمپ میں کیوں بلایا گیا ہے۔

''اچھا''! باتیاتس نے سوچا ''تم تو مجھ سے نفرت کرتے ہو اور کھڑے کھڑے مجھے حقارت سے دیکھ رہے ہو۔ مگر پھر بھی تم میرے پاس آتے ہو۔ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہو اور مجھ سے کاروبار کرتے ہو اور تمہارے ہی جیسے لوگوں کی بدولت میری پوزیشن بنی ہوئی ہے۔ مگر تمہارا میرے قریب آنا بہت اچھا ہے۔ کیونکہ تم تو میری سانس سے ہی پگھل جاؤ گے''۔ وہ بولا کچھ نہیں، اس نے صرف ایسا سوچا تھا۔

''کمانڈر صاحب آپ کے انتظار میں ہیں۔ وہ فوراً آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ مَیں ابھی آپ کو لئے چلتا ہوں''۔

''مگر میں کچھ آرام اور کچھ کھانا چاہتا ہوں''۔

''اس کا انتظام کمانڈر صاحب کریں گے۔ وہ بہت دُور اندیش شخص ہیں''۔ نوجوان افسر مسکرایا اور ایک سپاہی پر برس پڑا۔ ''ان کا گھوڑا لے لو، اسے پانی پلاؤ، چارہ کھلاؤ اور اصطبل میں باندھ لو''۔

''میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا'' باتیاتس نے کہا ''اور مجھے لگتا ہے کہ جب وہ اتنے لمبے عرصے تک میرا انتظار کرتے رہے۔ تو تھوڑی دیر اور بھی انتظار کر سکتے ہیں''۔

نوجوان کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ مگر اس نے اپنی آواز کو خوشگوار رکھا ''یہ کہنا انہی کا کام ہے''۔

''آپ گھوڑے کو مجھ سے پہلے کھلائیں گے؟''۔

نوجوان افسر مسکرایا۔

''آ جایئے''۔ اُس نے کہا۔

''میں آپ کا ماتحت فوجی تو نہیں ہوں؟''۔

''مگر آپ اس وقت فوجی کیمپ کے اندر ہیں''۔

انہوں نے ایک لمحہ تک ایک دوسرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھا۔ تب باتیاتس نے کندھے اچکائے اور فیصلہ کیا کہ بارش میں اس طرح کی دلیل بازی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس نے اپنا گیلا چوغہ اپنے گرد لپیٹا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔

وہ اس نوجوان کے پیچھے پیچھے کیمپ کے مرکز تک آیا اور راستے میں ان گندے کیچڑ زدہ خیموں کو

حیرت سے دیکھتا رہا جن کی چھتیں تو اچھی تھیں۔ مگر وہ سامنے سے کھلے تھے اور سپاہی اپنی دریوں پر لیٹے ہوئے باتیں کر رہے تھے، قسمیں کھا رہے تھے، گا رہے تھے اور بیڈیوں سے کھیل رہے تھے۔ وہ سخت جان لگ رہے تھے۔ کچھ خیموں میں چھوٹے سے سٹوو لگے ہوئے تھے۔ مگر عمومی طور پر وہ اس سردی کو ویسے ہی برداشت کر رہے تھے، جیسے وہ گرمیوں کو برداشت کرتے تھے، جیسے وہ ختم نہ ہونے والی ڈرل کو اور ڈسپلن کو برداشت کرتے تھے۔ نتیجتاً ان میں سے کمزور لوگ جلد مر جاتے تھے اور مضبوط لوگ مزید سخت ہوتے جاتے۔

کیمپ کے عین وسط میں جنرل کا خیمہ تھا۔ وہ اتنا بڑا تھا کہ اسے دو حصوں میں تقسیم کر کے اس کے دو کمرے بنا دیئے گئے تھے۔ خیمے کے پٹ بند تھے اور اس کے دروازوں پر سنتری کھڑے تھے۔ جن کے پاس ہسپانوی طرز کی چھوٹی تلوار اور ڈھال کی بجائے تھریشین طرز کے خم دار چاقو اور ڈھال تھے۔ انہوں نے سفید پشمینہ چوغے پہن رکھے تھے۔ جو بارش سے بھیگ چکے تھے۔ وہ اس طرح کھڑے تھے گویا پتھر کے بنے ہوں اور پانی ان کے ہتھیاروں، خودی ٹوپی اور کپڑوں سے بہہ رہا تھا۔ اس منظر نے باتیاتس کو سب سے زیادہ متاثر کر دیا۔ اسے دیکھ کر مسرت ہوئی کہ گوشت پوست اندازوں سے زیادہ بڑھ کا کام کر سکتا ہے۔

جب وہ قریب پہنچے تو سنتریوں نے سلیوٹ کیا اور خیمے کے دروازے کھول دیئے۔ باتیاتس اور نوجوان خیمے کی مدھم روشنی میں داخل ہو گئے۔ باتیاتس نے خود کو ایک 40 فٹ چوڑے اور تقریباً 20 فٹ گہرے کمرے میں پایا جو دراصل خیمے کا نصف حصہ تھا۔ اندر لکڑی کی ایک لمبی میز تھی۔ جس کے گرد درجن بھر فولڈنگ سٹول رکھے ہوئے تھے۔ میز کے ایک کنارے پر کہنیاں ٹیکے ہوئے کمانڈر انچیف مارکوس لی نیئس کراسس بیٹھا اپنے سامنے پھیلے ہوئے نقشے کو دیکھ رہا تھا۔

باتیاتس اور افسر کو دیکھ کر کراسس کھڑا ہو گیا۔ جب کراسس نے آگے بڑھ کے اس سے مصافحہ کیا تو موٹا باتیاتس بہت خوش ہوا۔

''میرا اندازہ ہے کہ آپ کاپوا کے لینٹولس باتیاتس ہیں''۔

باتیاتس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔ جنرل واقعی خوبصورت اور مردانہ وجاہت سے پُر تھا۔

''جناب! مجھے آپ سے مِل کر خوشی ہوئی''۔ باتیاتس نے کہا۔

''آپ بہت دُور سے آئے ہیں، آپ کی بڑی بڑی مہربانی۔ آپ یقیناً بھیگ گئے ہیں۔ بُھوکے ہیں اور تھک گئے ہیں''۔

اُس نے یہ فقرے احساس سے بھرے ہوئے انداز میں کہے۔ جس سے باتیاتس ذرا زیادہ حساس ہوتا تو سمجھ سکتا تھا کہ یہ دونوں روّیے بامعنی تھے۔ جنرل کے پیشِ نظر ایک پروگرام تھا جب کہ نوجوان افسر کو صرف ایک شریف آدمی کی طرح پیش آنا تھا۔

''یہ سب کچھ صحیح ہے''۔ باتیاتس نے کہا۔ ''بھیگا ہوا، تھکا ہوا، مگر سب سے زیادہ یہ کہ مَیں بُھوک سے مر رہا ہوں۔ مَیں نے اس نوجوان سے کچھ کھانے پلانے کو کہا۔ مگر اس نے سوچا کہ یہ ایک غیر ضروری درخواست ہے''۔

''ہم احکامات کی خوش اسلوبی سے بجا آوری کے عادی ہیں''۔ کراسس نے کہا۔ ''میرے احکامات تھے کہ جس وقت بھی آپ پہنچیں آپ کو میرے پاس لایا جائے، اب آپ کی ہر خواہش کی تکمیل یقیناً میرے لئے باعثِ مسرت ہوگی۔ مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ آپ نے کس قدر دشوار سفر طے کیا ہے۔ فوراً انہیں خشک کپڑے دیئے جائیں۔ کیا آپ نہانا چاہتے ہیں؟''۔

''غسل انتظار کر سکتا ہے۔ پہلے میں پیٹ میں کچھ ڈالنا چاہتا ہوں''۔

نوجوان افسر مسکراتا ہوا خیمے سے باہر چلا گیا۔

2

انہوں نے تلی ہوئی مچھلی اور اُبلے ہوئے انڈے ختم کئے اور باتیاتس اب مرغی پر جھپٹ پڑا تھا۔ وہ اس کی ہر ہر ہڈی سے گوشت صاف کر رہا تھا۔ اِسی وقت وہ لکڑی کے پیالے میں رکھے ہوئے دلیا کی طرف بھی توجّہ دے رہا تھا۔ اور شراب کے گلاس سے بڑے بڑے گھونٹ لے کر لقمہ کو نیچے دھکیل رہا تھا۔ مُرغ دلیا اور شراب اس کے منہ پر دھبے ڈال رہے تھے۔ خوراک کے ٹکڑے کراسس کے

دیئے ہوئے صاف چوغے کو پہلے ہی گندا کر چکے تھے۔ اس کے ہاتھ مرغی کے روغن سے چپڑ چپڑ ہو گئے تھے۔

کراسس، دلچسپی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اپنے طبقے کے دیگر رومنوں کی طرح وہ بھی اس شخص کے خلاف مخصوص سماجی توہین کے جذبات رکھتا تھا۔ یہ شخص جو گلیڈیئٹرز کو تربیت دیتا تھا۔ جو انہیں لاتا اور فروخت کرتا تھا اور اکھاڑے سے باہر کرائے پر دیتا تھا۔ اب گذشتہ بیس برس سے ایسے لوگ روم میں ایک قوت بن چکے تھے، سیاسی اور مُعاشی قوت۔ ایسے لوگ بہت دولت اکٹھی کر چکے تھے۔ ماضی میں اکھاڑے کی لڑائی شاذ و نادر ہی ہوتی تھی اور سماج میں اس کی اہمیت اتنی نہ تھی۔ گویا رواج تو موجود تھا مگر صرف کچھ خاص عناصر میں مقبول تھا۔ بعد میں اچانک اس کی وبا پھیل گئی۔ ہر جگہ اکھاڑے تعمیر کئے گئے۔ چھوٹے سے دیہاتوں تک میں لکڑی کے اکھاڑے بنائے گئے۔ ایک جوڑے کی لڑائی سینکڑوں جوڑوں کی لڑائی بن گئی۔ کھیل کا ایک دَور پورے ماہ تک چلتا رہتا۔ لوگوں کی خواہش مزید بڑھتی چلی گئی۔

روم کے مہذب عہدیدار تک اس کھیل میں دلچسپی رکھتے تھے۔ کھیلوں کی ایک نئی زبان ایجاد ہو گئی۔ فوج کے تجربہ کار سپاہی لوگوں کے غم اور کھیلوں کے علاوہ کسی چیز پر دھیان تک نہیں دیتے تھے۔ اور دس ہزار بے روزگار اور بے گھر شہریوں کا بظاہر کھیلوں کے نظارے کے علاوہ کچھ اور مقصد حیات ہی نہ تھا۔ گلیڈیئٹرز کے سکول قائم ہوئے۔ لینٹولس باتیاتس جو سکول کاپوا میں چلاتا تھا، اس کا شمار سب سے بڑے اور امیر سکولوں میں ہوتا تھا۔ جس طرح بعض علاقوں کے جانوروں کی منڈی میں بہت مانگ ہوتی ہے، اسی طرح کاپوا کے گلیڈیئٹروں کی مانگ ہر اکھاڑے میں بہت تھی۔ باتیاتس ایک عام آدمی سے یکدم دولت مند بن گیا اور اٹلی کا ایک معزز شخص ٹھہرا۔

''ابھی تک!'' کراسس اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا ''ابھی تک یہ ایک جاہل شخص ہے۔ ابھی تک یہ ایک عیّار، کمینہ اور سازشی جانور ہے۔ دیکھو! کھاتا کس طرح ہے!''۔ کراسس بہت حیران تھا کہ اس جیسے کئی بدتہذیب اور غریب لوگ اس قدر دولت مند کس طرح بن گئے تھے۔ وہ اور اس کے دوست اس قدر دولت مند ہو جانے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ حالانکہ وہ اس موٹے شخص

سے کم عقلمند نہ تھے۔ خود اس کی مثال لے لیجئے۔ وہ فوجی ہونے کے ناطے اپنی قدر و قیمت خوب جانتا تھا۔ وہ روم کی مستقل مزاجی اور اس کی خوبیوں کا مالک تھا۔ فوجی پیشہ ورانہ مہارت تو گویا اس کی جبلت میں شامل تھی۔ اُس نے ہر اس فوجی مہم کا مطالعہ کر رکھا تھا جو آج تک تحریر میں لائی گئی تھی۔ اس نے یونانی مورخوں کی بہترین کتابیں پڑھ رکھی تھیں۔ اس نے سپارٹیکس سے جنگ کرنے والے دیگر جنرلوں کی طرح اُسے معمولی قوت سمجھنے کی غلطی نہ کی تھی۔ پھر بھی وہ اس موٹے شخص سے خود کو کم تر محسوس کر رہا تھا۔

اس نے کندھے اُچکائے اور باتیاتس سے کہا۔

''دیکھئے، سپارٹیکس کے ساتھ آپ کے تعلق کے بارے میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے تو اس بات سے دلچسپی ہے کہ آپ مجھے اس کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔ اس لئے کہ اس کے بارے میں جتنا آپ جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا''۔

''آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟'' باتیاتس نے پوچھا۔

''اپنے دشمن کی فطرت''۔

موٹے شخص نے جام میں مزید شراب ڈالی اور جنرل کو کن اکھیوں سے دیکھا۔ ایک سنتری کمرے میں داخل ہوا اور دو جلتے ہوئے لیمپ میز پر رکھ دیئے۔

لیمپ کی روشنی میں باتیاتس بالکل مختلف شخص لگ رہا تھا۔ جھٹپٹا اس پر مہربان تھا۔ وہ نیپکن سے اپنا چہرہ رگڑ رہا تھا اور روشنی لٹکتے ہوئے گوشت کی تہوں پر سایہ بکھیر رہی تھی اور وہ خود بھی رفتہ رفتہ اکڑ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرد دمک کراسس کو جتا چکی تھی کہ اسے غلط نہ سمجھا جائے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ محض ایک موٹا بُدھو ہے۔

''آپ کے دُشمن کے بارے میں مجھے کیا معلُومات ہو سکتی ہیں؟''۔

باہر سے بگل بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ شام کا پریڈ ختم ہو چکا تھا اور ڈبل مارچ کرتے ہوئے قدموں کی آواز گونج رہی تھی۔

''میرا صرف ایک دشمن ہے اور سپارٹیکس اس کا نام ہے''۔ کراسس نے محتاط انداز میں کہا۔

موٹے آدمی نے نیپکن پر ناک صاف کر دی۔

... ''اور سپارٹیکس کو آپ جانتے ہیں''۔ کراسس نے کہا۔

''.....دوسرا کوئی نہیں، صرف آپ اسے جانتے ہیں۔ وہ بھی نہیں جانتے، جنہوں نے کہ سپارٹیکس سے جنگ کی۔ وہ تو غلاموں سے لڑنے گئے تھے۔ ان کو توقع تھی کہ وہ ان کے بگل اڑا دیں گے، ان کے نقاروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے، ان کی صفوں کو تتّر بتّر کر دیں گے۔ اور پھر غلام بھاگ جائیں گے۔ یہ توقع انہیں اس کے باوجود تھی کہ غلاموں نے کئی بار فوج کا صفایا کر دیا تھا۔ لیکن یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ روم آج آخری کوشش کر رہا ہے اور اگر یہ کوشش بھی ناکام ہو جائے تو پھر رُوم کا وجود نہیں رہے گا۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی''۔

موٹے شخص کا قہقہہ گونجا۔ اس نے اپنی توند پکڑ لی۔ وہ اپنے سٹول پر جھول رہا تھا۔

''آپ اسے مضحکہ خیز سمجھ رہے ہیں؟'' کراسس نے پوچھا۔

''سچ ہمیشہ مضحکہ خیز ہوتا ہے''۔

کراسس نے اپنے غصے کو قابو میں رکھا اور قہقہہ ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ ''روم نہیں رہے گا۔ صرف اور صرف سپارٹیکس کی حکمرانی رہے گی''۔ موٹا شخص اب محض کھی کھی کر رہا تھا اور کراسس یہ سوچ رہا تھا کہ آیا اس کا دماغ ٹھیک ہے۔ یا وہ نشے میں ہے؟ کیسے کیسے لوگ ہیں اس دُنیا میں۔ اسے دیکھیں۔ اُس نے غلاموں کو خریدا۔ انہیں لڑنے کی تربیت دی اور اب وہ اس پر ہنس رہا ہے۔ وہ خود یعنی کراسس بھی تو لوگوں کو لڑنے کی تربیت دیتا تھا۔

''آپ کو مجھے کھلانے پلانے کی بجائے پھانسی پر چڑھا دینا چاہئے''۔ باتیاتس نے دوسرا جام بھرتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

''میں ایک خواب دیکھتا ہوں''۔ جنرل نے بات چیت کا رُخ اپنے مقصد کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ ''وحشت ناک خواب۔ اور یہ خواب بار بار دیکھتا ہوں''۔

باتیاتس نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔

''اس خواب میں دیکھتا ہوں کہ مَیں اپنی آنکھوں پر پٹی باندھے لڑ رہا ہوں۔ یہ وحشت ناک

منظر ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سارے خواب سچے نہیں ہوتے۔ کچھ خواب تو ان مسائل کا پرتو ہوتے ہیں جن سے ہمیں جاگتے میں واسطہ پڑتا ہے۔ سپارٹیکس اجنبی ہے۔ اگر میں اس حالت میں اس سے لڑنے جاؤں تو میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوگی۔ میں یہ تو جانتا ہوں کہ گال کیوں لڑتے ہیں، یونانی، ہسپانوی اور جرمن کیوں لڑتے ہیں؟۔ ان کے لڑنے کی وجوہات کم وبیش وہی ہیں جن کی بناء پر میں لڑتا ہوں۔ مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ غلام کیوں لڑتا ہے؟ مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ دُنیا بھر کی گندگی اور ذلالتوں کے ایک مجمعے کو کس طرح اپنے گرد اکٹھا رکھتا ہے؟۔ وہ انہیں دنیا کی بہترین فوج کو تباہ کرنے کے لئے کس طرح لڑاتا ہے؟ فوج کا ایک دستہ تیار کرنے میں پانچ سال لگتے ہیں۔ ایک ہی سپاہی کو محض یہ سکھانے کے لئے پانچ سال لگتے ہیں کہ اس کی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ صرف اور صرف فوج اہم ہوتی ہے۔ اور حکم کی تعمیل ضروری ہوتی ہے اور اس حساب سے پانچ سال کی ٹریننگ انہیں اس قابل بناتی ہے کہ وہ ایک چٹان کی مانند ہوتے ہیں اور اگر آپ انہیں سمندر میں کُود جانے کا حکم بھی دیں تو وہ تعمیل کریں گے۔ اس سب کے باوجُود ان غلاموں نے روم کی بہترین فوجوں کو تباہ کر دیا۔

''اسی وجہ سے میں نے کاپُوا سے آپ کو یہاں طلب کیا ہے تاکہ آپ مجھے سپارٹیکس کے بارے میں بتا سکیں اور میں اپنی آنکھوں سے پٹی کھول سکوں''۔

باتیاتس نے خوشگواری کے ساتھ سر ہلایا۔ وہ اب عظیم جنرلوں کا رازداں اور مشیر تھا اور اس کو ہونا بھی چاہئیے تھا۔

''پہلے پہلے'' کراسس نے کہا ''مجھے اس شخص کے بارے میں بتائیے کہ اس کی شکل کیسی ہے؟ آپ نے اسے کہاں سے خریدا تھا؟''۔

''لوگ اسی طرح کے لگتے نہیں ہیں، جس طرح کے وہ ہوتے ہیں''۔

''درست۔ بالکل درست!''۔

''جب آپ کو یہ حقیقت معلوم ہو تو آپ انسانوں کی شناخت کر سکتے ہیں'' باتیاتس کہہ رہا تھا ''وہ فرمانبرداری کی حد تک شریف تھا۔ وہ ایک تھریشین تھا''۔ باتیاتس نے اپنی انگلی شراب میں ڈبوئی

اور کہنا شروع کیا۔

''لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک بھوت ہے، بلا ہے، دیو ہے۔نہیں ہرگز نہیں۔ وہ ہرگز بھوت نہیں ہے۔ وہ کوئی خاص لمبا آدمی بھی نہیں ہے۔ اس کا قد آپ جتنا ہے، رنگت کالی ہے، گھنگریالے بال ہیں اور اس کی آنکھیں بھوری ہیں۔ اگر اس کی ناک ٹوٹی ہوئی نہ ہوتی تو اسے قبول صورت کہا جا سکتا تھا مگر چونکہ اس کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی اس لئے اس کا چہرہ بھیڑ کے چہرے سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس کے کتابی چہرے سے شرافت ٹپکتی تھی۔ اگر کوئی دوسرا شخص ایسی حرکت کرتا تو میں اسے زندہ نہ چھوڑتا''۔

''اس نے کیا حرکت کی؟''۔ کراسس نے پوچھا۔

''میں آپ سے صاف بات سننا چاہتا ہوں تاکہ ساری صورتِ حال مُجھ پر واضح ہو جائے'' کراسس نے آہستگی سے کہا ''میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ جو کچھ مجھے بتائیں گے وہ انتہائی راز میں رکھا جائے گا۔ میں اس کے پس منظر سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے اسے کہاں سے خریدا اور وہ کرتا کیا تھا؟''۔

''گلیڈیئٹر ہوتا کیا ہے؟''۔ باتیاتس نے مُسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ پھیلائے ''وہ محض غلام نہیں ہوتا۔ خصوصاً کاپوا کا گلیڈیئٹر محض غلام نہیں ہوتا۔ وہ خصوصی لوگ ہوتے ہیں۔ اگر آپ کتے لڑاتے ہوں تو وہ ایسے تو نہیں ہوتے کہ چھوٹی بچیاں انہیں ڈرا سکیں۔ اگر آپ انسان لڑاتے ہیں تو آپ ایسے انسان ڈھونڈیں گے جو واقعی لڑیں۔ ایسے انسان جو اپنے جگر کا خون پئیں، ایسے انسان جو نفرت کر سکیں، دِل گردے والے انسان۔ چنانچہ مَیں اپنے دلالوں کو بتاتا ہوں کہ میں دِل گردے والے انسانوں کا خریدار ہوں۔ ایسے انسانوں کا نہیں، جو محض گھریلو غلام کا کام دے سکیں۔ اگر کوئی شخص زخمی ہو جائے تو وہ میرے کسی کام کا نہیں رہتا اور اگر وہ کسی کو زخمی نہ کر سکے تو پھر اُسے قتل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وہ آپ کے کسی کام کا نہیں رہتا۔ وہ کام کو تباہ کر دے گا۔ وہ کام کے دوسرے لوگوں کو بھی تباہ کر دے گا۔ وہ ایک مرض کی طرح ہوتا ہے''۔

''پھر وہ لڑے گا کیوں؟''۔

''ہاں یہ ایک سوال ہے اور اگر آپ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے تو آپ گلیڈیئٹرز کے ساتھ کام نہیں کر سکیں گے۔ پُرانے زمانے میں اکھاڑوں میں وہی لوگ لڑا کرتے تھے جنہیں لڑائی سے عشق ہوتا تھا۔ وہ لوگ دماغی طور پر صحت مند نہ تھے اور وہ غلام بھی نہیں ہوا کرتے تھے''۔ اس نے معنی خیز انداز میں اپنے سر کو چھُوتے ہوئے کہا ''جب تک کسی شخص کی یہ جگہ بیمار نہ ہو تو وہ تادمِ مرگ لڑائی نہیں کرنا نہیں چاہے گا۔ گلیڈیئٹرز لڑنا ناپسند نہیں کرتے۔ وہ اس لئے لڑتا ہے کہ آپ اسے ہتھیار دے دیتے ہیں۔ اور اس کی زنجیریں کھول دیتے ہیں۔ جب وہ ہتھیار ہاتھ میں لیتا ہے تو اِس خوش فہمی میں مُبتلا ہو جاتا ہے کہ اب وہ آزاد ہو گیا اور چاہتا بھی یہی ہے کہ اس کے ہاتھ میں ہتھیار ہو اور وہ آزاد ہونے کے خواب دیکھے۔ پھر اس کے مقابلے میں یہ آپ کا کمال ہے۔ کیونکہ اب وہ ایک شیطان ہے، اس لئے آپ کو بھی شیطان بننا پڑتا ہے''۔

''اور آپ ایسے لوگوں کو تلاش کہاں سے کرتے ہیں؟'' کراسس نے موٹے شخص کی مہارت اور اپنے پیشے پر اس کے عبُور سے مغلوب ہو کر پوچھا۔

''ایسے لوگوں کو صرف ایک جگہ سے ڈھونڈا جا سکتا ہے اور وہ جگہ ہے معدنیات کی کان۔ یہ ایک ذلیل جگہ ہوتی ہے۔ وہیں سے میرے ایجنٹ انہیں تلاش کر لیتے ہیں۔ وہیں سے انہوں نے سپارٹیکس کو تلاش کیا۔ وہ ایک کرّ وتھا۔ آپ اس لفظ کے مطلب جانتے ہوں گے۔ میرے خیال میں یہ مصری زبان کا لفظ ہے''۔

کراسس نے نفی میں اپنا سر ہلایا۔

''کرّ وکا مطلب ہے غلاموں کی تین پشتیں۔ ایک غلام کا پوتا۔ مصری زبان میں کرّ وکا مطلب نفرت انگیز جانور بھی ہے۔ ایک رینگتا ہوا درندہ۔ ایک ایسا درندہ جو دوسرے درندوں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے پکڑا نہ جا سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کرّ وکا لفظ مصر میں پیدا کیسے ہوا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ اُس زمانے میں وہاں اکھاڑے سے بھی بدتر چیزیں موجود تھیں۔ آج میں جب آپ کے کیمپ پہنچا تو آپ کے افسروں نے مُجھے گھور گھور کر دیکھا۔ بھلا کیوں؟ ہم تو سب کے سب قصائی ہیں..... ہم سب ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے گوشت کا کاروبار کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے مجھے گھور

گھور کر کیوں دیکھا؟''۔

وہ نشے میں تھا۔ کاپوا کے سکول میں گلیڈ یئٹرز کو ٹریننگ دینے والا یہ موٹا شخص خود پر رحم کھا رہا تھا۔ اس وقت اس کی رُوح بُھول رہی تھی حالانکہ وہ ایک موٹا اور حقیر سؤر تھا، جس کا اپنا ایک اکھاڑا تھا جو لُہو کا ریگزار تھا مگر پھر بھی اس خنزیر کی ایک رُوح تھی۔

''اور سپارٹیکس کرّ و تھا''۔ کراسس نے آہستگی سے کہا۔'' کیا سپارٹیکس کا تعلق مِصر سے ہے؟''۔

''وہ مِصر سے آنے والا تھریشین ہے''۔ باتیاتس نے کہا۔

''سونے کے مِصری بیوپاری ایسے لوگوں کو یونان سے خریدتے ہیں۔ اور وہ کرّ و خریدتے وقت تھریشین کو فوقیت دیتے ہیں''۔

''کیوں؟''۔

''یہ ایک ایسی فوج ہوتی ہے جو زیر زمین بہتر طور پر کام کر سکتی ہے''۔

''اچھا۔ لیکن یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ سپارٹیکس کو یونان سے خریدا گیا تھا؟''۔

''مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ اُسے کہاں سے خریدا گیا تھا۔ اس لئے کہ اُسے تھیبیز کے مقام سے خریدا ہی میں نے تھا۔ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟ میں اکھاڑے کا مالک ایک موٹا، ایک یک و تنہا آدمی ہوں۔ میں بھلا تنہائی میں کیوں رووٗں؟ آپ کو میری طرف حقارت سے دیکھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ آپ کی زندگی اپنی ہے اور میری زندگی میری''۔

''آپ میرے معزز مہمان ہیں۔ میں آپ کو حقیر نہیں سمجھتا''۔ کراسس نے کہا۔ باتیاتس مُسکرایا اور اس کی طرف جھکا۔

''آپ کو معلوم ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ آپ جانتے ہیں کہ مجھے کس چیز کی ضرورت ہے؟ ہم دونوں آدمی دُنیا کے جانے پہچانے لوگ ہیں۔ مجھے آج رات ایک عورت کی ضرورت ہے''۔ اس کی آواز بھرّا گئی تھی۔'' مجھے ایک عورت کی ضرورت کیوں ہے؟ جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں بلکہ تنہائی دُور کرنے کے لئے۔ زخموں کو مندمل کرنے کی خاطر۔ آپ کے پاس عورتیں ہیں۔ انسان خود کو عورت سے جُدا نہیں رکھ سکتا''۔

''مجھے سپارٹیکس اور مصر کے بارے میں بتایئے'' کراسس نے کہا'' اور اس کے بعد ہم عورتوں کے بارے میں بات کریں گے''۔

3

عیسائیت اور اس کے وعظ و خطبات والی دوزخ سے قبل ہی روئے زمین پر ایک دوزخ موجود تھی۔ جسے انسان دیکھ اور سہہ رہا تھا۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ انہی دوزخوں کے بارے میں لکھے جو پہلے پہل اس نے خود بنائے ہیں۔

جولائی کے خشک اور درشت ماہ میں تھیبیز کے مقام سے دریائے نیل کے اُوپر کی طرف جایئے۔ اُوپر بڑے آبشار، یعنی فرسٹ کیٹاریکٹ، تک جایئے۔ آپ خود کو شیطان کے گھر میں پائیں گے۔ دیکھئے کہ دریا کے ساتھ ساتھ سبزے کی پٹی کس طرح ختم ہوتی جا رہی ہے۔ دیکھئے کہ پہاڑیاں اور صحرائی ٹیلے کس طرح ریت کے باریک ذرّوں میں تبدیل ہو گئے۔ ہَوا کے چھوتے ہی یہ بالکل پاؤڈر اور دھواں بن جاتے ہیں۔ خشک موسم میں دریا آہستگی سے بہتا ہے، اس پر سفید پاؤڈر کی ایک تہہ سی بچھتی جاتی ہے۔ گرم ہَوا میں پاؤڈر اُڑتا رہتا ہے۔

لیکن اس مقام پر ہَوا ذرا کم ہے۔ اب آپ ''فرسٹ کیٹاریکٹ'' سے آگے گزرتے ہیں اور نوبیا کا صحرا آپ کے سامنے ہے۔ صحرا میں دُور تک جایئے۔ یہاں تک کہ دریا پر موجود معمولی سی ہَوا تک ختم ہو جائے۔ مگر اس قدر دُور بھی نہ جایئے کہ بحرِ احمر کی خنک ہوا لگنے لگے۔ اب آپ جنوب کی طرف جایئے۔

اچانک ہوا ساکت اور زمین مردہ ہو جاتی ہے۔ محض معمولی سی ہوا زندہ ہے۔ ہَوا جو گرمی کے ہاتھوں سسک رہی ہے۔ یہاں انسان کے حواس ناقابلِ اعتبار ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ حقیقی طور پر موجود چیزوں کو نہیں دیکھ پاتا۔ ہر چیز گرمی سے مڑی تڑی ہوتی ہے۔ اب تو صحرا میں بھی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ یہ مقولہ یہاں آ کر غلط ہو گیا کہ صحرا ہر جگہ ایک جیسا ہوتا ہے۔ صحرا کا مطلب ہوتا ہے پانی

کی کمی۔ پانی کی اس کمی میں زمین کی نوعیت کے مطابق کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ صحرا تو چٹانی بھی ہوسکتا ہے، پہاڑی بھی، ریتلا بھی، سفید نمکیاتی بھی اور لاوائی بھی۔ اور جگہ بدلتا ہوا سفید پاؤڈر والا صحرا بھی ہوتا ہے جہاں پر انسان کا واحد انجام موت ہوتا ہے۔

یہاں کچھ بھی نہیں اُگتا۔ نہ چٹانی صحرا کی خشک، مڑی تڑی جھاڑیاں اور نہ ہی ریتلے صحرا کی تنہا کھڑی ہوئی بیلیں۔ یہاں کچھ بھی نہیں اُگتا۔

اسی صحرا میں چلتے جایئے۔ اس سفید پاؤڈر کے درمیان بہ ہزار دِقّت چلتے ہی جایئے اور محسوس کئے جایئے کہ دہشت ناک گرمی لہر در لہر کس طرح آپ کی پشت پر کوڑے برساتی رہتی ہے۔ انتہائی شدید گرمی کے باوجود ایک شخص کو زندہ رکھیے۔ اس گرم و خوفناک صحرا میں راستہ بنایئے۔ آپ کو زمان و مکاں لامحدود اور گھناؤنے نظر آئیں گے۔ مگر آپ آگے بڑھتے ہی جایئے، بڑھتے ہی جایئے۔ دوزخ ہوتی کیا ہے؟ دوزخ اس وقت شروع ہوتی ہے جب زندگی کی سادہ اور ضروری حرکت عفریت کی حد تک دشوار ہوجائے۔ اور یہ علم ہر عہد میں ان تمام لوگوں کو ہوگیا تھا، جنہوں نے انسان کے اپنے ہاتھوں قائم کردہ دوزخ کو چکھا ہے۔ اچانک یہ منظر بدلتا ہے اور دوزخ کا ایک پہلو نمودار ہوتا ہے۔ آپ کو سامنے کالی پہاڑیاں نظر آئیں گی۔ حیران کن اور خوفناک کالی پہاڑیاں۔ یہ کالے پتھر کی بنی ہیں۔ آپ کالے پتھر کی طرف جایئے اور پھر آپ دیکھیں گے کہ یہ سفید چمکدار مرمر کے ساتھ آخر تک دھاریاں بناتا جاتا ہے۔ کیا خوبصورت ہے یہ مَرمر! کیا چمک ہے اس کی، آسمانی نور کی طرح! اسے آسمانی نور ہونا بھی چاہئیے کہ آسمان کی گلیاں سونے کی بنی ہوتی ہیں اور سنگ مَرمر سونے کے ساتھ تو بہت خوبصُورت لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ یہاں آتے رہے اور اسی وجہ سے آپ یہاں آرہے ہیں۔ کیونکہ سنگ مرمر سونے کے ساتھ مل کر بھاری بھی ہوجاتا ہے اور قیمتی بھی۔

نزدیک جا کر دیکھئے۔ بہت عرصہ قبل فراعنۂ مِصر نے اس کالی چٹان کا خزینہ دریافت کیا تھا۔ اس زمانے میں اُن کے پاس تانبے اور کانسی کے اوزار ہؤا کرتے تھے اور اس طرح وہ، گو کم مقدار میں سہی، سطح کو چھیلتے اور کھرچتے رہے۔ کئی نسلوں تک سطح کو کھرچنے کے بعد سونا نِکلا۔ کالی چٹان کے اندر جا کر سفید مَرمَر کاٹنا ضروری تھا۔ اور یہ اس وقت ممکن ہؤا، جب تانبے کا عہد ختم ہوا اور لوہے کا

زمانہ آیا۔ اور تب انسان لوہے کی کدالوں اور اٹھارہ پونڈ وزنی ہتھوڑوں سے یہ کام کرسکنے کے قابل ہوگیا۔

مگر اب ایک نئے قسم کے انسان کی ضرورت تھی۔ چٹان کے اندر سونے کی موڑ کھاتی ہوئی رگوں کے پیچھے پیچھے گرمی، گرد اور جسمانی مشقت کے لئے مصر یا ایتھوپیا سے کسی کسان کو ملازم رکھنا ممکن نہیں۔ عام غلام ایک تو مہنگا پڑتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ مرتا بھی بہت جلد ہے۔ چنانچہ اس مقام پر قیدی بنائے گئے سپاہی لائے جاتے تھے، جنہیں جنگوں نے فولاد بنا رکھا تھا۔ یا پھر وہ بچے لائے جاتے جو کرّہ وہوتے۔ جنہیں ایسے غلاموں نے جنم دیا تھا جو خود غلاموں کی اولاد ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں صرف وہی زندہ بچ سکتا تھا جو سب سے زیادہ سخت جان ہوتا۔ بچوں کی ضرورت اس لئے تھی کہ چٹان کے اندر بہت دور جب یہ رگیں زیادہ تنگ ہوجاتیں تو وہاں صرف بچے کام دے سکتے تھے۔

فراعنہ کی وہ پہلے کی سی قوت اور شان و شوکت ختم ہوچکی تھی اور مصر کے یونانی بادشاہوں کے خزانے گھٹتے گھٹتے کم رہ گئے تھے۔ اس لئے روم کو بالادستی حاصل ہوگئی اور یہ کانیں روم کے غلاموں کی خرید و فروخت کرنے والوں نے سنبھال لیں۔ بہرحال رومیوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ غلاموں سے بہتر طور پر کس طرح کام لیا جاتا ہے۔

آپ کانوں تک آجایئے بالکل اسی طرح جیسے سپارٹیکس ایک سو بائیس تھریشینز کے ساتھ زنجیروں سے گردنیں جکڑی ہوئی، ''فرسٹ کیٹاریکٹ'' سے صحرا کو پار کرتے ہوئے اور گرم آہنی زنجیروں کا بوجھ اٹھائے یہاں آیا تھا۔ قطار میں بارھواں شخص سپارٹیکس ہے۔ وہ دوسروں کی طرح تقریباً برہنہ ہے اور جلد ہی اسے مکمل طور پر ننگ دھڑنگ کردیا جانا تھا۔ اس نے کپڑے کا چیتھڑا کمر میں باندھ رکھا ہے۔ اس کے بال لمبے ہیں اور قطار میں موجود ہر شخص کی طرح اس کی داڑھی بڑھی ہوئی ہے۔ اس کے جوتے پھٹ گئے ہیں مگر جو کچھ بھی بچا ہے وہ اس نے پاؤں میں پہن رکھا ہے۔ مگر اس نے کیا حفاظت کرنی تھی کیونکہ اس کے پاؤں کی جلد چوتھائی اِنچ موٹی اور بھینس کے چمڑے کی طرح سخت ہوگئی ہے۔ لیکن یہ بہرحال صحرا کی جلتی ہوئی ریت کے خلاف مدافعت کے لئے کافی

نہ تھی۔

اس شخص یعنی سپارٹیکس کے خدوخال کیسے ہیں؟ صحرا میں آہنی زنجیر کا بوجھ اٹھائے اس شخص کی عمر تئیس سال ہے۔ مگر اس کی شکل سے ایسا لگتا نہیں ہے۔ کیونکہ اس جیسوں کے لئے مشقت کی عمر لا محدود ہوتی ہے۔ کیا جوانی، کیا مردانگی اور کیا بڑھاپا؟ مشقت' لامتناہی مدت تک مشقت۔ سر سے لے کر پاؤں تک اس کا سراپا سفید باریک ریت کے پاؤڈر سے اٹا ہوا ہے۔ بالوں، داڑھی اور چہرے پر اس کی تہہ موٹی ہوتی ہے۔ ریت کے نیچے اس کی جلد جل کر بھورے رنگ کی ہوگئی ہے۔ سفیدی سے اٹے ہوئے اس کے چہرے سے اس کی گہری کالی آنکھیں، نفرت انگیز آنکھیں، جلتے کوئلے کی طرح جھانکتی ہیں۔ بھوری جلد صرف اس جیسوں کی زندگیوں سے جڑی ہوتی ہے۔ شمالی علاقوں کے سفید جلد اور زرد بالوں والے غلام کانوں میں کام نہیں کر سکتے کہ سورج انہیں بھون کر رکھ دیتا ہے، انہیں موت کی نیند سلا دیتا ہے اور وہ کڑے درد سے تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں۔

اس کے قد کے لمبے یا پستہ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ زنجیروں میں جکڑے لوگ سیدھا ہو کر نہیں چل سکتے۔ مگر اس کا جسم کوڑوں کی سلوٹوں کے نشانات سے بھرا ہوا ہے۔ گوشت سورج زدہ، خشک اور بے آب ہے۔ مگر وہ پتلا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام لوگوں میں سے منتخب کر کے خریدے جاتے تھے اور تھریس کے سنگلاخ پہاڑوں میں جینا کبھی آسان نہ رہا تھا۔ اس لئے جو لوگ زندہ رہ گئے تھے، وہ خاصے مضبوط اور ہٹے کٹے تھے۔ اس شخص کی گردن موٹی ہے۔ مگر اُس جگہ چھالوں سے بنے پھوڑے نظر آتے ہیں جہاں لوہے کی زنجیر کا جوا پڑا رہتا ہے۔ شانوں پر گوشت کی تہیں ہوتی ہیں۔ اور اسی ترتیب سے اس کا باقی بدن بنا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ شخص اصل عمر سے کم لگتا ہے۔ چہرہ کشادہ ہے مگر چونکہ ناک ایک دفعہ ایک اوورسیئر کے ڈنڈے سے ٹوٹ گئی تھی، اس لئے ذرا زیادہ ہموار نظر آتی ہے اور چونکہ اس کی آنکھیں ذرا فاصلے پر واقع ہیں۔ اس لئے اس کا چہرہ بھیڑ جیسا لگتا ہے۔ اس کی داڑھی اور گردن کے پیچھے اس کا منہ چوڑا ہے اور اس کے گرد حساس اور بھرے بھرے ہونٹ ہیں۔ جب وہ رونی صورت بنا لیتا ہے (مسکراہٹ تو اُس کے قریب ہی نہیں پھٹکتی) تو اس کے ہموار سفید دانت دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے ہاتھ کشادہ، چوکور اور بہت خوبصورت ہیں۔ اگر اس میں حسن نام کی کوئی چیز ہے تو وہ صرف اس کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

تو یہ ہوا سپارٹیکس۔ تھریس کا رہنے والا غلام، ایک غلام کا بیٹا جو خود بھی ایک غلام کا بیٹا تھا۔ اس کی منزل کسی کو معلوم نہیں اور مستقبل کوئی ایسی کتاب نہیں ہوتی جسے پڑھا جائے۔ اور اُس کا ماضی تو صرف مشقت کا نام تھا، دکھوں اور مصیبتوں کی گھٹا ٹوپ وادی تھا۔ تو یہ ہوا سپارٹیکس، جسے مستقبل کے بارے میں کچھ علم نہیں اور جو ماضی کو یاد کرنا نہیں چاہتا۔ اسے کبھی بھی ایسا نہ لگا کہ مشقت کرنے والوں نے مشقت کے علاوہ کچھ کیا ہو اور نہ ہی اس کے ذہن میں یہ آیا کہ کبھی نہ کبھی ایک وقت ایسا آئے گا، جب بنی نوعِ انسان اپنی پیٹھ پر کوڑے کھانا برداشت نہیں کرے گا اور مشقت سے آزاد ہوگا۔

وہ گرم ریت پہ بہ دقت چلتے ہی رہنے کے دوران کیا سوچتا؟ جب آدمی غلامی کی زنجیریں پہنے ہوئے ہو تو وہ بہت کم سوچتا ہے اور ہمیشہ اس سے زیادہ سوچنا بہتر نہیں کہ تمہیں دوبارہ کھانے کو کب ملے گا؟ پینے کو کب ملے گا؟ کب دوبارہ سونا نصیب ہوگا؟ تو سپارٹیکس کے ذہن میں کسی قسم کے پیچیدہ خیالات نہیں ہیں۔ نہ ہی اس کے دوسرے تھریشیّن ساتھیوں کے ذہنوں میں ایسے خیالات ہیں جنہوں نے زنجیریں پہن رکھی ہیں۔ آپ انسانوں کو درندہ بنائیے، وہ فرشتوں کے بارے میں کبھی بھی نہیں سوچیں گے۔

مگر اب دن ختم ہوا اور منظر تبدیل ہوتا ہے اور ان جیسے خوف کے مارے ہوؤں میں کوئی خاص تبدیلی یا خاص جذبہ نہیں ہے۔ سپارٹیکس اوپر دیکھتا ہے اور اسے معدنی کان کی کالی دھار نظر آتی ہے۔ غلاموں کا جغرافیہ ہی الگ ہوتا ہے۔ وہ سمندروں کی اشکال نہیں جانتے، نہ ہی پہاڑوں کی بلندیوں کے بارے میں انہیں کوئی علم ہوتا ہے اور نہ ہی وہ دریاؤں کی لمبائی کے بارے میں جانتے ہیں۔ مگر انہیں سپین کی چاندی کی کانوں، عرب کے سونے کی کانوں، شمالی افریقہ میں لوہے کی کانوں، کاکیشیا میں تانبے اور گال میں ٹن کی کانوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔ اِن کے پاس ان کی اپنی دہشت کی لغت ہوتی ہے، انہیں خوب علم ہے کہ نوبیا کی کالی معدنی کانوں سے زیادہ خوفناک جگہ پوری دُنیا میں کہیں اور نہیں۔

سپارٹیکس اُسے دیکھتا ہے، دوسرے اُسے دیکھتے ہیں اور پوری قطار اپنی دردناک اور تکلیف دہ

حرکت روک دیتی ہے۔ پانی اور اناج کے بوجھ تلے دبے ہوئے اونٹ بھی رُک جاتے ہیں۔ ہر ایک دوزخ کی اس کالی دھار کو دیکھتا ہے اور قطار پھر چل پڑتی ہے۔

جب وہ اس کالی چٹان تک پہنچ جاتے ہیں' تو سورج ڈوب رہا ہوتا ہے اور یہ چٹان مزید سیاہ ہو جاتی ہے' مزید خوفناک، مزید بدشگون نظر آتی ہے۔ دن کا کام ختم ہوا اور کوڑوں سے غلاموں کی جان چھوٹ گئی۔

''وہ کیا چیزیں ہیں، کیا چیزیں ہیں وہ؟'' سپارٹیکس سوچتا ہے۔

اور اس کے پیچھے آنے والا شخص سرگوشی کرتا ہے۔

''اے دیوتا! میری مدد کر''۔

مگر دیوتا یہاں اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ دیوتا یہاں موجود نہیں ہے۔ دیوتا کا یہاں کیا کام؟ تب سپارٹیکس کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کو نظر نہ آنے والی یہ چیزیں صحرا کی کوئی دوسری مخلوق نہیں بلکہ اس کی اپنی ہی طرح کے آدمی ہیں اور اسی طرح کے بچے ہیں جس طرح کا وہ خود ایک زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ مگر ان میں فرق اندرونی بھی تھا اور بیرونی بھی۔ اور ان طاقتوں کی وجہ سے بھی تھا جنہوں نے ان کی شکلوں کو انسانی شکلوں سے بگاڑ کر انہیں کچھ اور بنا دیا تھا۔ ایک اندرونی ردِعمل پیدا ہو گیا تھا۔ انسان بننے کی معدوم ہوتی ہوئی خواہش۔ انہیں دیکھو' انہیں دیکھو! سپارٹیکس کا دل جو کئی سالوں کے عمل سے پتھر ہو گیا، خوف اور دہشت سے دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے اندر رحم کے چشمے سوکھ گئے تھے، مگر وہ تو ایک بار پھر ابل پڑے اور اس کا بے آب جسم ابھی تک آنسو بہانے کے قابل تھا۔ وہ ان کی طرف دیکھتا ہے۔ کوڑا اس کی پشت پر لگ جاتا ہے کہ وہ چل پڑے مگر وہ پھر بھی کھڑا ہے اور ان کی طرف دیکھتا ہے۔

وہ کانوں کے اندر پیٹ کے بل چلتے رہے تھے، وہ ابھی تک جانوروں کی طرح پیٹ کے بل چل رہے تھے۔ وہ جب سے یہاں آئے تھے، نہائے نہیں۔ وہ دوبارہ کبھی نہا نہیں سکیں گے۔ ان کی کھالیں کالی گرد اور بھورے میل سے اٹی پڑی ہیں۔ ان کے بال لمبے اور آپس میں خلط ملط ہو گئے ہیں اور اب جب کہ وہ بچے نہیں رہے، ان کی داڑھیاں ہیں۔ کچھ سیاہ فام ہیں اور کچھ سفید فام۔ مگر

اب اتنا کم فرق رہ گیا ہے کہ مشکل ہی سے پتہ چلتا ہے۔ ان سب کے گھٹنوں اور کہنیوں پر مستقل داغ پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ ننگے، مکمل طور پر ننگے ہیں۔ اور ننگے کیوں نہ ہوں؟ کیا کپڑے انہیں زیادہ دیر زندہ رکھ سکتے ہیں؟ کان کنی کا صرف ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ ہے رومن سٹاک ہولڈروں کو منافع مہیا کرنا اور گندے کپڑے کے چیتھڑوں تک کی بھی کچھ نہ کچھ قیمت تو ہوتی ہی ہے۔

ہر ایک کی گردن میں لوہے کا طوق ہوتا ہے اور جبکہ وہ کالی چٹان کی طرف سے رینگتے ہوئے آتے ہیں، اوورسیئر جھپٹ کر طوق پکڑ لیتے ہیں۔ اور ایک لمبی زنجیر میں اٹکا لیتے ہیں اور زنجیر میں بیس آدمی بندھ جاتے ہیں۔ انہیں ان کے کوارٹروں کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ نوبیا کی کانوں سے کبھی کوئی غلام فرار نہیں ہوا۔ کوئی فرار ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کانوں میں ایک سال گزارنے کے بعد انسانوں کی دُنیا سے تعلق تک ختم ہو جاتا ہے اور زنجیر ایک ضرورت سے زیادہ، ایک علامت بن جاتی ہے۔

اس نسل پر سپارٹیکس کی آنکھیں جم جاتی ہیں۔ اور وہ اپنی نسل اور قسم کے بارے میں سوچتا ہے۔ اس قسم کے انسانوں کے بارے میں، جو غلام بن جانے کے بعد وہ خود بن گیا تھا۔ ''بولو!'' وہ خود سے کہتا ہے۔ اور اس کی دبی دبی خواہش ہے کہ لوگ آپس میں باتیں کریں۔ مگر نہ وہ خود بول پاتا ہے اور نہ ہی لوگ بولتے ہیں۔ سب موت کی طرح خاموش ہیں۔ ''مسکراؤ''۔ وہ خود سے کہتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی مسکرائیں۔ مگر ایسا نہیں ہو پاتا۔

وہ اپنے اوزار اپنے پاس رکھتے ہیں۔ لوہے کی کدال، چھینی اور گینتی۔ ان میں سے کئی لوگوں کے سروں پر روشنی کے لئے چراغ بھی بندھے ہوئے ہیں۔ بچے چلتے ہوئے جھٹکے کھا جاتے ہیں اور چندھیا دینے والی روشنی میں آنکھیں میچ لیتے ہیں۔ یہ بچے کبھی بھی قد آور نہیں ہوں گے۔ وہ زیادہ سے زیادہ دو سال عیش کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ کانوں میں جائیں گے۔ مگر جب کانیں تنگ اور ٹیڑھی ہو جائیں تو اس کے سوا دوسرا راستہ بھی نہیں کہ سونے کے پتھر کے پیچھے پیچھے چلا جائے۔ وہ اپنی زنجیریں لئے تھریشینوں کے پاس سے گزرتے ہیں۔ مگر وہ اپنا سر گھما کر نئے آنے والوں کی طرف دیکھتے تک نہیں۔ انہیں کوئی تعجب نہیں۔ انہیں کوئی پرواہ نہیں۔

اور سپارٹیکس جانتا ہے کہ ''تھوڑے عرصہ کے بعد مجھے بھی کوئی پرواہ نہ ہوگی''۔ وہ خود سے کہتا ہے اور یہ کسی بھی اور بات سے زیادہ خوفناک اور دہشت ناک بات ہے۔

اب غلام کھانا کھانے جاتے ہیں۔ تھریشین بھی لے جائے جاتے ہیں۔ چٹان کی اوٹ میں ان کے بیرک ہیں جو معدنی کالونی کے پاس ہی بنائے گئے ہیں۔ ایک زمانہ گزرا جب یہ بنائے گئے تھے۔ کسی کو بھی یاد نہ تھا کہ یہ کب بنائے گئے تھے۔ یہ کالے پتھر کی بڑی بڑی سِلوں سے بنائے گئے تھے اور وہاں کوئی روشنی نہ تھی۔ روشنی کا ذریعہ محض وہ دروازہ تھا۔ جس سے وہ اندر آ جاتے تھے۔ کئی دہائیوں کی گندگی اس کے فرش پر سڑ کر سخت ہو چکی تھی۔ اوورسیئر کبھی یہاں داخل نہیں ہوتے۔ اگر اندر کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے تو خوراک اور پانی روک لیا جاتا ہے اور جب خوراک اور پانی ملے کافی وقت گزر جاتا ہے، تو غلام پالتو جانوروں کی طرح پیٹ کے بل رینگتے ہوئے باہر آ جاتے ہیں۔ جب اندر کسی کی موت واقع ہوتی ہے تو غلام لاش کو باہر لاتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی جب کوئی بچہ لمبی بیرک میں بہت آگے اندر مر جائے اور کسی کو اس کا خیال نہ رہے تو وہ گم نہیں ہو جاتا اور اس کی لاش کی سڑاند اس کا پتہ بالآخر بتا دیتی ہے۔ یہ ہوتی ہے بیرک کے اندر کی دُنیا۔

غلام زنجیروں کے بغیر اندر جاتے ہیں۔ داخلے کے وقت ان کی زنجیریں کھول دی جاتی ہیں اور انہیں خوراک کے لئے لکڑی کا ایک پیالہ اور چمڑے سے بنی ہوئی ایک چھاگل تھما دی جاتی ہے۔ چھاگل میں ایک چوتھائی گیلن پانی ہوتا ہے اور انہیں یہ راشن دن میں دو بار ملتا ہے۔ مگر آدھا گیلن یومیہ پانی، اس پانی سے بہت کم ہوتا ہے جو ایسی خشک جگہ پر گرمی ان کے جسموں سے نکالتی ہے۔ اسی طرح غلام آہستہ آہستہ ڈی ہائیڈریشن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دوسری چیز انہیں نہ بھی مارے تو بھی جلد یا بدیر اُن کے گردے تباہ ہو جاتے ہیں اور جب دَرد اس قدر شدید ہو جائے کہ کام کرنا ناممکن ہو جائے تو انہیں گھسیٹ کر صحرا میں پھینک دیا جاتا ہے تاکہ وہ مر جائیں۔

یہ ساری باتیں سپارٹیکس کو معلوم ہیں۔ غلاموں کے بارے میں معلومات اور غلاموں کا معاشرہ اس کا اپنا ہے۔ وہ اسی میں پیدا ہوا تھا، اسی میں پلا بڑھا تھا۔ اور اسی میں بالغ ہو گیا۔ وہ غلاموں کے لازمی راز کو جانتا تھا۔ یہ راز ایک خواہش ہے، خوشی کی نہیں، آرام کی نہیں، خوراک کی نہیں، موسیقی کی

نہیں، ہنسی کی نہیں، محبت کی نہیں، سرگرمی کی نہیں، عورت اور شراب کی نہیں بلکہ یہ خواہش محض زندہ رہنے کی، صرف زندہ رہنے کی خواہش ہوتی ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس زندہ رہنے کا کیوں نہ کوئی سبب تھا نہ کوئی دلیل؟۔ اس کی وجہ انسانی جبلت نہ تھی۔ یہ جبلت سے زیادہ بڑی بات ہے۔ کوئی جانور اس طرح زندہ رہ نہیں سکتا۔ زندہ رہنے کا یہ انداز سادہ نہیں ہے اور نہ یہ آسان بات ہے۔ جن لوگوں کا واسطہ اس سے نہیں پڑا، ان کے تمام تر مسائل سے یہ کئی گنا زیادہ پیچیدہ، غور طلب اور مشکل ہے۔ اور اس کا ایک سبب بھی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ سپارٹیکس کو اس سبب کا علم نہیں ہے۔

اب وہ زندہ رہے گا۔ وہ عادی ہو رہا ہے، نرم پڑ رہا ہے اور خود کو اس کے مطابق ڈھال رہا ہے۔ اس کا جسم زنجیر سے چھٹکارا پانے کی قوت ذخیرہ کر رہا ہے۔ وہ اور اس کے ساتھی کتنے فاصلے سے زنجیر میں جکڑے ہوئے آئے۔ سمندر پار سے دریائے نیل تک اور وہاں سے صحرا کے اِس پار تک۔ کئی ہفتے زنجیر میں جکڑے ہوئے گزرے اور اب اس سے چھٹکارا ملا۔ وہ پر کی طرح ہلکا ہو گیا۔ مگر حاصل کی ہوئی اس طاقت کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ وہ پانی لے لیتا ہے۔ یہ پانی اس پانی سے زیادہ ہے جو ہفتوں تک اُسے نصیب نہ ہوا تھا۔ وہ اسے یکدم پی نہیں جائے گا۔ اور پیشاب کر کے ضائع نہیں کرے گا۔ وہ اس کی حفاظت کرے گا اور گھنٹوں اس کی چسکیاں لے گا۔ تاکہ اس کا ہر قطرہ اس کے جسم کی بافتوں میں ڈوب جائے۔ وہ اپنی خوراک یعنی گندم اور خشک ٹِڈی (ملخ) کے ساتھ دلیا بنائی ہوئی جَو، وصول کرتا ہے۔ خشک ٹڈی، گندم اور جَو میں طاقت اور زندگی ہوتی ہے۔ اس نے اِس سے بھی بُری خوراک کھائی۔ ہر خوراک کی عزت کرنی چاہئیے اور جو لوگ خوراک کی خواہ تصور میں ہی بے عزتی کرتے ہوں، خوراک کے دُشمن بن جاتے ہیں اور جلد مر جاتے ہیں۔

وہ بیرک کی تاریکی میں چلتا جاتا ہے، سڑی ہوئی بدبُو اس کے حواس کو جکڑ لیتی ہے۔ مگر بدبُو سے کوئی شخص مرتا تو نہیں اور قے کرنے کی عیاشی یا تو بیوقوف لوگ کرتے ہیں یا پھر آزاد انسان۔ قے کر کے وہ اپنے معدے میں موجود ایک اونس خوراک ضائع کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ پس وہ اس بدبو سے نہیں لڑے گا۔ اس لئے کہ ایسی چیزوں سے لڑائی نہیں کی جا سکتی۔ اس کے برعکس وُہ اس بدکو گلے لگائے گا۔ وہ اس کا خیر مقدم کرے گا اور اسے اپنے اندر جذب ہونے دے گا۔ تب جلد ہی یہ

بدبو اُس کے لئے قابل قبول ہو جائے گی۔

وہ تاریکی میں چلتا جاتا ہے۔اس کے قدم اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔وہ آنکھوں کا کام دیتے ہیں۔چونکہ اس نے ایک ہاتھ میں خوراک اور دوسرے میں پانی اٹھا رکھا ہے اس لئے اسے ٹھوکر کھانا یا گرنا ہرگز نہیں چاہیئے۔اب وہ ہاتھ سے پتھر کی دیوار کو چھُوتا ہے اور اُس سے پشت لگا کر وہیں بیٹھ جاتا ہے۔یہ جگہ اتنی بُری نہیں۔پتھر سرد ہے اور اس کی پُشت کو ٹیک بھی ملی ہوئی ہے۔وہ کھانا کھاتا ہے اور پانی پی جاتا ہے۔اس کے اِردگرد بڑے اور بچے بالکل اسی کی طرح حرکت کر رہے ہوتے ہیں، سانس لے رہے ہوتے ہیں اور کھانا چبا رہے ہوتے ہیں۔خود اس کے جسم کے ماہر اعضا اس کی مدد کرتے ہیں اور جس چیز کی اسے ضرورت ہوتی ہے' وہ ماہرانہ طور پر چھاگل یا پیالے سے نکال کر اسے دے دیتے ہیں۔وہ اپنے پیالے سے خوراک کا آخری ٹکڑا تک اُٹھا لیتا ہے۔رہا سہا پانی پی ڈالتا ہے اور زبان سے پیالے کے اندرونی حصے کو چاٹ لیتا ہے۔وہ بھوکا رہنا نہیں چاہتا۔خوراک زندگی ہے، اس کا ہر ذرہ زندگی ہے۔

اب کھانا کھایا جا چکا ہے اور مایوسیاں راستہ بناتی ہیں۔اس مقام سے ساری مایوسیاں ختم نہیں ہو گئیں۔اُمید ختم ہو سکتی ہے مگر مایوسی ہٹ دھرمی سے چابک برساتی رہتی ہے۔یہ جگہ آہوں، ٹھنڈی سانسوں اور آنسوؤں کا مسکن ہے۔اور کہیں کہیں تو زار زار رونے کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ کہیں پر ایک شکستہ آواز پکاتی ہے۔

''سپارٹیکس۔تم کہاں ہو؟''

''یہاں ہوں۔میں یہاں ہوں تھریشین!'' وہ جواب دیتا ہے۔

''تھریشین یہاں ہے''۔ایک دوسری آواز کہتی ہے۔''تھریشین۔تھریشین''۔یہ اُس کے لوگ ہیں۔وہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور جب وہ اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتے ہیں، تو وہ ان کے ہاتھوں کو محسوس کرتا ہے۔شاید دوسرے غلام سن رہے ہوں۔بہرحال کچھ بھی ہو، وہ بہت خاموش تھے۔لگتا تھا کہ اس دوزخ میں باتیں کرنے کی ڈیوٹی نو واردوں کی ہوتی ہے۔شاید پہلے سے یہاں پر موجود لوگ ان چیزوں کو یاد کر رہے ہوں، جن کی یاد سے وہ عموماً خوف کھاتے ہیں۔کچھ لوگ ATTIC زبان سمجھتے ہیں اور باقی نہیں سمجھتے۔

شاید کچھ دلوں میں تھریس کی برفانی چوٹیوں کی نعمت و رحمت سے بھری ٹھنڈک، صنوبر کے جنگلوں میں بہتے ہوئے نالے اور چٹانوں پر چوکڑیاں بھرنے والی بکریاں تک یاد آ رہی تھیں۔کسے معلوم کہ سیاہ کان میں موجود ملعون انسانوں کے اندر کیا کیا یادیں موجزن ہیں؟

وہ اُسے ''تھریشین'' کہتے ہیں اور وہ اب انہیں اپنے چاروں طرف محسوس کرتا ہے، جب وہ اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے، تو اُن میں سے ایک کا چہرہ محسوس کرتا ہے، اشکوں سے بھیگا ہوا چہرہ۔آہ۔آنسو ضیاع ہیں۔

''ہم کہاں ہیں سپارٹیکس، ہم کہاں ہیں؟'' ان میں سے ایک سرگوشی کرتا ہے۔

''ہم کھو نہیں گئے ہیں۔ہمیں یاد ہے کہ ہم کس طرح یہاں آئے ہیں''۔

''ہمیں کون یاد کرے گا؟''

''ہم کھو نہیں گئے ہیں''۔وہ دوبارہ کہتا ہے۔

سپارٹیکس ان کے لئے باپ کی مانند ہے۔پُرانے قبائلی رواج کے مطابق وہ اپنے سے دُگنی عمر کے لوگوں کا باپ ہے۔وہ سب تھریشین ہیں مگر وہ مخصوص تھریشین ہے۔اس لئے وہ ان سے نرمی سے بات کرتا ہے۔ایک ایسے باپ کی طرح جو اپنے بچوں کو کہانی سنا رہا ہو۔

اور ساحل پر جہاں
چلتا ہوا پانی ٹکرایا
مغربی ہوا کے خلاف
صف بندی کئے ہوئے،
گہرے سمندر سے اوپر تلک
عمدگی سے بلوتے ہوئے،
اور ساحل پہ لگ کر
محراب بنائے ہوئے،

اپنی سفید جھاگ کو دور تلک
قے کرتے ہوئے
اسی صف بندی میں
ڈاناس روانہ ہوا،
بلا جھجک'
میدانِ جنگ کی طرف.....''

اُن کے دِلوں پر اس کا قبضہ ہے اور وہ ان کے درد کو سمجھتے ہوئے سوچتا ہے: ''پرانے گیتوں میں کتنا اثر ہے!'' وہ اس دہشت ناک اندھیرے میں انہیں دلاسا دیتا ہے اور وہ پھر خود کو ٹرائے کی شفاف ساحلوں پر کھڑا پاتے ہیں۔ انہیں شہر کے سفید مینار نظر آتے ہیں۔ بہادروں اور سورماؤں کی سنہری یادگاریں دکھائی دیتی ہیں۔ اس کی نرم گفتار اونچی ہوتی ہے' مدھم ہوتی ہے اور خوف و پریشانی کی ساری گرہیں کھولتی جاتی ہے۔ یوں گھٹا ٹوپ اندھیرے میں زندگی اور حرکت آ جاتی ہے۔ غلاموں کو یونانی زبان نہیں آتی۔ اور بلاشبہ سپارٹیکس کا تھریشین لہجہ ATTICA کی بولی سے بہت کم مشابہت رکھتا ہے۔ مگر وہ پرانے گیتوں کے بارے میں جانتے ہیں، جن میں قدیم لوگوں کی دانائی محفوظ ہوتی ہے جو آزمائش کی گھڑی تک باقی رہتی ہے۔

آخر میں سپارٹیکس سونے کے لئے پاؤں پسارتا ہے۔ وہ سو جائے گا۔ اپنے ظالم دشمن یعنی بے خوابی سے اس کی مُلاقات بہت پرانی ہے، جس پر وہ فتح پا چکا تھا۔ اب وہ خود کو مجتمع کر کے اپنے بچپن کی یادوں کو کریدنے لگتا ہے۔ اسے سرد و شفاف آسمان، چمکتے ہوئے سورج اور نرم ہوا کی خواہش ہے۔ اور یہ سب وہاں ہیں۔ وہ صنوبروں کے جھنڈ میں لیٹے ہوئے گھاس چرتی بکریوں کو دیکھتا ہے اور ایک معمّر شخص اس کے پاس بیٹھا ہے، بوڑھا شخص اسے پڑھانا سکھا رہا ہے۔ معمر شخص ایک چھڑی سے زمین پر حروف لکھتا جاتا ہے۔

''میرے بچے انہیں پڑھ لے اور سیکھ لے''۔ وہ اسے بتاتا ہے ''پڑھنا سیکھ کر ہم غلام لوگ اپنے لئے ایک ہتھیار بنا لیتے ہیں۔ اس کے بغیر ہماری مثال میدان میں موجود ایک درندے کی سی ہوگی۔

جس دیوتا نے انسان کو آگ عطا کی تھی۔ اسی نے اسے اپنی تعلیمات لکھنے کی قوت بھی بخش دی تا کہ ہم قدیم سنہرے زمانے میں خُدا کی عطا کردہ تعلیمات کو یاد رکھ سکیں۔ اس وقت انسان خداؤں کے قریب ہوا کرتا تھا اور جب جی چاہتا ان سے باتیں کرتا تھا۔ اس وقت کوئی انسان غلام نہ تھا اور وہ وقت پھر آئے گا''۔

اس طرح سپارٹیکس کو پُرانی باتیں یاد آتی ہیں اور جلد ہی اس کی یادداشت ایک خواب میں بدل جاتی ہے اور اسی وقت اسے نیند آ جاتی ہے.....

صبح کو وہ ڈھول پیٹنے سے جاگ جاتا ہے۔ ڈھول بیرک کے دروازے پر بجایا جاتا ہے، جس کی آواز پتھر کی غار میں گونجتی ہے۔ پھر اس کی بازگشت، اور بازگشت کی بازگشت گونجتی ہے۔ وہ اُٹھ بیٹھتا ہے اور اپنے اِردگرد اپنے ساتھی غلاموں کے اُٹھنے کی آوازیں سنتا ہے۔ وہ گھپ اندھیرے میں دروازے کی طرف جاتے ہیں۔ سپارٹیکس اپنی چھاگل اور پیالہ ساتھ لیتا ہے اگر نہ لیتا تو اس دِن کھانے پینے سے محروم رہ جاتا۔ مگر وہ غلامی کے طرز سے واقف ہے اور غلامی کے طرز میں کوئی خاص تبدیلی آئی بھی نہیں کہ وہ پیش بندی نہ کر سکے۔ جب وہ چلتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ کئی لوگ اس کے ساتھ لگ کر چل رہے ہیں۔ وہ انہی کے ریلے میں چلا جاتا ہے۔ اس پورے عرصے میں ڈھول کے دھمکے جاری رہتے ہیں۔

یہ صبح صادق سے ایک گھنٹہ پہلے کا وقفہ ہے۔ اس وقت صحرا بہت سرد ہوتا ہے۔ صحرا دن کے صرف اسی گھنٹے میں دوستانہ روش پیدا کرتا ہے۔ ایک سبک رفتار ہَوا سیاہ غار کا چہرہ ٹھنڈا کر کے رکھ دیتی ہے۔ آسمان سیاہی مائل نیلگوں رنگ میں حیرت انگیز لگتا ہے۔ جگمگاتے ستارے آہستہ آہستہ غائب ہوتے جاتے ہیں۔ مردوں کی ناامیدی اور حسن و مسرت سے پاک دنیا میں یہ واحد نسوانی چیزیں ہیں۔ نوبیا کے سونے کی کانوں کے غلاموں کو پتہ ہے کہ ان کانوں سے آج تک کوئی واپس نہیں گیا۔ پھر بھی انہیں تھوڑی سی دلجوئی کا سامان تو چاہیئے۔ اسی لئے صبح صادق سے قبل کا یہ گھنٹہ فراہم کیا جاتا ہے تا کہ یہ تلخ و دلسوز مٹھاس ان کے دلوں میں بھر جائے اور ان کی اُمیدوں کو زندہ رکھ سکے۔

اوورسیئر ایک طرف چپڑ چپڑ روٹیاں کھاتے ہوئے اور پانی پیتے ہوئے کھڑے ہیں۔ اگلے چار

گھنٹوں میں غلاموں کو نہ تو کھانا ملے گا اور نہ ہی پانی۔ مگر غلام ہونا الگ بات ہے اور اوورسیئر ہونا بالکل دوسری بات۔ اوورسیئروں نے پشمینہ چوغے لپیٹ رکھے ہیں۔ ان کے پاس کوڑے، ڈنڈے اور لمبے چاقو ہیں۔ یہ اوورسیئر کون لوگ ہیں؟ انہیں کون سی چیز اس خشک صحرا میں کھینچ لاتی ہے؟

یہ سکندریہ کے تندخو اور سخت جان لوگ ہیں۔ وہ یہاں اس لئے آتے ہیں کہ یہاں تنخواہیں زیادہ ہوتی ہیں۔ اور کانوں سے نکالے گئے سونے میں انہیں حصہ ملتا ہے۔ دولت اور عیاشی کے خواب انہیں یہاں کھینچ لاتے ہیں۔ اگر وہ کارپوریشن کے مفاد کے لئے پانچ سال تک یہاں خدمات سرانجام دیں، تو انہیں رُوم کی شہریت مِل جائے گی۔ وہ مستقبل کیلئے جیتے ہیں، جب وہ روم میں ایک مکان کرائے پر لیں گے اور ہر ایک کے پاس خدمت کرنے اور ساتھ سلانے کے لئے پانچ پانچ غلام لڑکیاں ہوں گی۔ وہ ہر روز کھیلوں میں یا حمام میں گزاریں گے اور ہر رات شراب پی سکیں گے۔ انہیں یقین ہے کہ اس دوزخ میں آ کر مستقبل میں وہ دنیاوی جنت میں پہنچ پائیں گے۔ لیکن یہاں عطر یات، شراب اور عورت کی بجائے انہیں قیدیوں کے گارڈوں کی حیثیت سے مردود لوگوں پر معمولی حاکمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ عجیب لوگ ہیں، سکندریہ کی گندی گلیوں کی اچھوتی پیداوار۔ اور جو زبان یہ بولتے ہیں۔ وہ ارامائیک اور یونانی کا ملغوبہ ہے۔ ڈھائی صدیوں سے یونانیوں نے مصر کو فتح کر رکھا ہے۔ اور یہ اوور سیئر نہ تو مصری ہیں اور نہ ہی یونانی، بلکہ یہ سکندریہ کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی بدکرداری میں ہمہ گیر ہیں اور اپنے رویوں میں مردم آزار۔ وہ کسی خُدا پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کی شہوت پرستی عروج پر، مگر گھٹیا ہوتی ہے۔ وہ کھاٹ (نشہ آور پودا) کے پتوں کا رَس پی کر بدمست ہو جاتے ہیں۔

صبح صادق سے ایک گھنٹہ قبل کا وقت ہے۔ غلام پتھر کی بیرک سے نکل رہے ہیں۔ اور گلے میں لوہے کی زنجیریں پہنے کان کی طرف جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اسی لمحے سپارٹیکس اوورسیئروں کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہ اس کے مالک ہیں اور اس کی موت و حیات پر قادر۔ اس لئے وہ اُن کی عادات و اطوار اور شکل و شباہت کو غور سے دیکھ رہا ہے۔ کانوں کے اندر اچھے آقا تو نہیں مِلتے۔ مگر ایسا ہو سکتا ہے کہ وہاں دوسروں سے کم جابر و سنگدل آقا مِل جائیں۔ وہ اس اندھیرے میں ان کے چہروں اور

شکل و شباہت میں فرق تو نہیں کر سکتا، مگر ایسے معاملات میں اس کی آنکھیں بڑی تجربہ کار ہیں۔ ویسے بھی ایک شخص کے چلنے اور بولنے سے ہی اس کی پُوری شخصیت واضح ہوتی ہے۔

اس وقت اچھی خاصی سردی ہے۔ غلام ننگے ہیں۔ ان کے قابلِ رحم، فضول، سُورج کی چلچلاتی شعاؤں سے سیاہ جنسی حِصوں تک کو ڈھانپنے کے لئے کپڑے نہیں ہیں۔ وہ سامنے کی طرف اپنے بازو باندھے کانپ رہے ہوتے ہیں۔ سپارٹیکس کو غصہ آنے لگتا ہے۔ حالانکہ غصہ غلام کی زندگی کے لئے منافع بخش چیز تو نہیں ہوتی۔ مگر وہ سوچتا ہے کہ ''ہر چیز برداشت کی جا سکتی ہے مگر یہ چیز ناقابل برداشت ہے۔ جب اپنا ستر ڈھانپنے کے لئے ہمیں کپڑے کا چیتھڑا تک نصیب نہیں تو ہم میں اور جانوروں میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟''۔ پھر وہ اپنی یادوں میں کھو جاتا ہے ''نہیں، ہم تو جانوروں سے بھی نیچ ہیں۔ کیونکہ جب رومیوں نے اس سرزمین پر قبضہ کر لیا جہاں ہم غلام تھے اور زرعی مشقت کرتے تھے، تو انہوں نے جانوروں کو تو چھوڑ دیا تھا مگر ہمیں چن کر کانوں میں لے آئے''۔

اب ڈھول پیٹنا بند ہو جاتا ہے۔ اوورسیئر اپنے کوڑے کھول کر ہَوا میں لہراتے ہیں۔ جس سے ہَوا میں سائیں سائیں کی موسیقی بھر جاتی ہے۔ وہ ہَوا کو کوڑے مار رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ گوشت پر برسانے کے لئے ابھی بہت سویرا ہے۔ غلاموں کی ٹولیاں روانہ ہو جاتی ہیں۔ اب ہلکی سی روشنی ہو چکی تھی اور سپارٹیکس معصوم اور سردی سے کانپتے بچوں کو صاف طور پر دیکھ سکتا ہے۔ بچے جو زمین کے پیٹ میں پیٹ کے بل رینگتے ہوئے جائیں گے اور سفید پتھر پر پنجہ مارنا شروع کر دیں گے، جہاں سونا موجود ہے۔ دوسرے تھریشین بھی ان بچوں کو دیکھ رہے ہوتے ہیں کیونکہ وہ سپارٹیکس کے قریب مجمع لگائے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک سرگوشی کرتا ہے۔

''باپ! یہ کیسا دوزخ ہے؟''۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا''۔ سپارٹیکس کہتا ہے۔ جس وقت عمر کے لحاظ سے آپ کے باپ جتنے بڑے لوگ آپ کو باپ کہہ کر پکاریں تو اس کے علاوہ کہا بھی کیا جا سکتا ہے؟ اسی لئے وہ ایسی بات کہہ دیتا ہے جو اسے کہنی چاہیئے۔

اب سوائے تھریشینز کے گروہ کے باقی سب ٹولیاں کان کی طرف جا چکی ہیں۔ نصف درجن

اوورسیئر رہ جاتے ہیں۔ وہ اپنے کوڑوں کے گھسیٹنے سے ریت پر نشان بناتے ہوئے ان کی طرف بڑھتے ہیں۔ایک اوورسیئر اپنی موٹی آواز میں انہیں مخاطب کرتا ہے۔

''تھریس والو! تمہارا لیڈر کون ہے؟''۔

''جواب نہ دارد''۔

''کوڑے برسانے کے لئے ابھی بہت سویرا ہے تھریس والو''

اب سپارٹیکس کہتا ہے۔

''یہ لوگ مجھے باپ کہتے ہیں''۔

اوورسیئر اُسے اُوپر سے نیچے تک گھورتا ہے۔

''عُمر کے لحاظ سے تم ابھی باپ کہلائے جانے کے قابل نہیں ہو''۔

''ہمارے وطن میں یہی رواج ہے''۔

''یہاں ہمارے رواج مختلف ہیں' باپ!۔ جب بچہ گناہ کرے تو کوڑے باپ کو مارے جاتے ہیں۔تم سُن رہے ہونا؟''۔

''ہاں مَیں سن رہا ہوں''۔

''تو سنو۔تم سارے تھریشنیز سنو۔ یہ بُری جگہ ہے۔مگر یہ اس سے بدتر بھی ہوسکتی ہے۔ جب تک تم زندہ رہو گے۔تم سے ہم کام اور فرمانبرداری مانگیں گے۔ جب تم مرجاؤ گے تب ہم کچھ بھی نہ مانگیں گے۔ دوسری جگہوں پر مرنے سے زندہ رہنا بہتر ہوتا ہے مگر یہاں زندہ رہنے کی بجائے مر جانے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟''۔

سُورج اب طلُوع ہورہا ہے اور وہ اپنی گردن پر زنجیروں کا بوجھ اٹھائے کان کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں جہاں ان کی زنجیریں کھول دی جاتی ہیں۔صبح کی لطیف ٹھنڈک پہلے ہی رخصت ہوچکی ہے۔انہیں اوزار یعنی کدالیں، ہتھوڑے اور چھینیاں دی جاتی ہیں۔انہیں کان کے اندر کالی چٹان پر ایک سفید دھاری نظر آتی ہے۔ یہ رگ کی ابتدا ہوسکتی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کچھ بھی نہ ہو۔انہیں کالی چٹان کو کاٹنا ہوگا اور سونے والا پتھر ظاہر کرنا ہوگا۔

اب دن چڑھ گیا اور خوفناک گرمی شروع ہوتی ہے۔ سپارٹیکس اپنا ہتھوڑا مارتا جاتا ہے، جس کا وزن ہر گھنٹہ بڑھتا ہوا محسوس ہوا ہے۔ وہ ہے تو سخت جان، مگر شاید زندگی بھر اس نے ایسی ہلا ڈالنے والی مشقت نہ کی ہو۔ جلد ہی اس کے جسم کا ایک ایک پٹھا تھکاوٹ اور کھچاؤ سے ریں ریں دکھنے لگا ہے۔ یہ کہنا تو آسان ہے کہ ایک ہتھوڑے کا وزن اٹھارہ پونڈ ہے۔مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ شخص کس قدر اذیت میں ہوگا جو گھنٹوں یہ ہتھوڑا چلاتا رہے؟ اس جگہ میں جہاں پانی بہت قیمتی ہو' اب سپارٹیکس کو پسینہ آنا شروع ہوتا ہے۔ پسینہ اس کی جلد سے رسنا شروع کرتا ہے۔اس کی پیشانی سے آنکھوں میں بہتا آتا ہے۔ وہ مضبوطی سے ارادہ کرتا ہے کہ پسینہ رُک جائے۔اسے معلوم ہے کہ ایسے حالات میں پسینہ بہہ جانے کا مطلب مرجانا ہوتا ہے۔مگر پسینہ نہیں رکتا اور اس کے اندر کے جانور کے لئے پیاس خوفناک بن جاتی ہے۔

چار گھنٹے' لامتناہی ہیں، چار گھنٹے..... ۔جسم کی خواہشات دبانے کا ہنر غلام سے بہتر کون جانتا ہے' مگر چار گھنٹے صدیاں ہیں اور جس وقت ٹولیوں میں پانی کے چھاگل تقسیم کئے جاتے ہیں، سپارٹیکس پیاس سے نڈھال ہوچکا ہوتا ہے۔ سارے تھریشین اس سبز اور رحمت آفریں مائع کو چوستے ہیں اور تب انہیں محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے کیسی عیاشی کی۔

یہ نوبیا کی سونے کی کانیں ہیں۔ دوپہر تک کام کرنے سے ان کی توانائی کمزور پڑجاتی ہے۔تب کوڑے ان سے کام کو تیز کرواتے ہیں۔آہ۔کوڑا بہت مہارت دکھا سکتا ہے۔خصوصاً جب یہ کسی اوور سیئر کے ہاتھ میں ہو۔ یہ بڑی آسانی سے جسم کے کسی بھی حصے کو چھوسکتا ہے۔آہستگی سے بھی، دھماکے کے انداز سے بھی اور تنبیہہ کرنے کے طور پر بھی۔ یہ ایک موسیقی کی طرح ہے اور جسم کے کسی بھی حصے پر نغمہ و آہنگ پیدا کرسکتا ہے۔خواہ وہ چہرہ ہو، پیٹھ ہو یا آلۂ تناسل۔اب پیاس پہلے کی بہ نسبت دس گنا بڑھ جاتی ہے۔مگر پانی تو جاچکا ہے۔اس وقت تک پانی نہیں مِلے گا جب تک دن کا کام ختم نہ ہو۔اور ایک ایسا دن تو بے انت ہوتا ہے۔

مگر پھر بھی یہ ختم ہوجاتا ہے۔ ہر چیز ختم ہوجاتی ہے۔ ہر چیز کی شروعات کا بھی وقت ہوتا ہے اور اختتام کا بھی۔ایک بار پھر ڈھول پیٹا جاتا ہے۔اور دن کا کام ختم ہوجاتا ہے۔

سپارٹیکس ہتھوڑا رکھ دیتا ہے اور لہو میں لتھڑے ہاتھوں کی طرف دیکھتا ہے۔ کچھ تھریشین نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک اٹھارہ برس کا نوعمر بل کھا رہا ہوتا ہے۔ درد کی شدت سے اس کی ٹانگیں سکڑی ہوتی ہیں۔ سپارٹیکس اس کی طرف جاتا ہے۔

''باپ! باپ کیا یہ تم ہو؟''۔

''ہاں۔ ہاں''۔ سپارٹیکس کہتا ہے اور نوجوان کی پیشانی کو چُوم لیتا ہے۔

''تب میرے ہونٹوں پر بوسہ دو۔ کیونکہ میں مر رہا ہوں میرے باپ! اور میری رُوح میں جو کچھ بچا ہے، وہ میں چاہتا ہوں تمہیں دے دوں''۔

سپارٹیکس اسے بوسہ دیتا ہے مگر وہ رو نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ جلے ہوئے چمڑے کی طرح خشک ہو کر جھلس چکا ہے۔

4

اس طرح باتیاتس نے نوبیا کی کانوں میں سپارٹیکس کی آمد اور کالی کان میں ننگ دھڑنگ مشقت سے متعلق اپنا قِصہ مکمل کیا۔ اسے قصہ سناتے ہوئے کافی وقت ہو گیا تھا۔ بارش تھم چکی تھی۔ سُرمئی آسمان تلے مکمل تاریکی ہو گئی تھی۔ دونوں شخص روشن لیمپوں کی جھلملاہٹ میں بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک گلیڈیئٹرز کو تربیت دینے والا باتیاتس تھا اور دوسرا خوش بختی کی سپاہ کا کمانڈر تھا، جسے کسی روز اپنی دنیا کا امیر ترین شخص بننا تھا۔ باتیاتس خوب پیئے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے کا لٹکتا ہوا گوشت مزید لٹک گیا۔ وہ ایک ایسا ہوس پرست شخص تھا جو سادیت (SADISM) کو خودغرضی کے ساتھ مہارت سے جوڑنے کا ماہر تھا۔ اس نے ترس، قوت اور رنگینی کو ملا کر سونے کی کانوں کا قِصہ اس طرح سنایا کہ کراسس ہل کر رہ گیا۔

کراسس نہ تو بے حس تھا اور نہ ہی جاہل۔ اس نے پروِمیتھیئس پر اَسکائی لَس کی لکھی ہوئی عظیم تحریر پڑھ رکھی تھی۔ وہ یہ امر خوب جانتا تھا کہ غلامی سے کوئی سپارٹیکس ابھر کر ایک ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے، جہاں پر رُوم کی کوئی طاقت اس کے خلاف کھڑی نہیں رہ سکتی۔ سپارٹیکس کو سمجھنا، اس کے متعلق

تصور کرنا اور سپارٹیکس کے اندر جھانکنا ایک مشکل مسئلہ تھا۔ مگر سپارٹیکس کو سمجھنا اس کے لئے ضروری تھا کہ اس کے طبقے کی دائمی اُلجھن کا کچھ نہ کچھ حل نکل آئے۔ اور وہ اُلجھن زنجیروں میں جکڑا وہ شخص تھا جو ستاروں تک بلند مرتبت ہو چکا تھا۔ اس نے باتیاتس کو کن اکھیوں سے دیکھا۔ کراسس سوچ رہا تھا کہ اس موٹے اور بدصورت شخص کو یہاں بلا کر اس نے منافع کا کاروبار کیا ہے۔ وہ حیران تھا کہ کیمپ کی کونسی گندی عورت آج کی رات اس منحوس شخص کو میسر آئے گی! ایسی شہوت کراسس کی سمجھ سے بالا تر تھی۔

''پھر سپارٹیکس اس جگہ سے فرار کس طرح ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ فرار نہیں ہوا۔ ایسی جگہ سے کوئی بھی فرار نہیں ہو سکتا۔ اس جگہ کا فائدہ یہ ہے کہ غلاموں کی دوبارہ انسانوں کی دنیا میں شمولیت کی خواہش بہت جلد مر جاتی ہے۔ سپارٹیکس کو مَیں خرید کر باہر لایا''۔

''وہاں سے؟ مگر کیوں؟ پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ سپارٹیکس وہاں ہو گا؟''۔

''مجھے معلوم نہ تھا۔ لیکن گلیڈیئٹرز کے بارے میں آپ میری شہرت کو افسانہ سمجھتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ میں ایک موٹی اور فضول چیز ہوں جسے کسی چیز کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ مگر میرا پیشہ ایک فن ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں.....''۔

''میں جانتا ہوں''۔ کراسس نے سر ہلایا۔ ''مجھے بتایئے کہ آپ نے کس طرح سپارٹیکس کو خریدا؟''۔

''کیا فوج میں شراب پر پابندی ہے؟''۔ باتیاتس نے خالی بوتل اوپر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ ''یا پھر میں آپ کے خیال میں نشے میں دھت ہو کر اپنی بے عزتی میں اضافہ کروں گا یا لوگوں کے بقول بے وقوف ہمیشہ اپنی زبان کو قابو میں رکھتا ہے اور صرف شراب ہی اسے بے قابو کر سکتی ہے؟''۔

''میں آپ کے لئے مزید شراب لاتا ہوں''۔ کراسس نے جواب دیا اور پردے کی دوسری جانب جا کر ایک دوسری بوتل لے آیا۔ باتیاتس نے چابی کا بھی انتظار نہ کیا۔ اور بوتل کی گردن میز کے کنارے پر رکھ کر کھینچ دی۔ وہ اس وقت تک جام میں شراب انڈیلتا رہا جب تک کہ وہ چھلک نہ

گیا۔

''خُون اور مئے''۔ وہ مسکرایا'' مجھے کچھ اور بننا چاہئیے تھا۔ ایک فوج کی کمان کرنی چاہئیے تھی۔ لیکن کِسے معلوم؟ ہوسکتا ہے کہ آپ کی خواہش یہ ہو کہ گلیڈ ئیٹرز کو لڑتے ہوئے دیکھیں جبکہ میرا دِل اس سے بھر گیا ہے''۔

''ہاں میں لڑائی بہت دیکھتا ہوں''۔

'' بے شک ۔ مگر اکھاڑے کا سٹائل بالکل جدا ہوتا ہے۔ اکھاڑے میں اس قدر جرأت کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کا مقابلہ آپ کا قصابانہ قتلِ عام بھی نہیں کرسکتا۔ سپارٹیکس روم کی فوجی قوت کی تین چوتھائی کا صفایا کر چکا ہے اور اب روم کی تقدیر وعظمت واپس کرنے کے لئے آپ کو بھیجا گیا ہے۔ کیا اٹلی پر آپ کی حکمرانی ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ اٹلی پر سپارٹیکس کی حکمرانی ہے۔ ہاں آپ اسے شکست دیں گے، اس لئے کہ روم کے خلاف کوئی بھی دشمن ٹھہر نہیں سکتا۔ مگر فی الحال وہ آپ سے بہتر پوزیشن میں ہے''۔

''ہاں'' کراسس نے تسلیم کیا۔

''اور سپارٹیکس کو تربیت کس نے دی؟ میں نے ۔ وہ روم میں کبھی نہیں لڑا۔ مگر بہترین لڑائی روم میں ہوتی بھی نہیں۔ روم تو بس قصاب کی دکان کی تعریف کرسکتا ہے۔ اصل لڑائی تو کاپوا اور سسلی میں لڑی جاتی ہے۔ فوجی لڑائی بھی بھلا کوئی لڑائی ہے؟ زرہ بکتر، ڈھال اور آہنی ٹوپی کے ساتھ تو ہر کوئی لڑ سکتا ہے۔ اکھاڑے میں ننگا جانا ہوتا ہے۔ ہاتھ میں ایک تلوار ہوتی ہے۔ بس۔ ریت پر خون ہی خون ہوتا ہے اور جونہی آپ داخل ہو جائیں آپ کو خُون کی بُو آئے گی۔ بگل بج رہے ہوتے ہیں، ڈھول پیٹے جاتے ہیں۔ سُورج چمک رہا ہوتا ہے۔ خواتین اپنے رومال ہلا رہی ہوتی ہیں۔ وہ اپنی آنکھیں ان گلیڈ ئیٹرز کے اعضائے تناسل سے نہیں ہٹا سکتیں جوان کے سامنے ننگے لٹ رہے ہوتے ہیں۔ ان کے جذبات سہ پہر تک اپنی انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔ مگر آپ کو لطف اس وقت آئے گا جب آپ کا پیٹ چاک کیا جاتا ہے اور آپ وہاں کھڑے آہ وزاری کر رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ آپ کی آنتیں ریت پر پڑی ہوتی ہیں۔ یہ ہوتی ہے لڑائی میرے کمانڈر! اور ایسی لڑائی معمولی لوگ نہیں لڑ

سکتے۔ اس مقصد کے لئے آپ کو خاص نسل کی ضرورت ہوگی۔ آپ انہیں کہاں سے تلاش کریں گے؟ میں پیسہ کمانے کی خاطر ہر وقت پیسہ خرچ کرنے پر تیار رہتا ہوں اور ایسے لوگوں کے خریدنے کے لئے اپنے ایجنٹ بھیج دیتا ہوں۔ مَیں انہیں ایسی ایسی جگہوں پر بھیج دیتا ہوں جہاں پہ کمزور آدمی جلد مر جاتے ہیں اور جہاں پہ بزدل لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔ مَیں نوبیا کی کانوں میں سال میں دو مرتبہ اپنے ایجنٹ بھیج دیتا ہوں۔ ایک بار میں خود بھی وہاں گیا تھا اور پھر مَیں نے جانے سے توبہ کر لی۔ کان میں ایک غلام صرف دو سال تک کارآمد رہ سکتا ہے۔ کئی غلام تو چھ ماہ تک بھی نہیں چل سکتے۔ کان میں منافع بخش کام کے لئے جلد سے جلد غلام استعمال کرنے پڑتے ہیں اور ہمیشہ مزید غلام خریدنے پڑتے ہیں۔ وہاں ہمیشہ لاقانونیت کا رپوریشنوں کی سب سے بڑی دُشمن ہوتی ہے۔ یہ ایک چھُوت کی بیماری ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں اگر شورہ پشت شخص ملے، جو مضبوط بھی ہو، جو کوڑوں سے ڈرتا بھی نہ ہو اور جس کی بات دوسرے لوگ بھی سنتے ہوں، تو سب سے محفوظ طریقہ یہ ہے کہ اسے جلد از جلد قتل کر دیا جائے۔ اس کی لاش کو جلتی ہوئی دوپہر میں نیزے کی نوک سے اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے تا کہ اس کے گوشت پر مکھیاں پالی جاسکیں۔ اور دوسرے غلام بغاوت کا انجام خود دیکھ سکیں۔ مگر قتل کرنا تو اصراف ہے۔ کسی کی جیب میں کچھ بھی نہیں جاتا۔ اس لئے میں نے اوورسیئرز کے ساتھ سودے بازی کے راستے بنا رکھے ہیں۔ وہ ایسے آدمی میرے لئے رکھتے ہیں اور انہیں اچھی رقم پر بیچ دیتے ہیں۔ پیسہ ان کی جیبوں میں چلا جاتا ہے۔ اور خسارہ مجھے بھی نہیں ہوتا۔ ایسے افراد اچھے گلیڈ ئیٹر بن جاتے ہیں۔

''تو یوں آپ نے سپارٹیکس کو خرید لیا''۔

''بالکل۔ مَیں نے سپارٹیکس کو خریدا اور اس کے ساتھ گرانیکس نامی ایک اور تھریشین کو بھی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک وقت تھریشینز کی بڑی مانگ ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ کہا جاتا تھا کہ وہ خنجر کے استعمال میں مہارت رکھتے ہیں۔ پہلے سال ان کے پاس خنجر ہوتی ہے۔ اگلے سال'' فوسینا''۔ حقیقت یہ ہے کہ کئی تھریشینز نے زندگی بھر خنجر کو چھوا تک نہیں ہوتا۔ مگر پھر بھی ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی۔ اور خواتین تو کسی دوسرے کے ہاتھ میں خنجر دیکھنا تک نہیں چاہتیں''۔

''آپ نے اسے خود خریدا تھا؟''۔

''اپنے ایجنٹوں کے ذریعے۔ وہ سکندریہ سے دونوں غلاموں کو بحری راستے سے لائے۔ میرا ایک ایجنٹ نیپلز میں ہوتا ہے''۔

''آپ کا کاروبار تو بہت وسیع ہے''۔ کراسس نے تسلیم کیا۔ وہ موقع دیکھ کر منافع کی سرمایہ کاری کا عادی تھا۔

''تو آپ اس کی تعریف کرتے ہیں؟''۔ باتیاتس نے سر ہلایا اور اپنے جبڑے اتنی شدت سے بھینچے کہ اس کے منہ کے کونوں سے شراب بہہ نکلی۔

''ایسا بہت تھوڑے لوگ کرتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے' کاپوا میں میں نے کتنی سرمایہ کاری کی ہوگی؟''۔

کراسس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میرا ذہن کبھی اس جانب گیا ہی نہیں۔ لوگ صرف گلیڈیئٹرز کو دیکھتے ہیں۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اکھاڑے میں داخل ہونے سے پہلے ان پر کتنی سرمایہ کاری کی گئی ہوگی۔ یہی ہوتا ہے۔ لوگ جب کسی فوجی دستے کو دیکھ لیتے ہیں تو بس اتنا سوچتے ہیں کہ فوجی دستے ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے''۔

یہ ایک شاندار چاپلوسی تھی۔ باتیاتس نے اپنا جام نیچے رکھا اور کمانڈر کو گھورا۔ پھر اس نے ہاتھ سے اپنی گنبد نما ناک کو رگڑا۔

''اندازاً!''

''دس لاکھ!''

''پچاس لاکھ دینار جناب!'' باتیاتس نے نرمی سے زور دے کر کہا ''پچاس لاکھ دینار۔ اندازہ لگائیے۔ پانچ ممالک میں میرے ایجنٹ ہیں۔ ایک نیپلز کی بندرگاہ پر۔ میں اپنے آدمیوں کو بہترین خوراک کھلاتا ہوں۔ خالص گندم، جَو، گائے کا گوشت اور بکری کا پنیر۔ چھوٹے تماش بینوں کے لئے میرے پاس ذاتی اکھاڑہ ہے۔ لیکن بڑی تماشگاہ میں پتھر کا بہت بڑا اسٹینڈ ہے۔ جس پر پُورے دس

لاکھ دینار خرچ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں مقامی گیریزن کے ایک فوجی دستے کو کھانا کھلاتا ہوں اور رہائش مہیا کرتا ہوں۔ اس ضمن میں رشوت کا تو شمار نہیں..... آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ سارے ملٹری والے آپ کی طرح تو نہیں ہوتے۔ اگر آپ اپنے لڑکوں کو روم میں لڑائیں تو آپ کو وہاں کے افسروں کو پچاس ہزار دینار دینا پڑتے ہیں۔ عورتوں کا خرچہ الگ ہے''۔

''عورتیں'' کراسس نے پوچھا۔

''گلیڈیئٹرز محض غلام نہیں ہوتا۔ اگر آپ اس میں رنگ پیدا کرنا چاہتے ہوں تو پھر اس کے ساتھ سلانے کے لئے آپ کو کسی چیز کا انتظام کرنا ہوگا۔ تبھی وہ اچھا کھا سکتا ہے اور اچھا لڑ سکتا ہے۔ مَیں نے اپنی عورتوں کے لئے رہائش کا انتظام کر رکھا ہے۔ میں صرف بہترین عورتیں خریدتا ہوں۔ پوہڑ اور بوریاں نہیں! بلکہ مضبوط، توانا اور کنواری عورتیں۔ ہاں میں انہیں ضرور استعمال کرتا ہوں''۔

وہ اپنا جام ختم کر دیتا ہے۔ اپنے ہونٹ چاٹتا ہے۔ وہ دردناک اور تنہا لگتا ہے۔ ''مجھے عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے''۔ وہ شراب انڈیلتے ہوئے شکایت کرتا ہے۔ ''کچھ مرد ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔مگر میں کرتا ہوں''۔

''اور اسی عورت کو لوگ سپارٹیکس کی بیوی کہتے ہیں''۔

''ورینیا''۔ باتیاتس نے کہا۔ وہ خود میں گم ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت، غصہ اور طلب کی ایک دنیا نظر آ رہی تھی ''ورینیا'' اس نے دُہرایا۔

''مجھے اس کے بارے میں بتائیے''۔

باتیاتس کی خاموشی نے کراسس کو بعد کے الفاظ سے زیادہ کچھ بتایا۔

''جب میں نے اسے خریدا تھا، وہ اس وقت انیس برس کی تھی۔ ایک جرمن کتیا۔ زرد بال اور نیلی آنکھوں والی دلکش گندی جانور۔ مجھے اُسے قتل کرنا چاہئیے تھا۔ اوہ خدایا! میں نے اس کی بجائے اسے سپارٹیکس کے حوالے کر دیا۔ یہ ایک مذاق تھا۔ اسے کسی عورت کی خواہش نہ تھی اور وہ کسی مَرد کی ضرورت محسوس نہیں کرتی تھی۔ یہ ایک مذاق تھا''۔

''مجھے اس کے بارے میں بتائیے''۔

''میں نے بتا تو دیا''۔ باتیاتس غرایا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور خیمے کے پٹ میں سے ٹھوکریں کھاتا ہوا باہر گیا۔ اور کراسس نے اسے پیشاب کرتے ہوئے سُنا۔ کمانڈر میں یہ خوبی تھی کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول میں مکمل یکسوئی سے لگا رہتا تھا۔ ٹھوکریں کھاتا ہوا باتیاتس میز تک واپس آیا۔ وہ کمانڈر کے خیالات میں مخل نہ ہوا۔ باتیاتس کو شرافت سکھانا بہرحال اس کا مقصد نہ تھا۔

''مجھے اس کے بارے میں بتایئے''۔ اس نے اصرار کیا۔

باتیاتس نے اپنا وزنی ہوتا ہوا سر ہلایا۔

''آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا اگر میں دھت ہو جاؤں؟''۔ اس نے تمکنت سے پوچھا۔

''مجھے اس معاملے میں ہرگز اعتراض نہیں۔ آپ جتنی چاہیں پی سکتے ہیں''۔ کراسس نے جواب دیا۔ ''مگر آپ مجھے بتا رہے تھے کہ آپ سپارٹیکس اور گانیکس کو پالکی میں لائے۔ میرے خیال وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے؟''۔

باتیاتس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہوں۔ تو آپ نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا''۔

''نہیں۔ جو کچھ میں نے دیکھا۔ اس کا اندازہ آپ کو نہیں ہوسکتا۔ مَیں آدمیوں کو مختلف طریقوں سے جانچتا ہوں۔ وہ دونوں سخت گندے تھے۔ ان کے جسم پھوڑوں اور زخموں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کی داڑھیاں بڑی ہوگئی تھیں اور سر سے پاؤں تک ان کے جسم پر کوڑوں کے نشان تھے۔ ان سے آنے والی بدبُو اس قدر تلخ تھی کہ ان کے قریب جانے سے قے آنے لگتی تھی۔ ان کے جسم پر ان کی اپنی غلاظت کی خشک تہیں جم گئیں تھی۔ مگر ان کی آنکھوں سے نفرت چھلکتی تھی۔ آپ انہیں اپنے بیت الخلاء کی صفائی تک کے لئے مامور نہیں کریں گے۔ مگر مجھے ان میں کچھ نظر آیا۔ کیونکہ یہ میرا فن ہے۔ مَیں نے انہیں نہلوایا۔ ان کی شیو بنوائی۔ ان کے بال ترشوائے۔ ان پر تیل کی مالش کروائی اور انہیں خُوب کھلایا.....''۔

''کیا آپ مجھے وریناکے بارے میں بتائیں گے''۔

''تم لعنت کے مستحق ہو''۔

باتیاتس نے اپنا جام اُٹھایا مگر بھونڈے پن سے اسے گرا دیا۔ وہ میز پر جھک کر گرے ہوئے سُرخ دھبے کو دیکھنے لگا۔ معلوم نہیں اس وقت اس کے دِل میں کیا تھا۔ معلوم نہیں وہ ماضی کو اس میں دیکھ رہا تھا یا مستقبل کی کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ کیونکہ پیشگوئی کا فن مکمل طور پر فراڈ بھی نہیں ہوتا اور صرف انسان اپنے اعمال کے نتائج کا اندازہ لگا سکتا ہے، جانور نہیں۔ یہی وہ شخص تھا جس نے سپارٹیکس کو تربیت دی تھی۔ اس نے اپنے ہی مستقبل کو ایسی خطرناک راہ پر لگا دیا تھا، جس کی انتہا نہ تھی۔ مگر آنے والی نسلوں اور صدیوں تک باتیاتس کا نام باقی رہے گا۔ انسانوں کو تربیت دینے والا یہ شخص، جس نے سپارٹیکس کو ٹریننگ دی تھی، اُن آدمیوں کے لیڈر کے سامنے بیٹھا تھا جو سپارٹیکس کی تباہی کا ارادہ کئے بیٹھے تھے۔ لیکن وہ دونوں یکساں طور پر اس مبہم پیشن گوئی میں مبتلا تھے کہ سپارٹیکس کو کوئی بھی تباہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ دونوں اس جھلملاہٹ میں یکساں طور پر شریک تھے، اس لئے وہ یکساں طور پر لعنت کے مستحق تھے۔

5

''تمہارا موٹا دوست لینٹولس باتیاتس'' کمانڈر کراسس نے کہا۔ مگر لڑکا یعنی کائیس کراسس جو اس کے پہلو میں لیٹا ہوا تھا۔ آنکھیں بند کئے اُونگھ رہا تھا اور کہانی کے محض تھوڑے سے حصے سن چکا تھا۔ کراسس ایک داستان گو نہ تھا۔ یہ کہانی تو اس کے دِل و دماغ، اس کی یادوں، خوفوں اور امیدوں کے اندر پیوست تھی۔ غلاموں کی جنگ لڑی جا چکی تھی اور سپارٹیکس اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ ولاّ سلاریا امن و خوشحالی کی علامت تھا۔ روم کی سَرزمین کو امن کا تحفہ بخشا جا چکا تھا۔ اور وہ ایک لڑکے کے ساتھ ہم بستری کر رہا تھا۔ اور وہ کیوں نہ کرتا؟ لڑکے نے خود اس کی درخواست کی تھی۔

کائیس روم سے کاپُوا والی سڑک پر موجود چوراہوں کے بارے میں سوچوں میں گم تھا، اس لئے وہ مکمل طور پر سو نہیں رہا تھا۔ اس کی نسل اب ہم جنس پرستی کو گناہ نہیں سمجھتی تھی۔ یہ بات اس کے لئے غیر معمولی نہ تھی۔ سڑک کے چوراہوں پر چھ ہزار غلاموں کی لٹکتی لاشیں دیکھ کر اس میں کوئی غیر معمولی جذبہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ عظیم جرنیل سے بھی کئی گنا زیادہ خوش تھا۔ عظیم جرنیل کا دماغ شیطانوں

کی آماجگاہ تھا اور اشرافیہ کے گھرانے کا چشم و چراغ یعنی نوجوان کائیس کسی شیطان کے خلاف نہیں لڑتا تھا۔

یہ سچ ہے کہ مردہ سپارٹیکس نے اس کی توہین کی تھی۔ وہ اس مردہ غلام سے نفرت کرتا تھا۔ مگر جب اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کراسس کے چہرے کو دیکھا تو وہ اپنی نفرت کی وضاحت نہ کر سکا۔

''تم سو نہیں رہے ہو''۔ کراسس نے کہا۔ ''بہرحال تم سو نہیں رہے ہو۔ یہ تھی کہانی۔ پتہ نہیں تم اس کے کچھ حصے سن پائے ہو یا نہیں۔ اور تم سپارٹیکس سے نفرت کیوں کرتے ہو؟ سپارٹیکس جو اَب مر چکا ہے اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے''۔

مگر کائیس اپنی یادوں میں گم تھا۔ چار سال پہلے جب اس کا دوست براکس ہوا کرتا تھا۔ براکس کے ساتھ اس نے اپین شاہراہ کے ذریعے کاپوا تک سفر کیا تھا۔ براکس اسے خوش رکھنا چاہتا تھا۔ براکس چونکہ اغلام بازی کا دلدادہ تھا، اس لئے وہ اس لڑکے کو خوش رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کی خواہش تھی کہ وہ کائیس کو اکھاڑے والے صوفوں پر اپنے ساتھ بٹھا سکے۔ ولاّ سلاریا کی اس حیران کُن شام سے چار برس پہلے جب وہ براکس کے ساتھ پالکی میں بیٹھا تھا۔ براکس نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے کاپوا کے عظیم ترین اکھاڑے میں فقید المثال لڑائی دکھانے لے جائے گا۔ براکس اُس کی خاطر دونوں ہاتھوں سے دولت لٹانے پر آمادہ تھا۔ براکس نے اسے بتایا کہ اس اکھاڑے کی ریت پر خون ہی خون ہوگا اور وہ لڑائی کا نظارہ کرتے ہوئے شراب پئیں گے۔

اور تب وہ براکس کے ساتھ لنٹولس باتیاتس سے ملنے گیا۔ وہ بہترین سکول کا مالک تھا اور اٹلی بھر میں عظیم ترین گلیڈیئٹرز کو تربیت دیتا تھا۔

یہ سارا واقعہ چار برس قبل کا تھا۔ غلاموں کی جنگ سے پہلے۔ جب سپارٹیکس کا نام تک نہیں سنا گیا تھا۔ اب براکس مرا ہوا تھا اور سپارٹیکس بھی۔ اور کائیس رُوم کے عظیم ترین جرنیل کے بستر میں اس کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔

باب سوئم

1

ایک خوبصورت دِن لینٹولس باتیاتس اپنے دفتر میں بیٹھا، متواتر ڈکاریں لے رہا ہے۔ بھاری بھر کم ناشتے نے اس کے معدے کا بوجھ بڑھا دیا ہے۔ اس کا یونانی اکاؤنٹنٹ کمرے میں داخل ہوا اور اسے اطلاع دی کہ باہر روم کے دو نوجوان انتظار کر رہے ہیں اور وہ کچھ جوڑوں کی لڑائی کے بارے میں آپ سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔

عالی شان دفتر اور تجربہ کار و تعلیم یافتہ غلام اکاؤنٹنٹ دونوں باتیاتس کی دولتمندی اور امارت کا نمونہ تھے۔ مقامی سیاست میں تجربہ کاری، گلی کی لڑائی میں اس کی انتظامی صلاحیت، ہر اہم خاندان کے ساتھ اس کے خوشگوار تعلقات اور شہر میں غنڈوں کے سب سے بڑے ٹولے نے اسے بُہت سرمایہ فراہم کیا تھا۔ ذخیرہ کئے ہوئے رقم کو کاپوا میں گلیڈیٹرز کے سکول میں لگانے کا اس کا فیصلہ بہت دانشمندانہ تھا۔ وہ جب بھی اس بارے میں سوچتا، اسے اپنا مستقبل شاندار نظر آتا۔

غلام جوڑوں کی لڑائی، سرمایہ کاری اور منافع کا ایک نیا میدان بن گئی تھی۔ یہ کاروبار قانونی بھی تھا اور تسلیم شدہ بھی۔ وہ وقت کی رفتار کو جانتا تھا۔ اسے خوب معلوم تھا کہ اب تک یہ کاروبار نیا نیا تھا۔ یہ معمولی تفریح پُورے سماجی نظام کا پسندیدہ مشغلہ بننے والی تھی۔ سیاستدان اس حقیقت کو تسلیم کرتے جا رہے تھے۔ اگر وہ بیرونی سرزمین پر کوئی کامیاب جنگ کی ناموری نہیں کر سکتا، تو وہ گھر میں ایک چھوٹا سا اکھاڑہ قائم کر کے سو جوڑوں کو کئی دنوں تک لڑا کر یہ کام کر سکتا تھا۔ تربیت یافتہ گلیڈیٹرز کی مانگ پُوری ہی نہیں ہو رہی تھی اور ان کی قیمتیں بڑھتی جا رہی تھی۔ ہر شہر میں پتھر کے اکھاڑے بن رہے تھے اور بالآخر جب اٹلی بھر میں کاپوا میں سب سے خوبصورت اور متاثر کن اکھاڑہ بن گیا تو لینٹولس باتیاتس نے وہاں جا کر ایک سکول کھولنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے بہت چھوٹے پیمانے پر کاروبار شروع کیا۔ محض ایک چھوٹا سا جھونپڑا اور لڑنے کا ایک

عارضی شکستہ اکھاڑہ۔ وہاں ایک وقت میں محض ایک جوڑے کی تربیت کا بندوبست تھا۔ مگر اس کا کاروبار بہت تیزی سے بڑھا اور اب پانچ برس بعد اس کا کاروبار بہت وسیع ہو گیا تھا۔ جہاں پر ایک سو جوڑوں سے زائد کے لئے رہائش اور ٹریننگ کی سہولتیں موجود تھیں۔ گلیڈیٹرز کے لئے پتھر کی رہائش گاہ اس کی اپنی ملکیت تھی۔ ذاتی جمنازیم اور غسل خانہ تھا۔ ٹریننگ کورٹ اپنا تھا اور پرائیویٹ تماش بینوں کے لئے اس کا ذاتی اکھاڑہ تھا۔ بڑے پبلک تھیٹر کا تو خیر مقابلہ نہ تھا۔ مگر اس کے اپنے اکھاڑے میں بھی پچاس ساٹھ افراد کے لئے نشستوں اور بیک وقت تین جوڑوں کی لڑائی کی گنجائش موجود تھی۔ اس کے علاوہ مقامی ملٹری کے ساتھ اس کے بہترین تعلقات تھے اور رشوتیں دے کر اس نے یہ بندوبست کر رکھا تھا کہ سپاہیوں کا ایک پورا دستہ ہر وقت اس کے لئے دستیاب رہے۔ جس کا فائدہ یہ تھا کہ وہ کسی پرائیویٹ پولیس کے قیام کے اخراجات سے بچ گیا تھا۔ اس کے لنگر سے پورا ایک لشکر کھانا کھاتا تھا۔ یعنی گلیڈیٹرز، ان کی عورتیں، تربیت دینے والے گھریلو غلام اور پالکیوں والے غلام۔ کل ملا کر چار سو افراد سے زائد لوگ۔ اس کے پاس خود پر فخر کرنے کے لئے بہت کچھ تھا۔

جس دفتر میں وہ آج کی نکلی ہوئی دھوپ والی صبح کو بیٹھا تھا۔ وہ اس کی تازہ ترین حاصل تھی۔ شروع میں وہ زیادہ سجاوٹ اور کروفر سے دُور بھاگتا تھا۔ وہ نہ تو منصب دار تھا اور نہ ہی اس نے تصنع کی خاطر منصب داروں جیسے نخرے کئے۔ مگر جوں جوں اس کا نفع بڑھتا گیا تو اسے محسوس ہوا کہ بہت سرمایہ اکٹھا کرنے کے لئے ایسا کرنا پڑے گا۔ تب اس نے یونانی غلام خریدنا شروع کئے۔ اسی خریداری میں ایک اکاؤنٹنٹ اور ایک آرکیٹکٹ بھی شامل تھے۔ آرکیٹکٹ نے اس کو یونانی طرز کا ایک دفتر تعمیر کرنے پر اکسایا، جس کی چھت ہموار ہو اور جس کی صرف تین دیواریں ہوں اور چوتھی سمت کھلی ہو۔ پچھلی طرف کے کھولنے کے لئے محض ایک چادر تھی۔ جس کے کھلنے سے ہوا اور دھوپ آتی تھیں۔ سنگِ مرمر کا فرش اور خوبصورت میز جس پر وُہ کام کرتا تھا، بہت شاندار اور دیدہ زیب تھے۔ کھلی ہوئی سمت اس کی پشت کی جانب تھی اور وہ دروازے کی طرف منہ کئے بیٹھا تھا۔ راہداری کی دوسری طرف اس کے کلرکوں کے لئے ایک کمرہ اور ملاقاتیوں کے لئے انتظار گاہ تھی۔

یہ جگہ روم کی گلیوں کے غنڈوں کی لڑائی جھگڑے سے بہت دور واقع تھی۔

اکاؤنٹنٹ نے کہا'' دونوں نے سُرخی لگا رکھی ہے۔عطر لگایا ہوا ہے۔شائستہ قیمتی کپڑے اور انگوٹھیاں پہن رکھی ہیں۔دولت خُوب ہے مگر وہ ہیں نو دولتیے۔وہ مغز کھالیں گے ہمارا۔ایک چھوٹا لڑکا ہے۔اکیس سال کا۔دوسرا اُسے خوش رکھنے کی کوشش کر رہا ہے''۔

''انہیں اندر آنے دو''۔ باتیاتس نے کہا۔تھوڑی دیر بعد دونوں داخل ہو گئے۔ باتیاتس نے نہایت خوش اخلاقی سے کھڑے ہو کر سامنے میز کی دوسری جانب دو خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

جب وہ بیٹھ گئے تو باتیاتس نے کمال چابک دستی اور مہارت سے ان کا مشاہدہ کیا۔ان کی دولت مندی کی جھلک صاف طور پر نظر آ رہی تھی مگر یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی دولت کی خواہ مخواہ کی نمائش بھی نہیں چاہتے۔وہ اچھے خانوادوں کے نوجوان تھے۔مگر وہ عظیم روایتوں کے مالک بھی نہ تھے۔ان میں سے چھوٹا یعنی کائیس لڑکی کی طرح نازک اور خوبصورت تھا۔ براکس کسی قدر بڑا اور درشت نظر آتا تھا۔دونوں میں سے اس کا رول نمایاں تھا۔اس کی آنکھیں نیلی اور سرد تھیں۔بھورے بال، پتلے ہونٹ اور درشت خدوخال تھے۔گفتگو وہی کر رہا تھا۔کائیس محض سن رہا تھا اور کبھی کبھی تعریفی نگاہوں سے اپنے عاشق کو دیکھتا تھا۔ براکس گلیڈیٹرز کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اس کھیل کا دلدادہ ہے اور اس سے خوب واقفیت رکھتا ہے۔

''میں لینٹولس باتیاتس ہوں''۔موٹے آدمی نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے عہدے کا اعزاز دیتے ہوئے کہا۔

براکس نے اپنا اور اپنے ساتھی کا تعارف کرایا اور فوراً ہی مطلب کی بات کرنے لگا۔

''ہم دو جوڑوں کی پرائیویٹ لڑائی دیکھنا چاہتے ہیں''۔

''صرف آپ دو؟''۔

''ہم اور ہمارے دو اور دوست ہیں''۔

باتیاتس نے شان سے سر ہلایا اور میز پر دونوں ہاتھ اس طرح رکھے کہ اس پر نظر آنے والے زمرد اور لعل اسے مزید امیر ظاہر کریں۔

''اس کا انتظام ہو جائے گا''۔اس نے کہا۔

''موت تک''۔ براکس نے سکون سے کہا۔

''کیا؟''۔

''آپ سُن تو چکے ہیں۔میں دو جوڑے چاہتا ہوں۔جو موت تک آپس میں لڑیں''۔

''کیوں؟''۔ باتیاتس نے پوچھا۔''آپ نوجوان لوگ جب بھی روم سے آتے ہیں، تو کیا صرف موت کے لئے ہی آتے ہیں؟ آپ کو یہاں بہت اچھی لڑائی اور بہتا ہوا بہت سارا خُون نظر آئے گا اور یہ لڑائی فیصلہ کن بھی ہوگی۔لیکن موت تک کیوں؟''۔

''اس لئے کہ ہم ایسا پسند کرتے ہیں''۔

''یہ تو کوئی جواب نہ ہوا۔آپ کو تھریشین چاہییں۔میرے پاس دُنیا کے بہترین تھریشین لڑائی لڑنے والے موجود ہیں تاہم اگر آپ موت تک لڑائی دیکھنا چاہیں گے تو آپ اچھا کھیل اور اچھی خنجر زنی نہیں دیکھ سکیں گے۔یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور میں بھی۔اِدھر آپ نے پیسہ دیا اور اُدھر کھیل ختم ہوا۔میں آپ کے لئے پوائنٹس پر ایک پُورے دن کے کھیل کا انتظام کروں گا اور یہ ایک ایسا کھیل ہوگا جو آپ روم میں پُوری عمر نہیں دیکھ پائیں گے۔دیکھئے نا، جب آپ میرے پاس خوشی حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں، تو مجھے بھی تو اپنے ناموس کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور میری شہرت ایک قصاب جیسی نہیں ہے۔میں آپ کو بہترین لڑائی دکھانا چاہتا ہوں، پیسوں پر دکھائی جانے والی سب سے بہتر لڑائی''۔

''ہم اچھی لڑائی دیکھنا چاہتے ہیں''۔ براکس مسکرایا۔''اور یہ لڑائی ہم موت تک دیکھنا چاہتے ہیں''۔

''یہ تو متضاد بات ہے''۔

''یہ تو آپ کے اپنے سوچنے کا انداز ہے''۔ براکس نے نرمی سے کہا۔''آپ کی تو یہ خواہش ہے کہ میرا پیسہ بھی رکھیں اور اپنے گلیڈیٹر بھی۔میں جب بھی کسی چیز کے لئے پیسہ دیتا ہوں تو اسے خرید لیتا ہوں۔میں دو جوڑے موت تک کے لئے خرید رہا ہوں۔اگر آپ نہیں بیچیں گے تو میں کہیں

اور جاؤں گا''۔

''کیا میں نے یہ کہا؟ میں تو آپ کی سوچ اور اندازوں سے بہتر انداز میں آپ کی خدمت کرونگا۔ اگر آپ چاہیں تو مَیں صبح سے لے کر رات تک اکھاڑے میں دو جوڑے آپ کے لئے لڑاؤں گا اور اگر کسی ایک کا کوئی عضو کٹ جائے تو اسے تبدیل کر دوں گا۔ مَیں آپ کو اتنا خُون اور اتنے جذباتی مناظر دیکھنے کو دوں گا، جتنے آپ کی اور آپ کی بیگمات کی خواہش ہوگی۔ اور اس کے لئے میں آپ سے آٹھ ہزار دینار سے زیادہ رقم نہیں لوں گا۔ اس میں خوراک، شراب اور اس طرح کی آپ کی خواہشات کی تکمیل شامل ہوگی''۔

''آپ کو معلوم ہے کہ ہماری خواہش کیا ہے۔ میں بار بار ایک ہی بات کو دُہرانے کا عادی نہیں''۔ براکس نے سرد مہری سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ اس کے لئے آپ کو پچیس ہزار دینار دینا ہوں گے''۔

کائیس بہت مرعوب ہوا۔ اتنی بھاری رقم واقعی خوف زدہ کرنے والی تھی۔ مگر براکس نے کندھے اُچکائے۔

''منظور ہے۔ لڑائی کے وقت انہیں ننگا کرنا ہوگا''۔

''ننگا؟''۔

''آپ میری بات سُن چکے ہیں''۔

''منظور ہے''۔

''میں کسی قسم کی مصنوعی لڑائی کو پسند نہیں کرتا۔ دونوں کو اس قدر زخم آنے چاہئیں جس سے ریت کی پیاس بُجھ سکے۔ اور اس بات کا ثبوت فراہم کیا جا سکے کہ دونوں مر گئے۔ اگر دونوں محض زخمی ہو کر گر پڑیں، تو آپ کے ٹریننگ دینے والے جائیں گے اور ان کو ذبح کریں گے اور یہ بات پہلے سے دونوں کو سمجھائی جائے گی''۔

باتیاتس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں آپ کو دس ہزار دینار پیشگی دوں گا۔ باقی رقم جوڑوں کی موت کے بعد''۔

''جی بہتر۔ مہربانی کر کے رقم میرے اکاؤنٹنٹ کو ادا کیجئے'' وہ آپ کو رسید کاٹ کر دے گا۔ اور آپ کے لئے گلیڈیئٹرز چنے گا۔ کیا آپ جانے سے پہلے خود انہیں دیکھنا پسند کریں گے؟''۔

''اس مقابلے کا انتظام کل تک ہو سکے گا؟''۔

''کل۔ ہاں، مگر میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس قسم کی لڑائی کا فیصلہ بہت جلد ہو جاتا ہے''۔

''براہِ کرم مجھے متنبہ مت کیجئے''۔

وہ کائیس کی طرف مڑا اور اُس سے پوچھا۔

''جانی، کیا تم انہیں دیکھنا چاہتے ہو؟''۔

کائیس شرمانے کے انداز میں مسکرانے لگا اور اثبات میں سر ہلایا۔ وہ باہر نکلے اور براکس نے رقم ادا کر کے رسید لی اور وہ اپنی پالکیوں میں بیٹھ گئے اور مشق کرنے والے میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔ کائیس اپنی نظریں براکس پر سے نہ ہٹا سکا۔ اس شخص کے انداز پر لوگ رشک کرتے تھے۔ مگر نقدی کو اس طرح خرچ کرنا اور وہ بھی انسانی زندگی پر واقعی حیران کُن تھا۔ یہ کائیس کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ یہ آزاد خیالی کی بھی انتہا تھی۔ وہ تو ایک ہزار برس تک گلیڈیئٹرز کو ننگا کر کے لڑانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا تھا اور یہی بات ان کے روم کی بجائے کاپوا کے اکھاڑے میں آنے کی بڑی وجہ تھی۔

مشق کرنے کے میدان میں غلاموں نے ان کی پالکیاں نیچے رکھ دیں۔ مشق کا یہ احاطہ ڈیڑھ سو فٹ لمبا اور چالیس فٹ چوڑا تھا، جو تین اطراف سے آہنی سلاخوں میں گھرا ہوا تھا۔ چوتھی سمت میں گلیڈیئٹرز کے رہنے کے پکے سَیل تھے۔ کائیس نے سوچا کہ غلاموں کو ٹریننگ دینا، وحشی جانوروں کے پالنے اور تربیت دینے کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ خطرناک اور بڑا فن ہے۔ کیونکہ ایک گلیڈیئٹرز نہ صرف ایک خطرناک درندہ ہوتا ہے بلکہ وہ سوچنے کے لئے دماغ بھی رکھتا ہے۔

جب اس نے مشق کرتے ہوئے انسانوں کو دیکھا تو اس پر خوف اور خوشی کے جذبات چھا گئے۔ وہاں سو آدمی تھے، جنہوں نے کپڑے کا محض ایک چیتھڑا اپنی کمر کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ وہ کلین شیو تھے۔ سر کے بال بہت چھوٹے کر رکھے تھے اور وہ اپنی لکڑی کی چھڑیاں اور ڈنڈے لئے ہوئے قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے۔ تقریباً چھ تربیت دینے والے آدمی ان کے درمیان چل رہے تھے اور یہ

فوج کے معمر اور تجربہ کار لوگ تھے۔ ان تربیت دینے والوں کے ایک ہاتھ میں سپین کی بنی ہوئی تلوار تھی اور دوسرے ہاتھ میں پیتل کا بنا ہوا ڈنڈا۔ وہ جنگ جُو یانہ انداز میں چل رہے تھے اور ان کی آنکھیں پُھرتیلی اور بے چین تھیں۔ مسلح افواج کا ایک دستہ اپنے غیر معمولی ڈسپلن کے ساتھ مہلک ہتھیاروں سے لیس چاروں طرف پہرہ دے رہا تھا۔ کائیس کے لئے یہ سوچنا کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ ان لوگوں میں سے کچھ کی موت کی بھاری قیمت ہوگی۔

گلیڈیئٹرز بہت توانا، ہٹے کٹے اور اپنی حرکتوں میں چیتے کی طرح پھرتیلے تھے۔ مجموعی طور پر انہیں تین حِصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا تھا اور اس زمانے میں یہی تین قسم کے لوگ اٹلی کے مشہور ترین لڑاکا تصور ہوتے تھے۔ ایک طبقہ تھریش والوں کا تھا۔ جو ایک نسل سے زیادہ عرصے سے ایک پیشہ ور گروپ تھا۔ ان میں بے شمار یہودی اور یونانی لوگ تھے جن کی اس زمانے میں سب سے زیادہ مانگ ہوا کرتی تھی۔ وہ ایک چھوٹے اور قدرے خم دار خنجر سے لڑتے تھے جو کہ تھریس اور جوڈیا میں عام استعمال کا ہتھیار ہوا کرتا تھا اور یہ لوگ وہیں سے بھرتی کئے جاتے تھے۔ ریٹیاری لوگ ابھی حال ہی میں مقبول ہونا شروع ہو گئے تھے اور وہ دو عجیب ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ ایک ہتھیار مچھلی والا جال ہوتا تھا اور دوسرا ایک لمبا اور سہ شاخہ آلہ ہوتا تھا۔ اس طبقے میں باتیاتس ایتھوپیا کے عظیم الجثہ کالے افریقیوں کو ترجیح دیتا تھا اور ان کا مقابلہ ہمیشہ ایک اور طبقے یعنی مرمیلونوں سے کرایا جاتا تھا جو لڑنے کے لئے یا تو صرف ایک تلوار لیتے تھے یا پھر تلوار کے ساتھ ایک ڈھال بھی۔ یہ لوگ تقریباً سارے کے سارے جرمن یا گال نسل کے ہوا کرتے تھے۔

''انہیں دیکھو''۔ براکس نے سیاہ فام لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ان کا کھیل عمدہ ترین اور ماہرانہ ہوتا ہے۔ مگر اس سے بوریت بھی ہو سکتی ہے۔ یہ کھیل تھریشین لوگ عمدہ طریقے سے کھیل سکتے ہیں۔ کیا خیال ہے باتیاتس؟''۔

باتیاتس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''ہر ایک کا اپنا انداز ہوتا ہے''۔

''میرے لئے ایک تھریشین کا مقابلہ ایک سیاہ فام غلام سے کرانے کا بندوبست کیجئے''۔

باتیاتس نے ایک لمحے کے لئے اس کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ تو مقابلے کی جوڑی ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ تھریشین کے پاس صرف ایک خنجر ہوتا ہے''۔

''میں یہی چاہتا ہوں''۔ براکس نے کہا۔

باتیاتس نے کندھے اچکائے اور ایک تربیت دینے والے کو سر کے اشارے سے بلایا۔ کائیس گرویدگی کے انداز میں گلیڈیئٹرز کو عمدگی اور رقص کے انداز میں مشق کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جہاں تھریشین اور یہودی لکڑی کی لمبی لمبی چھڑیاں سنبھالے ہوئے تھے اور لمبے تڑنگے گورے جرمن اور گال لکڑی کی بنی ہوئی تلواروں سے شمشیر زنی میں مصروف تھے۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں اس قدر سدھائے ہوئے، اس قدر پھرتیلے، شاندار اور انتھک قسم کے لوگ نہیں دیکھے تھے جو بار بار رقص کرتے ہوئے ایک دوسرے پر جھپٹتے چلے جاتے تھے۔ یہ ایک لحاظ سے کائیس کے ضمیر کو ان کا ایک پیغام تھا کہ زندگی جیسی عظیم الشان اہم ترین نعمت یہاں پر قصائی کی نذر ہو جاتی ہے۔ مگر کائیس کا ضمیر محض ایک مختصر لمحے کے لئے جاگ اُٹھنے کے بعد ایک بار پھر سو گیا اور کائیس خیالوں کی جذباتی دنیا میں کھو گیا اور وہ مشق کرتے ہوئے غلاموں کو فرطِ انبساط سے دیکھنے لگا۔

تربیت دینے والا وضاحت کر رہا تھا کہ خنجر کی محض ایک طرف کی دھار تیز ہوتی ہے اور اگر یہ خنجر ایک بار جال میں پھنس جائے تو تھریشین کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس سکول میں یہ اپنی نوعیت کی بدترین خونریزی ہوگی۔ یہ مقابلے کی جوڑی بنتی ہی نہیں۔

''میرے لئے یہی جوڑی بہتر ہے''۔ براکس نے سرد مہری سے کہا۔

''تھریشین کی بجائے آپ ایک جرمن کو کیوں پسند نہیں کرتے؟''۔

''میں تھریشین کے لئے پیسے دے رہا ہوں''۔ براکس نے کہا۔ ''میرے ساتھ دلیل بازی نہ کرو''۔

''ان کے حکم کی تعمیل کرو''۔ باتیاتس نے کہا۔

تربیت دینے والے کی گردن میں ایک چاندی کی سیٹی لٹک رہی تھی۔ اس نے تین بار زور سے سیٹی بجائی اور سارے گلیڈیئٹرز اپنی اپنی قطاروں میں جامد و ساکت کھڑے ہو گئے۔

''آپ کو کونسا چاہیئے؟'' اس نے باتیاتس سے پوچھا۔

''درابا!''۔

''درابا!'' تربیت دینے والے نے چیخ کر کہا۔

سیاہ فام لوگوں میں سے ایک شخص مڑا اور چھڑی اور جال لئے ہوئے ان کی طرف آنے لگا۔ وہ ایک دیوقامت شخص تھا اور اس کی کالی جلد پسینے سے چمک رہی تھی۔

''ڈیوڈ''۔

''ڈیوڈ!'' تربیت دینے والے نے چلاّ کر کہا۔

یہ ایک یہودی تھا جس کا چہرہ شکرے جیسا تھا۔ باریک تلخ ہونٹ اور چہرہ سانولا تھا۔ وہ کلین شیو تھا اور اس کی آنکھیں سبز تھیں۔ وہ مٹھی میں لکڑی کا بنا ہوا خنجر پکڑے ہوئے تھا۔ اس کی انگلیاں بیتا بانہ انداز میں کھلتی اور بند ہوتی جاتی تھیں۔ وہ بے نیازی سے مہمانوں کو تک رہا تھا۔

''یہ ایک یہودی ہے''۔ براکس نے کائیس کو بتایا ''تم نے کبھی یہودی دیکھے ہیں؟''۔

کائیس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ لڑائی جذباتی مناظر سے بھری ہوگی''۔

''پولی مَس!''۔

''پولی مَس!'' تربیت دینے والا پُکارا۔

یہ ایک تھریشین تھا۔ بہت خوبصورت اور شاندار نظر آنے والا نوجوان۔

''سپارٹیکس!''۔

وہ بھی تینوں غلاموں کے ساتھ آ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ چاروں شخص قطار میں کھڑے تھے۔ اور آہنی سلاخوں نے انہیں دونوں رومن جوانوں، باتیاتس اور پالکی اٹھانے والے غلاموں سے علیحدہ کر رکھا تھا۔ کائیس نے انہیں دیکھتے ہوئے تسلیم کر لیا کہ وہ اس کے لئے بالکل ایک نئی چیز تھے اور خوفناک بھی۔ ایسا محض ان کے بیزار اور غمگین چہروں کی وجہ سے نہ تھا اور نہ ہی ان کے عظیم الجثہ جسموں کی وجہ سے تھا۔ بلکہ یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ لوگ اس کے قریب کھڑے تھے۔ وہ لوگ لڑنے اور مرنے کے لئے تربیت یافتہ تھے اور یہ لڑائی ایسی لڑائی نہ تھی جو فوجی لڑتے ہیں، یا جانور لڑتے ہیں۔ بلکہ جس طرح گلیڈیئیٹرز لڑتے ہیں جو کہ یکسر مختلف لڑائی ہوتی ہے۔ وہ ان چاروں خوفناک چہروں کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو یہ کیسے لگتے ہیں؟'' باتیاتس نے پوچھا۔

کائیس اپنی پوری زندگی میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا لیکن براکس سرد مہری سے بولا۔

''سب ٹھیک ہیں، سوائے اس ٹوٹی ہوئی ناک والے کے۔ وہ ایک لڑنے والا لگتا ہی نہیں''۔

''لگنا کبھی کبھی دھوکہ بھی دیتا ہے'' باتیاتس نے کہا۔

''یہ سپارٹیکس ہے۔ یہ بہت اچھا، بہت طاقتور اور بہت پھرتیلا ہے۔ میں نے اسے ایک خاص مقصد سے چُنا ہے۔ وہ بہت پھُرتیلا ہے''۔

''اس کا مقابل کون ہوگا؟''۔

''سیاہ فام!'' باتیاتس نے جواب دیا۔

''بہت خوب۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ اس قیمت کے لائق بھی ہے''۔ براکس نے کہا۔ تو اس طرح کائیس نے سپارٹیکس کو پہلی بار دیکھا تھا۔ حالانکہ چار سال بعد وہ گلیڈیئیٹرز کے نام بھول چکا تھا۔ اور اب اُسے اس دن کی چلچلاتی دھوپ، اس جگہ کی بُو اور پسینہ بہاتے انسانوں کی بُو یاد رہ گئی تھی۔

2

یہ ورینیا ہے جو اندھیری راتیں جاگ کر گزارتی ہے۔ وہ اُس رات بالکل نہیں سوئی، ایک لمحہ بھی نہیں۔ لیکن سپارٹیکس جو اس کے ساتھ لیٹا ہوا ہے، سو رہا ہوتا ہے۔ وہ گہری اور سکون کی نیند سو رہا ہے۔ اس کی سانسوں کی رفتار، جو اس کی زندگی کی آگ کے لئے ایندھن کا کام دیتی ہے، تواتر سے کم اور تیز ہوتی جاتی ہے۔ ورینیا اس کے بارے میں سوچتی ہے اور جانتی ہے کہ جو چیز زندگی کے ساتھ پُر امن اور اس کی گرفت میں رہتی ہے، وہ یہی تواتر ہے۔ خواہ یہ چیز موجوں کی روانی ہو یا موسموں کا

تغیر ہو یا عورت کے اندر حمل کا عمل ہو۔

مگر ایک آدمی اس قدر سکون سے کیسے سوسکتا ہے جبکہ وہ اس چیز کے بارے میں جانتا ہو جس چیز سے جاگ کر اس کا سامنا ہونا ہے؟ وہ موت کے کنارے بھی سکون سے سو رہا ہے۔ یہ سکون اس میں کہاں سے آتا ہے؟

ورینیا اسے بہت آہستگی سے چھوتی ہے۔ اس اندھیرے میں وہ اس کی جلد، اس کے گوشت اور اس کے بازوؤں کو ٹٹولتی ہے۔ اس کی جلد ملائم، تازہ اور حیات بخش ہے۔ پٹھے پُرسکون، بازو ڈھیلے ہوتے ہیں۔ نیند، بیش بہا نیند، نیند جس سے زندگی عبارت ہے۔

''سوتے رہو میری جان، میری زندگی، میرے اچھے۔ سوتے رہو میرے شیر، سوتے رہو اور اپنی طاقت کو مجتمع رکھو، اے میرے شوہر، اے میرے شوہر!''۔

آہستگی اور احتیاط سے سرگوشی کے انداز میں حرکت کرتے ہوئے ورینیا اس کے قریب تر ہوتی جاتی ہے، اس طرح کہ اس کا بدن زیادہ سے زیادہ اسے چھو لیتا ہے۔ اس کی ٹانگیں اس کی ٹانگوں سے چمٹ جاتی ہیں۔ اس کی بھری ہوئی چھاتیاں اس کے لئے تکیہ بن جاتی ہیں۔ اس کے سنہرے بال اس پہ سایہ کرتے ہیں، گال گال سے چمٹ جاتے ہیں۔ اس کا سارا خوف چھٹ جاتا ہے، اس لئے کہ خوف اور محبت کا اکٹھ ناممکن ہے۔ (اس نے ایک بار سپارٹیکس سے کہا تھا)۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم کچھ کر گزرو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم کچھ کر گزرو، وہی کچھ جو ہم اپنے قبیلے میں کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں ''کچھ'' پر ایمان ہے''۔ وہ اس کی بات پر مُسکرایا تھا۔

''تم قبیلے میں بھلا کس چیز پر ایمان رکھتی ہو؟''۔

ورینیا نے کہا تھا ''تمہیں ہنسنا پڑے گا''۔

اور پھر سپارٹیکس نے جواب دیا تھا۔

''کیا مَیں کبھی ہنستا ہوں؟ کیا میں کبھی ہنسا ہوں؟''

تب ورینیا نے اُسے کہا تھا ''قبیلے میں ہمارا اعتقاد ہوتا ہے کہ رُوح ناک اور مُنہ کے راستے جسم میں داخل ہوتی ہے''۔ ''تم تُو مسکرا رہے ہو!''

تب اس نے جواب دیا تھا۔ ''میں تم پر مُسکرا نہیں رہا ہوں۔ مَیں تو ان حیران کُن چیزوں پر مُسکرا رہا ہوں، جن پر لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے''۔ جس پر وہ چیخی تھی۔

''اس لئے کہ تم یونانی ہو اور یونانی کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے''۔

سپارٹیکس نے اسے بتایا تھا۔ ''میں یونانی نہیں بلکہ تھریس کا رہنے والا ہوں۔ ویسے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ یونانی لوگ کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے' یونانی تو اُن تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں، جن بہترین اور اعلیٰ ترین چیزوں پر بنی نوع انسان ایمان رکھ سکتا ہے''۔

اس بات پر ورینیا نے کہا تھا۔

''مجھے یونانیوں کے اعتقادات کی کوئی پرواہ نہیں لیکن تم وہی کرو جو ہم قبیلے میں کیا کرتے تھے۔ کیا تم اپنا منہ میرے منہ پر رکھو گے اور اپنی سانس اور روح مجھ میں ڈالو گے؟ پھر اس کے بعد وہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی کرے گی اور اس طرح ہمیشہ کے لئے ان کی روحیں آپس میں پیوست رہیں گی اور وہ یک جان دو قالب رہیں گے۔ کہیں تم ایسا کرنے سے خوف تو محسوس نہیں کرو گے؟''۔

اور تب اس نے جواب دیا تھا ''کیا تم کسی بھی ایسی چیز کی نشاندہی کر سکو گی جس سے میں خوف کھاتا ہوں؟''۔

اپنے سیل کے فرش پر وہ اس کے ساتھ لیٹی ہوئی ہے۔ یہی سیل ان کی گھر ہستی ہے۔ یہی کوٹھڑی اُن کا محل ہے۔ پتھر کے اِسی سیل میں وہ دونوں اکٹھے ہوئے جو 7 فٹ لمبا اور 5 فٹ چوڑا ہے۔ اور جس کا کل سامان صرف ایک برتن اور ایک چٹائی ہے۔ مگر یہ حقیر چیزیں بھی ان کی اپنی نہیں ہیں۔ کوئی بھی چیز ان کی اپنی نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ خود ایک دوسرے کے نہیں ہیں۔ اور اب وہ اس کے ساتھ لیٹی ہوئی ہے۔ اس کا چہرہ، اس کے بازو اور اس کی ٹانگوں کو چھوتے ہوئے وہ آہستگی سے روتی ہے۔ وہ ورینیا روتی ہے جسے دن کی روشنی میں کسی نے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

باتیاتس شوقیہ انداز میں کہا کرتا تھا کہ میں عورتیں دیتا نہیں، میں انہیں اپنے گلیڈیئٹرز کو عاریتاً دے دیتا ہوں۔ ایک شخص اکھاڑے میں اس وقت تک اچھا نہیں لڑ سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات کی تکمیل کا بندوبست نہ کیا جائے۔ گلیڈیئٹرز پالکی بردار غلام تو نہیں ہوتا، مرد ہوتا ہے۔ اگر وہ مرد نہ

رہے تو اس کے لئے کوئی دس دینار بھی خرچ نہیں کرے گا۔ اور مرد کی ضرورت عورت ہوتی ہے۔ مَیں ہمیشہ نا قابلِ اصلاح عورتیں خریدتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ سستی مِلتی ہیں۔ اور اگر میں اُنہیں سُدھا نہ سکوں تو گلیڈیٹر انہیں سُدھا دیتے ہیں۔

رات گزرتی جاتی ہے۔ صبح کی روشنی کی پہلی ملگجی شعاعیں سیل میں داخل ہوتی ہیں۔ اگر ورینیا پوری طرح کھڑی ہو جائے تو اس کا سر سیل میں موجود واحد کھڑکی کے برابر آ جائے۔ اگر وہ سیل سے باہر دیکھے تو اسے سلاخوں کے بیچ مشق کرنے والا گراؤنڈ نظر آئے اور اس کے پیچھے دن رات پہرہ دینے والے نیند سے نڈھال سپاہی نظر آئیں۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ کوٹھڑی اور زنجیریں اس کے قدرتی مسکن نہیں ہیں، وہ تو صرف سپارٹیکس کی آماجگاہیں ہیں۔

اس عورت نے باتیاتس کا دِل موہ لیا تھا۔ اس کے ایجنٹوں نے اسے روم میں ایک معمولی سی قیمت یعنی محض پانچ سو دینار پر خریدا تھا۔ باتیاتس جانتا تھا کہ مالِ تجارت کا بے داغ ہونا ناممکن ہے۔ مگر اُسے دیکھتے ہی وہ اسے اپنا دِل دے بیٹھا تھا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ ورینیا کا قد لمبا اور اس کا جسم جرمن قبائل کی دیگر عورتوں کی طرح سڈول اور خوبصورت تھا اور باتیاتس کی کمزوری بھی لمبا قد اور سڈول جسم تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ نوجوان تھی، محض بیس بائیس سال کی۔ اور باتیاتس کو نوجوان عورتیں پسند تھیں۔ ایک وجہ یہ تھی کہ وہ بہت خوبصورت تھی اور اُس کے خوبصورت بال بھورے رنگ کے تھے۔

مگر داغ تو موجود تھا اور اس کا پتہ اسے پہلی بار اس وقت چلا جب اُس نے اسے اپنے ساتھ سلانے کی کوشش کی تھی۔ وہ جنگلی بلّی بن چکی تھی، دھکا دینے والی، تھوکنے والی، جھپٹنے والی اور نوچنے والی ڈائن بن چکی تھی۔ چونکہ وہ نوجوان اور طاقتور تھی اس لئے باتیاتس کو اسے مار مار کر بے ہوش کرنے میں دِقّت پیش آئی۔ سجاوٹ کی رکھی ہوئی تمام قیمتی چیزیں ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی تھیں۔ اُن میں ایک خوبصورت یونانی گلدان بھی شامل تھا جو اُسے اس کے سر پر مارنا پڑا تھا۔ اس کا غصہ اور ہیجان اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کے خیال میں اس کو قتل کرنا بھی جائز تھا۔ مگر جب اس نے قیمتی گلدانوں، فانوسوں اور مجسموں کی قیمت اس کی اصل قیمت میں شامل کی تو اسے اندازہ ہوا کہ اُس پہ

مجموعی سرمایہ کاری اتنی زیادہ ہے کہ محض اپنے غصے کی وجہ سے اسے قتل کرنے کا خیال اس نے ترک کر دیا۔ وہ اسے معمولی قیمت پر منڈی میں بھی نہیں بیچ سکتا تھا۔ کیونکہ شاید اس نے اپنے پیشے کی ابتدا روم کے گلی کوچوں میں ایک غنڈے کی حیثیت سے کی تھی، اسی لئے اسے کاروباری اخلاقیات کا غیر معمولی طور پر پاس رہتا تھا۔ وہ اپنے آپ پر اس بنا پر فخر کرتا تھا کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا کر کوئی چیز نہیں بیچتا تھا۔ اس لئے اس نے فیصلہ کر لیا کہ گلیڈیٹر ہی اسے سدھا لیں۔ اور چونکہ اس کے دل میں خاموش طبع سپارٹیکس کے خلاف نفرت کے جذبات پید ہو گئے تھے۔ جس کے بھیڑ جیسے چہرے کے لئے سکول کے ہر گلیڈیٹر کے دل میں احترام پایا جاتا تھا، اس لئے اُس نے ورینیا کا ساتھی بنانے کے لئے اسی کو منتخب کیا۔

ورینیا کو اُس کے حوالے کرتے ہوئے سپارٹیکس کی طرف دیکھ کر اسے بہت مسرت ہو رہی تھی۔ اس نے سپارٹیکس سے کہا تھا کہ یہ تمہارے ساتھ لیٹنے کے لئے ہے۔ اس سے بچہ پیدا کرو یا نہ کرو، یہ تمہاری مرضی ہے۔ مگر اسے زخمی یا بدصورت نہ کرنا۔ سپارٹیکس اس وقت خاموش اور سپاٹ انداز میں کھڑا جرمن لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ ورینیا اس موقع پر خوبصورت نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر دو لمبے لمبے نشان پڑے ہوئے تھے۔ اس کی ایک آنکھ سوجھی ہوئی تھی اور اس کی پیشانی، گردن اور بازوؤں پر نیلے اور گلابی نشان پڑے ہوئے تھے۔

''دیکھ لو۔ تمہیں کیسی چیز دے رہا ہوں''۔ باتیاتس نے یہ کہتے ہوئے اس کے پہلے سے پھٹے ہوئے لباس کو پھاڑ دیا۔ اور تب وہ سپارٹیکس کے سامنے بالکل ننگی کھڑی تھی اور اس وقت سپارٹیکس نے اسے دیکھا اور پسند کیا۔ اس کے ننگے پن کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ کپڑوں کے بغیر بھی وہ ننگی بالکل نہ تھی۔ اس نے اپنے بازوؤں اور ہاتھوں سے اپنا ستر چھُپانے کی کوشش بالکل نہ کی بلکہ سادگی اور فخر سے کھڑی رہی۔ درد، یا بے عزتی کا اظہار نہ کیا۔ اُس کی یا باتیاتس کی طرف نہ دیکھا۔ بلکہ خود کو قابو کئے رکھا۔ اپنی دید، اپنی روح اور اپنے خوابوں کو قابو میں رکھا۔ اس لئے کہ اس نے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کیا تھا جو کہ اب کسی قیمت کی نہیں رہ گئی تھی۔

اُس رات وہ سیل کے آخری کونے میں جا کر لیٹ گئی اور سپارٹیکس نے بھی اس سے کچھ نہ کہا۔

نہ ہی اس کی طرف حرکت کی۔مگر جب سردی بڑھنے لگی تو اُس نے پُوچھا۔

''لڑکی! کیا تم لاطینی زبان جانتی ہو؟'' جواب نہ دارد۔ پھر اُس نے کہا۔

''میں تم سے لاطینی بولوں گا اس لئے کہ مجھے جرمن زبان نہیں آتی اور اب جب کہ سردی بڑھ رہی ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم میری چٹائی پر سو جاؤ''۔اس بار بھی اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ تب اس نے چٹائی اس کی طرف دھکیل دی اور اسے دونوں کے درمیان رہنے دیا اور صبح یہ چٹائی وہیں درمیان میں پڑی تھی اور وہ دونوں پتھر پر سوتے رہے۔وریناجب ڈیڑھ برس قبل جرمن جنگلوں سے پکڑی گئی تھی تو اس وقت سے اُس کے ساتھ یہ پہلا خوشگوار سلوک ہوا تھا۔

اور اُس ختم ہوتی ہوئی رات میں، اُس پہلی رات کی یادیں اس کے دل میں موجزن تھیں۔اور یادوں کی یہی لہریں اس کے ساتھ لیٹے ہوئے مرد کے دل میں محبت کے وہ طوفان بن کر ٹکراتی ہیں کہ وہ ان سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔وہ ہل کر رہ جاتا اور اچانک اپنی آنکھیں کھول کر صبح کاذب کی مدھم روشنی میں اسے دیکھتا ہے۔اسے بانہوں میں لے لیتا ہے اور اس پر بوسوں کی بارش شروع کر دیتا ہے۔

''او میرے محبوب، میری جان'' وہ کہتی ہے۔''بس بس۔اِس سے آگے نہ بڑھو۔آج کے دن کی لڑائی کے لئے تمہیں قوت کی ضرورت ہے میری جان!''۔

''ارے جانے دو قوت کی بات۔میں قوت سے بھرا ہوا ہوں''۔تب وہ اس کی بانہوں میں لپٹتی ہے اور آنسو خاموشی سے رواں ہو جاتے ہیں۔

3

صبح کو لڑائی ہونی ہے اور یہ بات اس مقام پر موجود دو سو سے زائد گلیڈیئٹروں میں سے ہر ایک کو معلوم ہے۔دو جوڑے اکھاڑے کی ریت پر اپنا خون محض اس لئے بہائیں گے کہ روم سے دو شخص بھاری رقم لے کر تماشا دیکھنے کی خواہش لئے آئے ہیں۔ان دو جوڑوں میں دو تھریشین، ایک یہودی اور ایک افریقی ہوگا۔اور چونکہ افریقی چھڑی اور جال کا استعمال خوب جانتا ہے، اس لئے نتیجہ صاف

ظاہر ہے۔اس قسم کی لڑائی کی اجازت کوئی بھی سکول والا نہیں دیتا کیونکہ اگر آپ ایک کُتا بھی پالیں تو اُسے شیر کے مقابلے میں کھڑا نہیں کریں گے۔مگر باتیاتس پیسے کے لئے سب کچھ کر گزرتا ہے۔

سیاہ فام شخص جب اِس صبح جاگ جاتا ہے تو اپنی زبان میں کہتا ہے۔

''اے موت کا دن! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں''۔

وہ چٹائی پر لیٹے لیٹے اپنی زندگی کے بارے میں سوچتا ہے۔وہ اِس عجیب حقیقت پر غور کرتا ہے کہ سب لوگوں، حتیٰ کہ سخت غم زدہ اور دُکھی انسان کے بھی پاس محبت، پیار، کھیلوں، شادمانیوں، گیتوں اور رقص کی یادیں ہوتی ہیں اور سب انسان موت سے خوف کھاتے ہیں۔زندگی خواہ کسی کام کی بھی نہ ہو مگر پھر بھی لوگ اس سے چمٹے رہتے ہیں، اس حال میں بھی جبکہ وہ تنہا ہوں، گھر سے بہت دُور ہوں، اور کبھی بھی گھر واپس جانے کی امید تک سے محروم ہوں اور ہر قسم کی تذلیل، درد اور ظلم کا شکار ہوں اور جنہیں وحشیوں کی طرح کھلایا جائے اور دسروں کی تفریح طبع کے لئے لڑایا جائے۔وہ تب بھی زندگی سے چمٹے رہتے ہیں۔

وہ خود جو ایک زمانے میں ایک بسے بسائے گھر کا مالک تھا اور جس کی بیوی بچے تھے۔مگر اب اس کے ہاتھ میں چھڑی اور جال تھما کر اسے لڑنے بھیجا جاتا ہے تا کہ لوگ اس پر ہنس سکیں اور تالیاں بجائیں۔

وہ سرگوشی کے انداز میں اپنی نسل اور پیشے کی مناسبت والا فلسفہ دُہراتا ہے۔مگر یہ سب کچھ خالی خولی اور غیر تسلی بخش ہے۔اور جب وہ دن کا سامنا کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو اس کی ہڈیاں درد کرنے لگتی ہیں، اس کے پٹھے دُکھتے ہیں۔وہ اپنے دماغ اور جسم کو سپارٹیکس کے قتل کرنے کے لئے اکساتا ہے۔سپارٹیکس، جس سے وہ محبت کرتا ہے اور یہاں پر موجود تمام لوگوں سے زیادہ اس کی قدر کرتا ہے۔اُسی سپارٹیکس کو آج اسے قتل کرنے کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔شاید اسی لئے کہا جاتا ہے۔

''گلیڈیئٹر.....کسی گلیڈیئٹر کو دوست نہ بنا''۔

وہ چاروں پہلے پہل خاموشی سے چلتے ہوئے اکٹھے غسل کرنے گئے۔ باتیں کرنے کا فائدہ ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ اب کوئی ایسی بات رہ نہیں گئی تھی جس پر گفتگو کی جاسکتی۔ اور چونکہ ان کو اس وقت سے لے کر اکھاڑے میں داخل ہونے تک اکٹھے رہنا تھا۔ اسلئے گفتگو کرنے سے صرف حالات میں بگاڑ ہی پیدا ہوسکتا تھا۔

غسل خانے کا پانی پہلے ہی گرم تھا۔ انہوں نے اس میں غوطہ لگانے میں دیر نہ کی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہر چیز بغیر سوچ اور بچار کے عمل میں لائی جارہی تھی۔ غسل کی جگہ خاصی تاریک تھی۔ جس کی لمبائی 40 فٹ اور گہرائی بیس فٹ تھی۔ جب دروازہ بند ہوجائے تو روشنی کا ذریعہ محض ایک مدھم سا فانوس تھا۔ زرد روشنی کے نیچے غسل کے پانی کا رنگ خاکی پڑ گیا تھا۔ جس کے اُوپر اُٹھنے والے بھاپ کا ایک بادل تھا۔ یہ بھاپ دہکتے ہوئے پتھروں کے پانی میں پھینکنے کی وجہ سے پیدا ہورہا ہے۔ یہ گرم پانی سپارٹیکس کے جسم کے ہر ہر مسام میں داخل ہوجاتا ہے، اس کے اکڑے ہوئے پٹھوں کو نرمی عطا کرتا ہے۔ اور اسے ایک عجیب اور مختلف قسم کی راحت بخش دیتا ہے۔

یہ گرم پانی اس کے لئے ختم نہ ہونے والی رحمت تھا، مگر یہ نوبیا کے مصائب و آلام کو کبھی دھو نہ پایا۔ اور جب بھی وہ غسل خانے میں داخل ہوتا تو اُسے یاد آتا کہ یہاں پر ان جسموں کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے جنہیں صرف دوسروں کو قتل کرنے اور خود قتل ہونے کے لئے پالا جاتا ہے اور تربیت دی جاتی ہے۔ مگر جب وہ زندہ رہنے والی چیزیں مثلاً گندم، جو اور سونا پیدا کیا کرتا تھا تو اس کا جسم ایک مُردار اور بے مقصد شے تھی۔ ایک ایسی چیز جس سے شرم آتی تھی، جسے مارا پیٹا جاتا تھا۔ ٹھوکریں لگائی جاتی تھیں، جس پر کوڑے برسائے جاتے تھے اور جسے بھوکا رکھا جاتا تھا۔ مگر اب جبکہ وہ موت آور مخلوق بن گیا تھا۔ اتنا بیش قیمت جتنا کہ افریقہ کی کانوں میں اس کا کھود کر نکالا ہوا سونا۔

یہ بڑی تعجب انگیز بات تھی کہ اس کے اندر کا نفرت کا پودا ایک تناور درخت بن گیا تھا۔ اس سے پہلے تو نفرت کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ کیونکہ نفرت ایک ایسی عیاشی ہوتی ہے جس کے لئے خوراک، طاقت اور احساس کی ضرورت ہوتی ہے اور اب اس کے پاس یہ چیزیں موجود تھیں۔ اور اس کے پاس باتیاتس بھی تھا جسے اُس نے اپنی نفرت کا محور بنا رکھا تھا۔ باتیاتس روم تھا اور روم باتیاتس۔ اسے

روم سے نفرت تھی اور اسے باتیاتس سے نفرت تھی۔ اُسے ہر اُس چیز سے نفرت تھی جس کا تعلق رُوم سے تھا۔ وہ تو کھیتوں میں ہل چلانے، مویشی بانی اور کان کنی کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔ مگر یہ روم ہی تھا جس نے اسے سکھایا کہ انسانوں کی پرورش اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ٹکڑے ٹکڑے کرسکیں اور ریت پر خونریزی کریں تاکہ اُونچی نسل کے مرد اور عورتیں تماشا دیکھ سکیں اور قہقہے لگا سکیں۔

غسل خانے کے بعد وہ مالش کرنے والی میزوں کی طرف گئے۔ ہمیشہ کی طرح سپارٹیکس نے اپنی آنکھیں اس وقت بند کردیں، جب اس کی جلد پر زیتُون کا فرحت بخش تیل لگایا گیا اور مالشی کی جانی پہچانی 'اور' رواں انگلیوں کے نیچے اس کے جسم کا ہر ایک پٹھا ڈھیلا اور نرم ہوا جارہا تھا۔ پہلی بار جب اس کے ساتھ ایسا ہوا تھا تو اسے ایسا لگا تھا جیسے وہ جال میں پھنسا ہوا ایک خوف زدہ اور ہراساں پرندہ ہو۔ وہ جس قدر بھی آزادی رکھتا ہے یا رکھتا تھا، اب انہی چُھبنے والی انگلیوں نے ان پر دھاوا بول دیا۔ مگر اب بہرحال وہ مالش کا عادی ہوگیا تھا اور جس قدر بھی ممکن ہوتا وہ اس سے فرحت پانے کی کوشش کرتا۔ بارہ دفعہ وہ اس طرح لیٹا تھا اور بارہ دفعہ وہ اکھاڑے میں لڑا تھا۔ آٹھ بار تو کاپوا کے بڑے تھیٹر میں' جہاں چیختے ہوئے خُون کے پیاسے مجمع نے اُسے بار بار اکسایا تھا۔ اور چار بار وہ باتیاتس کے پرائیویٹ اکھاڑے میں ان عظیم الشان دیہاتی محلّات سے آئے ہوئے قتل و غارت کے موٹے اور دولت مند شائقین کے لئے لڑا تھا۔ جو اپنی بیگمات یا ہم جنس محبوبوں کے ساتھ اُن لڑتے ہوئے انسانوں کا نظارہ کرکے ایک دن گزارنے آئے تھے۔

ہمیشہ کی طرح وہ مالش والی میز پر لیٹا ہوا آج بھی اپنی پُرانی یادوں میں کھویا ہوا تھا۔ پُرانی یادیں جو اس کے ذہن پر کندہ ہوگئی تھیں۔ انسانوں کو نہ تو معدنی کانوں کی دہشت اور نہ ہی کھیتوں کی خوفناک مشقت اتنا جکڑ سکتے ہیں جتنا کہ اکھاڑے میں داخل ہوتے وقت کی دہشت۔ اس خوفناکی کی تو کوئی مثال نہ تھی۔ قاتل کی حیثیت سے منتخب کئے جانے والی بے عزتی سے بڑھ کر کوئی بے عزتی نہیں ہوتی۔

اور اس طرح اس نے دیکھ لیا کہ گلیڈیٹر سے زیادہ نیچ اور ذلیل زندگی انسانی حیات میں تھی ہی

نہیں۔ درندگی سے اس قدر قربت نے ہی اسے یہ اعزاز بخشا تھا کہ اس کی اس قدر دیکھ بھال کی جائے جس طرح کہ ایک عمدہ گھوڑے کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ حالانکہ باتیاتس یا کوئی دوسرا رومن اکھاڑے میں ایک اچھے گھوڑے کی تباہی کے تصور سے نفرت کرتا تھا۔ وہ اپنی بے عزتی اور خوف کا تار تار لباس پہنے ہوئے تھا۔ اور اب مالشی کی انگلیاں ہر دھاگے کا تعاقب کر رہی تھیں اور زخمی ضمیر کے ہر تار کو چھیڑ رہی تھیں۔

وہ ہمیشہ خوش قسمت رہا تھا۔ اس لئے کہ اسے کبھی بڑی چوٹ نہیں لگی۔ اس کی کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی ، نہ ہی کوئی آنکھ پھوٹی ، نہ کبھی کوئی خنجر کان کے پردے یا گردن پر لگی اور نہ اسے کوئی ایسا خاص زخم آیا تھا جس سے اس کے ساتھی اس قدر خوف زدہ رہتے تھے۔ وہ راتوں کو ایسے خواب دیکھ کر خوف کے مارے پسینے سے شرابور ہو جاتے تھے۔ سپارٹیکس کو محض خراشیں آئی تھیں اور وہ اسے نہ تو اپنی مہارت سے منسوب کرتا تھا اور نہ ہی ایسا کرنا چاہتا تھا۔ قصاب کی دکان سے مہارت کا بھلا کیا تعلق ہے۔ مگر وہ چیتے کی طرح پھرتیلا تھا۔ تقریباً اتنا پھرتیلا جتنا کہ ساتھ والی میز پر لیٹا ہوا سبز آنکھوں والا نفرت اور خاموشی کا مجسم نمونہ یہودی تھا۔ یہ بہت ہی مشکل کام تھا کہ آپ سوچ تو لیں مگر طیش میں نہ آئیں۔ اور جو لوگ اکھاڑے کے اندر طیش میں آجاتے ، موت اُن کا مقدر ہوتی تھی۔ خوف کی بات الگ تھی۔ مگر غصّہ اور طیش کی کوئی گنجائش نہ تھی اور طیش میں نہ آنا اسے خُوب آتا تھا۔ ساری زندگی اس کے خیالات اس کی بقاء کے ہتھیار بنے رہے اور بہت کم لوگوں کو اس بات کا پتہ تھا۔

''غلام کسی بھی چیز کے بارے میں کبھی نہیں سوچتا۔ اور ''گلیڈ ئیٹر'' ایک درندہ ہوتا ہے''۔ یہ تو ظاہر تھا مگر ذرا غور کیا جائے تو اسی کے اندر اس کی نفی ملتی ہے۔ ایک آزاد شخص خیالات کے سہارے زندہ رہتا ہے۔ مگر ایک غلام تو لمحہ بہ لمحہ زندہ رہنے کے آسرے پر جیتا ہے اور یہ خیال اچھوتا ہوتا ہے۔ تصورات فلاسفر کے لئے لازمی ساتھی ہوتے ہیں۔ مگر غلام کے لئے باعثِ آفت۔ سپارٹیکس جب وریناسے جُدا ہوا تو اُس نے اسے چوس کر رکھا تھا۔ اسے اب سپارٹیکس کے لئے زندہ نہیں رہنا تھا۔ اگر سپارٹیکس زندہ رہتا تو وہ بھی زندہ رہتی۔ مگر اب سپارٹیکس نہ تو زندہ تھا اور نہ مرا ہوا۔

مالشی نے اپنا کام ختم کیا، چاروں غلام میز سے اُتر گئے اور اپنے گرد لمبا پشمینہ چوغہ لپیٹ لیا جسے وہ کفن کہتے تھے۔ پھر وہ کھانے کے ہال کی جانب گئے۔ باقی غلام پہلے ہی صبح کے کھانے پر موجود تھے۔ ہر شخص فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اور اپنے سامنے بچھی ہوئی میز پر سے کھانا کھا رہا تھا۔ ہر شخص کے پاس دودھ کے لئے لکڑی کا ایک کپ تھا اور گوشت کے ٹکڑے کو گندم کے دلیے کے ساتھ ملا کر بھرا ہوا ایک پیالہ تھا۔ باتیاتس خُوب کھلاتا پلاتا تھا۔ اور جتنے بھی لوگ اس کے سکول میں آئے تھے، زندگی میں پہلی بار پیٹ بھر کر کھانا انہیں نصیب ہوا تھا۔ مگر ان چاروں آدمیوں کے لئے جنہیں آج اکھاڑے میں لڑنا تھا، صرف تھوڑی شراب اور مرغ کے کچھ ٹکڑوں کا انتظام تھا۔ کیونکہ کوئی شخص پیٹ بھر کر اچھی طرح لڑ نہیں پاتا۔

بہر حال سپارٹیکس کو بھوک بالکل نہ تھی۔ وہ چاروں ایک دوسرے سے فاصلے پر بیٹھ گئے۔ کھانے میں کسی کا جی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ شراب کی چسکیاں لیتے رہے۔ انہوں نے گوشت کا ایک آدھ ٹکڑا کھایا اور وہ کبھی کبھار ایک دوسرے کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ مگر بولتا کوئی بھی نہ تھا۔ اس شور و غوغا اور گپ شپ سے گرجتے ہوئے ہال میں آج مکمل خاموشی تھی۔ دوسرے گلیڈ ئیٹرز بھی نہ تو اُن کی طرف دیکھ رہے تھے اور نہ بہت زیادہ توجہ کر رہے تھے۔ یہ گویا الوداعی ناشتے کا شائستہ اخلاق تھا۔

یہ تو سب کو پتہ تھا کہ جوڑے کس طرح ترتیب دیئے گئے تھے۔ ہر ایک کو پتہ تھا کہ سپارٹیکس سیاہ فام شخص سے لڑے گا اور جال اور ڈنڈے کا مقابلہ خنجر سے تھا۔ ہر ایک کو پتہ تھا کہ تھریشین اور یہودی کا جوڑا بنایا گیا تھا۔ سپارٹیکس کو مرنا تھا اور نوجوان تھریشین کو بھی۔ یہ قصور سپارٹیکس کا تھا، وہ نہ صرف جرمن لڑکی کو اپنی بیوی کہتا تھا بلکہ اس نے تو سارے مردوں کو بھی اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا اور وہاں موجود ہر گلیڈ ئیٹر اس کا واضح اظہار بھی کر رہا تھا۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ انہیں سپارٹیکس سے محبت کیوں تھی اور وہ اسے کیوں چاہتے تھے۔ سپارٹیکس کے اطوار خاص تھے۔ شریف اعمال۔ اس کا چہرہ بھیڑ جیسا تھا۔ بھرے بھرے ہونٹ، ٹوٹی ہوئی ناک، حتیٰ کہ اس میں اتنی صلاحیتیں موجود تھیں کہ سارے آدمی اس کا فیصلہ مان لیتے تھے اور اپنے سارے خوف اور جھگڑے لے کر اس کے پاس آتے تھے اور وہ اس طرح فیصلے کرتا تھا کہ سب کی تشفی ہوتی تھی۔ اور جو فیصلہ وہ کرتا تھا، وہ اسے من و عن تسلیم کرتے تھے۔ جب وہ ان سے نرم اور شائستہ انداز میں بات کرتا تھا تو وہ سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔ وہ خوش لگتا تھا۔ وہ نہ

تُو اونچی آواز میں بات کرتا تھا اور نہ ہی طیش میں آتا تھا۔ اس کی قناعت پسندی اور صبر و شکر کی عادت نے اسے یکتا بنا دیا تھا اور وہ تربیت یافتہ قاتلوں اور تباہ شدہ آدمیوں کے ناپاک گروہ میں اسی طرح چلتا تھا۔ ''گلیڈ ئیٹر جانور ہوتے ہیں''۔ باتیاتس اکثر کہا کرتا تھا۔ ''اگر کوئی انہیں انسان سمجھے تو وہ سارا پس منظر کھو دیتا ہے''۔

سیدھی حقیقت یہ تھی کہ سپارٹیکس جانور بننے سے انکار کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ خطرناک تصور کیا جاتا تھا۔ اور کیونکہ وہ خنجر زنی میں ماہر تھا، اور غلاموں میں ہر دلعزیز، اسی لئے باتیاتس نے اس کا مرجانا ہی بہتر سمجھا تھا۔

ناشتہ ختم ہو چکا تھا۔ چاروں آدمی روانہ ہو چکے تھے۔ انہیں آپس میں گفتگو کرنے، اور ایک دوسرے کو چھُونے کی اجازت نہ تھی، مگر گانیکس، سپارٹیکس کے پاس گیا، اسے گلے لگایا اور اس کا منہ چُوما۔ یہ ایک حیرت انگیز حرکت تھی اور اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی تھی، یعنی پورے تیس کوڑے مگر بہت کم غلاموں کو اس بات کا احساس تھا کہ گانیکس نے یہ حرکت کیوں کی۔

5

بعد میں باتیاتس اُس صبح کو یاد کرتا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ بعد میں رونما ہونے والے سارے واقعات اس وجہ سے پیش آئے کہ دورومن بانکے موت کی ایک پرائیویٹ لڑائی دیکھنے کے خواہشمند تھے۔ اس کے اکھاڑے میں تو ہر ہفتے دو یا تین جوڑے لڑتے تھے۔ پھر یہ لڑائی ان تمام لڑائیوں سے کچھ مختلف بھی نہ تھی۔ پھر اس نے روم شہر میں اپنے بنگلوں کے بارے میں سوچا۔ یہ بہترین عمارتیں تصور ہوتی تھیں۔ اس کا روبار میں اُتار چڑھاؤ زیادہ نہ تھا بلکہ آمدنی مسلسل بڑھتی جاتی تھی۔ اس آمدنی کو مزید بڑھایا جاسکتا تھا۔ مگر اس میں ایک خطرہ تھا۔ شروع میں باتیاتس نے دو بنگلے خریدے۔ ایک چار منزلہ اور دوسرا پانچ منزلہ۔ دونوں بنگلوں کی ہر منزل پر بارہ اپارٹمنٹ تھے اور ہر اپارٹمنٹ کا سالانہ کرایہ 900 سسٹرس تھا۔

جلد ہی اس نے دریافت کیا کہ زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے منزلیں بڑھانی پڑیں گی۔ تب اس نے پانچ منزلہ عمارت کو سات منزلہ بنا دیا۔ مگر جب چار منزلہ پر اگلی منزل تعمیر کرنے لگا تو ساری عمارت دھڑام سے زمین بوس ہوگئی۔ نہ صرف اس کو نقصان پہنچا بلکہ اس کے بیس کرایہ دار عمارت کے نیچے دب کر مر گئے اور اسے رشوت میں بہت بڑا سرمایہ خرچ کرنا پڑا۔ مگر اس کے باوجود اس کے گلیڈ ئیٹرز کی تعداد اور اہلیت میں بہتری پیدا ہوگئی تھی۔ باتیاتس کو معلوم تھا کہ اس کاروبار میں وہ دوسرے کئی لوگوں سے بہتر تھا۔

یہ سچ ہے کہ یہ ایک منحوس صبح تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ گانیکس کو کوڑے لگانے پڑے۔ گلیڈ ئیٹرز کو کوڑے مارنا اچھی بات نہ تھی، مگر اس کے سکول کا ڈسپلن تو دنیا میں مثالی ڈسپلن ہونا چاہئے تھا۔ اگر کوئی گلیڈ ئیٹر ڈسپلن کی معمولی خلاف ورزی بھی کرتا تو اسے ہر صورت میں سزا دینی پڑتی اور وہ بھی بے رحم اور وحشیانہ سزا۔ دوسری بات یہ تھی کہ گلیڈ ئیٹرز میں بے چینی تھی کہ ایک خنجر والے شخص کے مقابلے میں ایک ایسے شخص کو لایا گیا، جس کے پاس جال اور نیزہ تھا، تیسری بات تو لڑائی بذات خود تھی۔

باتیاتس اکھاڑے میں مہمانوں کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ خواہ ان مہمانوں کے بارے میں کچھ بھی سوچتا مگر پیسہ تو خود عزت لاتا ہے۔ جب کبھی اسے خرچ کرنے والے کسی لکھ پتی سے واسطہ پڑتا تھا تو اسے شدت سے احساس ہوتا تھا کہ وہ خود گندے گڑھے کے مینڈک کے مانند ہے۔

جس وقت وہ گلیوں میں غنڈہ گردی کرتا تھا تو وہ چار لاکھ سسٹرس جمع کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اس کی بدولت اُسے تمغہِ جرات مل سکتا تھا۔ مگر جب اس نے یہ تمغہ حاصل کیا تو پہلی بار اسے احساس ہوا کہ دولت بھی کیا شے ہے اور یہ کہ اپنی چالاکی سے خواہ جتنے زینے چڑھ سکا تھا، مگر بلندی کی یہ جست تو لامحدود ہے۔

اس کا اصول تھا کہ ''جہاں تکریم کرنی لازم ہو، وہاں تکریم کرو''۔ وہ اسی وجہ سے یہاں کائیس، براکس اور ان کے ساتھیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ شاید اسی وجہ ہی سے اسے اندازہ نہیں ہوا تھا کہ گانیکس کو تیس کوڑے لگ چکے تھے۔ وہ معزز مہمانوں کو جلو میں لئے اُن کے لئے تیار شدہ باکس تک گیا۔ یہ

باکس اتنی اُونچائی پر بنائی گئی تھی کہ سَر اٹھائے بغیر اکھاڑے کا ہر کونا صاف نظر آ جاتا۔ اس نے صوفے کے گدّے خود ہموار کئے تا کہ معزز مہمان آرام وسکون کے ساتھ لڑائی کا نظارہ کر سکیں۔ ان کے لئے ٹھنڈی یخ شراب، گوشت اور مسلم مرغ لائے گئے تا کہ بھوک یا پیاس اس لطیف نظارے میں حرج نہ ڈال سکیں، انہیں دُھوپ سے بچانے کے لئے ایک منقش قنات سایہ کئے ہوئے تھی اور دو گھریلو غلام پروں والے پنکھے جھلنے کے لئے موجود تھے۔ باتیاتس ان انتظامات پر فخر محسوس کر رہا تھا۔ لڑائی کی شروعات سے قبل بوریت دُور کرنے کے لئے دو موسیقار اور ایک رقاصہ حاضرِ خدمت تھے۔

انہوں نے نہ تو موسیقی کی طرف توجہ کی اور نہ رقص میں دلچسپی لی۔ بلکہ وہ ان چیزوں سے بلند اُمور کے متعلق سوچ رہے تھے۔ براکس کا شادی شدہ دوست کارنیلس بچگانہ اور بیہودہ طور پر کہہ رہا تھا کہ آج کل روم میں شائستہ زندگی گزارنے کے لئے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ باتیاتس بھی غور سے اس کی گفتگو سن رہا تھا کیونکہ وہ بھی یہی جاننا چاہتا تھا۔ یہ سن کر اس کا سر چکرایا کہ کارنیلس نے پانچ ہزار دینار خرچ کر کے پیسٹری بنانے کے لئے ایک ماہر غلام خریدا تھا۔

''انسان سؤر کی طرح تو نہیں رہ سکتا؟''۔ کارنیلس کہہ رہا تھا۔ ''اور نہ ہی اس طرح رہ سکتا ہے جس طرح کہ میرا باپ رہتا تھا۔ اگر کوئی معقول خوراک کھانا چاہے تو اسے کچھ چیزوں کی تو ضرورت ہوگی''۔

''میں نہیں جانتی کہ ان چیزوں کے بغیر کوئی کس طرح زندگی گزار سکتا ہے؟''۔ اس کی بیوی بولی۔ ''ایک عُمدہ اور تربیت یافتہ حجام (غلام) کے بغیر تو دیوتا بھی آپ کی شیو صحیح طور پر نہیں بنا سکیں گے، لیکن اگر میں ایک اضافی حجام یا مالشی چاہوں''۔

''اس کے لئے سو غلام بھی کافی نہ ہوں گے''۔ براکس نے نرمی سے کہا۔ ''ان کی تربیت کرنا ہی ایک مصیبت ہے۔ میرے پاس کپڑوں کے لئے ایک ملازم ہے۔ وہ قبرصی یونانی ہے۔ جو آپ کو ہو مر کے ارشادات تک سنا سکتا ہے۔ وہ نہ تو کپڑے دھوتا ہے اور نہ ہی کوئی اور کام کرتا ہے۔ میں اس سے صرف یہ کام لیتا ہوں کہ وہ میرے کپڑے ترتیب سے رکھے، چوغوں کے رکھنے کے لئے میرے پاس ایک الگ کمرہ ہے۔ میری خواہش صرف یہ ہوتی ہے کہ جس وقت مجھے ایک خاص چوغہ پہننا ہو تو

وہ اسی کمرے میں ہونا چاہیئے۔ کیا اس کام کے لئے بھی کسی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے؟ نہیں۔ سو جب میں کہتا ہوں کہ ریکسیڈس! مجھے میرا پیلا چوغہ دو تو وہ یہ کام بھی کر نہیں سکتا، اور اگر مَیں اُسے اس کی تربیت دینا چاہوں تو اس سے زیادہ وقت لگے گا، جتنی دیر میں کہ میں خود اپنا پیلا چوغہ نکال لوں''۔

''مگر آپ خود تو یہ کام نہیں کر سکتے ناں''۔ کائیس نے احتجاجاً کہا۔

''نہیں بالکل نہیں، دیکھو بچے! باتیاتس کیسی شراب پیش کرتا ہے''۔

''سسلپائن'' باتیاتس نے فخر سے بوتل اٹھا کر انہیں دکھائی۔

براکس نے شائستگی سے اپنی ناک صاف کی۔

''حالانکہ میں نے آپ کو صوفوں کا انتظام کرنے کو نہیں کہا تھا، مگر آپ کو از خود ان کے انتظام کا خیال کیسے آیا؟ کیا آپ کے پاس ''جوڈین، شراب ہے؟''۔

''یقیناً ہے، گلابی رنگ کی''۔ اس نے ایک غلام کی طرف غرّا کر فوراً ''جوڈین'' شراب لانے کو کہا۔

''اسے بتا دو''۔ کانیلس نے اپنی بیوی سے کہا، جو اس کے کان میں کھُسر پھُسر کر رہی تھی۔

''نہ.....'' براکس اس کی طرف جھُکا' اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چُوما۔

''پیاری! کیا چیز چاہیئے؟''۔

''میں تمہارے کان میں بتاؤں گی''۔

اس نے اس کے کان میں کچھ کہا اور براکس نے جواب دیا۔

''یقیناً' یقیناً''۔ اور پھر باتیاتس سے کہا۔

''لڑائی سے قبل یہودی کو یہاں بلواؤ''۔

عالی مرتبت لوگوں کی حرکات کے پیچھے پوشیدہ دوڑی کبھی باتیاتس کے ہاتھ نہ آئی۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی ڈوری موجود ہوتی ہے، مگر وہ اس کی تشریح نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سبب یا تسلسل کی ایسی زنجیر واضح نہیں کر سکتا تھا، جس پر چل کر اور اپنے رویوں کی منصوبہ بندی کر کے اپنی اوقات چھپا سکتا۔ جو بھی پارٹی لڑائی دیکھنے اس کا اکھاڑہ بک کراتی وہ مختلف رویوں کا اظہار کرتی تھی۔ اب بھلا کیسے اس

کی تشریح کی جاسکتی تھی۔

باتیاتس نے یہودی کو بلوایا۔

دو آدمی اُسے لائے۔ وہ اپنے لمبے اور کُھر درے پشمینہ چوغے میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کی سبز آنکھیں سرد پتھر کی مانند تھیں اور وہ ایک بت کی طرح ساکن اُن کے سامنے کھڑا تھا۔

عورت مصنوعی انداز میں مسکرائی۔ کائیس خوف زدہ تھا۔ ایک گلیڈیٹر اُس سے محض ایک گز ر دُور کھڑا تھا۔ ان کے درمیان کوئی دیوار، کوئی آہنی سلاخ نہ تھی۔ کائیس کو یہ یہودی ایک انسان نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی سبز آنکھیں، پتلا سا منہ، خوفناک ٹیڑھی ناک اور تراشا ہوا سَر ،سب کچھ دہشتناک تھا۔

''اسے کہو کہ اپنا چوغہ اُتار دے''۔ براکس نے کہا۔

''کپڑے اُتار دو''۔ باتیاس نے حیران ہو کر اسے حکم دیا۔

یہودی نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر اچانک اپنا چوغہ اُتار دیا۔ اب وہ اُن کے سامنے ننگ دھڑنگ کھڑا تھا۔ اس کا لحیم شحیم ساکن جسم پیتل کا بُت لگ رہا تھا۔ کائیس حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ کانیلس اکتایا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ مگر اس کی بیوی یہودی کو غور سے دیکھ رہی تھی، اس کا منہ قدرے کھلا ہوا تھا اور عجیب انداز میں سانس لے رہی تھی۔

''چوغہ پہن لو'' براکس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

یہودی نے اپنا چوغہ پہنا اور چلا گیا۔ دونوں آدمی اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ''پہلے اسے لڑوا دو''۔ براکس نے کہا۔

اُس وقت تک کوئی ایسا قانون موجود نہ تھا، جس کے مطابق تھریشین کو اکھاڑے میں خنجر سے لڑنے کی صورت میں لکڑی کی ایک ڈھال مہیا ہو سکے۔ یہ قانون بعد میں بنا بھی، مگر اس کی ہمیشہ خلاف ورزی کی جاتی تھی۔ کیونکہ ڈھال کی موجودگی سے خنجر کا پیدا کردہ ڈرامہ ٹوٹ جاتا تھا۔ اس

دَور سے چالیس برس قبل اکھاڑے میں جوڑوں کی لڑائی عام نہ تھی۔ اس وقت جوڑے ہتھیاروں سے لیس ہو کر لڑا کرتے تھے۔ جن میں ڈھال، تلوار وغیرہ شامل تھے۔ یہ لڑائی نہ تو اشتعال انگیز ہوتی تھی اور نہ ہی خون ریز۔ تلوار بازی ڈھال کی مدد سے کسی کو زخمی کئے بغیر گھنٹوں تک چلتی تھی۔ اکھاڑے کے مالک کی حیثیت اُس وقت بھی ایک دلال کی سی ہوتی تھی۔ وہ عموماً ایک غنڈہ ہوتا تھا، جو کچھ گھسے پٹے غلام خریدا کرتا تھا اور انہیں گلیڈیٹرز کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ وہ طوائفوں کا بھی کاروبار کیا کرتے تھے۔

دو ایجادات نے جوڑوں کی لڑائی میں انقلابی تبدیلی پیدا کر دی اور ایک اُکتا دینے والے تماشے کو روم میں دلچسپی کا مرکز بنا ڈالا۔ پہلی دریافت تو افریقہ میں روم کی تجارت اور فوجی مداخلت کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئی۔ یہ سیاہ فام اور لمبے تڑنگے نیگرو اب غلاموں کی منڈی میں باافراط دکھائی دینے لگے۔ ایک اکھاڑے کے مالک نے اس ضرب المثل پر عمل کیا کہ ''اسے مچھلی کا ایک جال اور سہ شاخہ تھما کر اکھاڑے میں تلوار اور ڈھال کے مقابلے میں بھیج دو''۔ روم والوں کو یہ خیال فوراً پسند آیا اور یہ کھیل عام ہو گیا۔ اس عمل کو دراصل دوسری ایجاد نے مکمل کیا۔ یہ تھریس اور جوڈیا میں مداخلت کے نتیجے میں دریافت ہوئی۔ جہاں سے پہاڑی کسانوں کی دو سخت جان نسلوں کا پتہ چلا جو میدان جنگ میں ایک چھوٹا سا چاقو استعمال کرتے تھے۔ اس طرح گلیڈیٹرز کی لڑائی میں زرہ اور خود کا استعمال ترک کر دیا گیا اور یُوں پُرانی اُکتا دینے والی لڑائی اب خنجروں کی چمک، گہرے ہیبت ناک زخموں، خون اور انتڑیاں نکال باہر کر دینے والی مہارت اور پھُرتی میں بدل گئی۔

براکس نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا۔

''اگر تھریس کے باشندوں کو ایک بار دیکھو گے تو پھر کسی دوسری چیز کو دیکھنے کی تمنا نہیں کرو گے۔ ان کے مقابلے میں دوسری چیزیں سُست، اکتا دینے والی اور بے معنی نظر آئیں گی۔ تھریشینز کا خوبصورت کھیل دنیا کا سب سے خوبصورت نظارہ ہوتا ہے''۔

اب جوڑوں کی لڑائی کا وقت آ گیا۔ رقاصہ اور موسیقار چلے گئے تھے۔ اکھاڑہ صاف اور خالی ہو گیا تھا۔ پوری جگہ پر ایک دَرد انگیز اور کپکپا دینے والی خاموشی چھائی ہوتی تھی اور چار رومن یعنی

ایک عورت اور تین اشرافیہ رنگین سائبان کے نیچے اپنی آرام دہ نشستوں پر آرام کرتے ہوئے گلابی جوڈین شراب کی چسکیاں لے رہے تھے اور کھیل کے شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

7

اکھاڑے کی طرف کھلنے والے ایک چھوٹے سے کمرے میں توقعات کی دنیائیں بسائے تینوں گلیڈیٹرز (دو تھریشین اور ایک سیاہ فام) بیٹھے یہودی کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ بغیر کسی مسرت و انبساط کے بنچ پر بیٹھے تھے۔ وہ موت کے سُپرد کئے جانے والے تھے۔ ان کے پاس نہ تو خوشی تھی، نہ محبت اور نہ وقار۔ بلکہ ان کے ساتھ تو صرف شرمساری تھی۔ جو خاموشی انہوں نے خود مسلط کی تھی بالآخر سیاہ فام نے یہ کہہ کر توڑ دی۔

''خدا کو جس سے محبت ہوتی ہے، اُسے بچپن میں ہی موت دے دیتا ہے''۔

''نہیں''۔ سپارٹیکس بولا۔

تب سیاہ فام نے اس سے پوچھا۔

''کیا آپ دیوتاؤں پر ایمان رکھتے ہیں؟''۔

''نہیں''۔

''کیا آپ اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم موت کے بعد دوسری زندگی پائیں گے؟''۔

''نہیں''۔

''تو پھر آپ کس چیز پر عقیدہ رکھتے ہیں؟''۔ سیاہ فام نے پوچھا۔

''میں تجھ پر اور اپنے آپ پر ایمان رکھتا ہوں''۔

''تم پر اور اپنے آپ پر!'' نوجوان تھریشین پولی مس نے کہا۔

''ہم تو باتیاتس کی قصاب والی میز پر رکھے ہوئے گوشت کی مانند ہیں''۔

''سپارٹیکس! آپ اور کس چیز پر عقیدہ رکھتے ہیں؟''۔ سیاہ فام نے پوچھا۔

''اور کس چیز پر.....؟ ایک شخص جب مَر رہا ہو تو وہ کیا خواب دیکھتا ہے؟''۔

''میں تمہیں وہ بات پھر بتاتا ہوں جو پہلے بھی بتا چکا ہوں''۔ سیاہ فام نے آہستگی سے کہا۔ اس

کی گہری اور غمگین آواز دل کی گہرائیوں سے نکل رہی تھی۔

''میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں بہت تنہا ہوں، اپنے اُس گھر سے بہت دُور ہوں، جہاں تلخیاں ہی تلخیاں ہیں۔ میں اب مزید زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ میرے رفیق! میں تمہیں نہیں ماروں گا''۔

''کیا ایسے مواقع ترس کھانے کے ہوتے ہیں.....؟''۔

''ایسے مواقع تھکاوٹ اور بیزاری کے ہیں۔ اور میں بہت تھک چکا ہوں''۔

''میرا باپ ایک غلام تھا''۔ سپارٹیکس نے کہا ''اور اس نے مجھے ایک ہی اچھی بات بتائی تھی۔ وہ یہ کہ غلام کے لئے اچھی چیز صرف ایک ہوتی ہے اور وہ ہے زندہ رہنا''۔

''ہم دونوں زندہ نہیں رہ سکتے''۔

''اور غلام پر زندگی کی مہربانی صرف یہ ہے کہ اُسے دوسرے لوگوں کی طرح اپنی موت کی گھڑی کا علم نہیں ہوتا''۔

گارڈوں نے اُن کی آوازیں سنیں تو انہوں نے کمرے کی دیواریں پیٹ کر گویا انہیں خاموش رہنے کا حکم دیا۔ یہودی واپس آ گیا تھا۔ وہ خاموش تھا۔ اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اس کا سر شرم اور افسوس سے جھکا ہوا تھا۔ ڈھول بجنا شروع ہو گئے۔ نوجوان تھریشین کھڑا ہو گیا۔ کشیدگی کی وجہ سے اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس نے اور یہودی نے اپنے چوغے اتار دیئے۔ دروازہ کھلا اور وہ دونوں ننگ دھڑنگ ساتھ ساتھ اکھاڑے کے اندر چلے گئے۔

سیاہ فام کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کی شادی تو موت سے کر دی گئی تھی۔ وُہ باون بار جال اور نیزہ لے کر لڑا تھا اور تب بھی زندہ بچ گیا تھا۔ اور اب اس کی وہ رگ دبا دی گئی تھی جس نے اسے زندگی بخش رکھی تھی۔ وہ سر ہاتھوں پر ٹکائے بیٹھا، اپنی یادوں میں گم تھا۔ مگر سپارٹیکس جست لگا کر دروازے تک پہنچا اور ایک شگاف میں سے اکھاڑے کی طرف جھانکنے لگا۔ وہ کسی کا طرفدار نہ تھا۔ تھریشین اس کی قوم سے تھا، مگر یہودی نے اس کے دِل پر ایک خاص نقش چھوڑ رکھا تھا۔ جب کوئی جوڑا موت تک لڑتا تھا تو اُن میں سے ایک کو تو مرنا ہی تھا۔ مگر زندگی کا اصل جوہر زندگی تھا۔ زندگی جسے بقا تھی۔

سپارٹیکس کا جوہر زندگی تھا، لوگوں کو اس میں یہی جوہر نظر آتا تھا۔ اور اب وہ شگاف میں سے آنکھیں لگائے اکھاڑے کے واقعات دیکھ رہا تھا۔

پہلے پہل اسے گلیڈیئٹرز کا جوڑا نظر آیا جو اکھاڑے کے وسط میں جاتے ہوئے چھوٹے ہوتے جا رہے تھے۔ غلاموں کا جوڑا اُن لوگوں کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ جنہوں نے ان کا گوشت خرید رکھا تھا، ان کا خُون خرید رکھا تھا۔ ان کے سائے اُن کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ان کے جسم سیاہ تھے اور تیل سے چمک رہے تھے۔ پھر وہ ایک دوسرے سے دس دس قدم دور ہو گئے اور چُست آنکھوں سے ایک دوسرے کو کھڑے دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں کے درمیان ریت اور سُورج کی شعاعیں تھیں۔ سپارٹیکس باکس کو بھی دیکھ رہا تھا، جہاں رومن بیٹھے تھے۔ وہ گلابی، زرد اور گہرے سُرخ رنگوں کا وسیع اور عظیم الشان پویلین تھا، جہاں منقش اور دھاری دار قناطیں تھیں اور جہاں کئی غلام، پروں والے پنکھے آہستگی سے جھل رہے تھے۔ وہاں وہ لوگ تشریف فرما تھے، جنہوں نے موت اور زندگی خرید رکھی تھی۔ وہ جو اگرچہ چند تھے مگر انتہائی طاقتور تھے۔ سپارٹیکس یہ سب سوچ رہا تھا۔

اب تربیت دینے والا اکھاڑے میں داخل ہو گیا۔ اُس نے پالش کی ہوئی ایک لکڑی کی ٹرے اٹھا رکھی تھی جس پر دو چاقو رکھے ہوئے تھے۔ اُس نے نشانی کے طور پر یہ چاقو اُن لوگوں کو پیش کئے جنہوں نے اس کھیل کی قیمت ادا کی تھی۔ جب اُس نے ٹرے انہیں پیش کرنے کے لئے جھکا دی تو چاقوؤں کے پالش شدہ آہنی دھاروں سے سُورج کی کرنیں منعکس ہو کر چمکیں، بارہ اِنچ چمکدار فولاد، تلوار کی طرح تیز اور خوبصورتی سے تیار کردہ۔ ان کے دستے کالے اخروٹ سے بنے ہوئے تھے۔ چاقو ذرا سا خمدار تھا۔ اور اس قدر تیز کہ چھوتے ہی جلد کو چیر دے۔

براکس نے اجازت کے انداز میں سَر ہلا دیا اور سپارٹیکس کو بے انتہا نفرت ہوئی، جیسے کہ خود اس نے ایک چاقو کو چھو لیا ہو۔ وہ سرتاپَیر نفرت بن گیا مگر اس نے خود پر قابو پا لیا اور تحمل سے گلیڈیئٹرز کو اپنا اپنا چاقو اٹھاتے دیکھا۔ گلیڈیئٹر ایک دوسرے سے جُدا ہوئے اور شگاف میں سے غائب ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی سپارٹیکس کو معلوم تھا کہ ان کی حرکات کیا ہو سکتی ہیں۔ اسے گلیڈیئٹرز کی ہر حرکت کے بارے میں معلوم تھا۔ وہ ایک دوسرے کو مجرمانہ پُھرتی اور خوف بھرے چوکنا پن سے تک رہے تھے

۔ وہ دونوں دیئے گئے اپنے بیس بیس قدم کے فاصلے کو ناپ رہے تھے۔ اب وہ جھکے اور اپنے ہاتھوں اور چاقوؤں کے دستوں پر ریت مل رہے تھے۔ اب وہ ہوشیار ہو کر لڑائی کے لئے پوزیشن بنا چکے تھے، ان کا ہر ہر انگ سپرنگ کی طرح لرز رہا تھا اور دل مشین کی طرح دھک دھک کر رہے تھے۔

تربیت کنندہ نے سیٹی بجا دی اور دونوں گلیڈیئٹر شگاف میں سے سپارٹیکس کو پھر نظر آنے لگے۔ ننگ دھڑنگ، ہوشیار۔ ہر ایک نے چاقو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ وہ اب انسان نہیں رہے تھے بلکہ دو وحشی درندے بن گئے تھے۔ وہ جانوروں کی طرح چکر کاٹنے لگے۔ گرم ریت پر بے ڈھنگے پَیروں سے چھوٹے چھوٹے قدم رکھ رہے تھے۔ پھر وُہ جڑ گئے اور ایک جھٹکے دار حرکت کے ساتھ جُدا ہو گئے۔ رومن تالیاں بجا رہے تھے اور یہودی کے سینے پر سُرخ دھاگے کی مانند خون کی ایک لکیر بہہ رہی تھی۔

مگر معلوم ہو رہا تھا کہ ایک دوسرے کو پہنچائے گئے زخموں کا احساس دونوں کو نہ تھا۔ ایک دوسرے پر اُن کی توجہ اس قدر زیادہ، اس قدر بھرپُور اور اس قدر متجسس تھی جیسے ساری دُنیا ان کے جادو کے قبضے میں ہو۔ وقت کی گھڑی جیسے رُک گئی تھی، جیسے ساری زندگی اور سارا تجربہ ایک دوسرے پر توجہ کرنے میں صرف ہو رہا ہو۔ اور جس یکسوئی اور چوکنے پن سے وہ ایک دوسرے پر نگاہ ڈالے ہوئے تھے۔ وہ قدرے بے چین کرنے والا عمل بن گیا تھا اور تب ایک بار پھر وہ ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ ایسے لگتا تھا جیسے بہ یک وقت انہوں نے اس کا مشترکہ فیصلہ کیا ہو۔ اور پھر وہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر مضبوطی سے رکھے، وہ باہم پیوست کھڑے تھے۔ ایک دوسرے سے بندھے ہوئے، جسم سے جسم ملائے۔ چہرے سے چہرہ ملائے، مضبوط کلائیاں جکڑنے، چیرنے پھاڑنے اور قتل کرنے کی خاموش خواہش کی تکمیل کر رہی تھیں۔ ان کے قدموں کی حرکت رُک گئی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے لئے سراپا نفرت بنے صرف ایک مقصد کی تکمیل کر رہے تھے۔ مقصد موت۔ کہ انہیں معلوم تھا کہ قتل ہی سے ان میں سے ایک زندہ رہ سکتا تھا۔ ایک دوسرے سے پیوست، اُن کے پٹھے سخت ہو گئے تھے، زور آزمائی کا جادو چل رہا تھا۔ دونوں ایک بن گئے تھے۔ ایک ہی وجود جو خود اندر سے کٹ رہا تھا۔

جب تک خون و گوشت نے ساتھ دیا، وہ زور آزمائی کرتے رہے ۔تب یہ ساتھ ٹوٹ گیا اور وہ ایک دوسرے سے جُدا ہوئے ، اور اس بار تھریشین کے بازو میں خُون کی سُرخی نظر آ رہی تھی ۔ایک دوسرے سے دس قدم کے فاصلے پر ہر ایک کھڑا کانپ رہا تھا، نفرت سے بھرا، کپکپاتا ہوا۔ ہر ایک خون، پسینے اور تیل میں غرق ہانپ رہا تھا اور بہتا ہوا خُون ریت کو سُرخی بخش رہا تھا۔

تب تھریشین نے جست لگا دی۔ چاقو تانے وہ یہودی پر جھپٹا۔ یہودی ایک گھٹنے پر جھکا، چاقو کے وار سے خود کو بچا لیا اور تھریشین کو ہوا میں دھکیل دیا۔تھریشین زمین پر گرا ہی تھا کہ یہودی اس کے عین سر پر آن پہنچا۔ یہ کھیل کا خوفناک ترین اور دلچسپ ترین لمحہ تھا۔موت تھریشین کو کاٹ کھا رہی تھی ۔اس نے پہلو بدلا ،سُکڑ گیا، جھٹکا کھایا، اپنے ننگے پاؤں کو دہشت ناک چاقو کی زد میں دے کر جسم بچانے کی کوشش کی مگر یہودی اس پر قبضہ پا چکا تھا۔ وہ وار پہ وار کئے جا رہا تھا، چیر رہا تھا، کاٹ رہا تھا اور نوجوان تھریشین ہیجان انگیز انداز میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ وہ اب ہلاکت آفریں وار کرنے کے قابل نہ تھا۔

تھریشین کھڑا ہو گیا۔اس کے جسم کا کٹا ہوا گوشت اور بہتا ہوا خون آس پاس پھیل گیا تھا۔ وہ کھڑا تو تھا مگر زندگی اور قوت اس سے رخصت ہوتی جا رہی تھی۔

وہ ایک ہاتھ میں چاقو تھامے، دوسرے بازو کی مدد سے توازن برقرار رکھتے ہوئے آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ وہ یہودی کو قتل کرنے کی خواہش میں ہوا میں حملے کئے جا رہا تھا۔مگر یہودی اس سے دور کھڑا تھا اور دوبارہ حملہ کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا اور حقیقت بھی یہ تھی کہ اب حملہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔اس لئے کہ تھریشین زخموں سے چُور چُور ہو چکا تھا۔اس کی ران کی رَگ کٹ گئی تھی، چہرہ آدھو آدھ ہو گیا تھا، اس کے ہاتھوں، جسم اور ٹانگوں پر زخم ہی زخم تھے اور بہتا ہوا خون اس کی زندگی نچوڑ کر اس کے پیروں کے نیچے ریت کو سیراب کر رہا تھا۔

مگر زندگی اور موت کے خوفناک کھیل کا سنسنی خیز منظر ابھی ختم نہ ہوا تھا۔رومن بے خودی سے جاگ گئے اور انہوں نے یہودی پر تحکم انگیز اور طلب ناک انداز میں چیخنا شروع کر دیا۔

''حملہ کرو، حملہ کرو''۔

مگر یہودی نہیں ہلا۔اس کا سارا بدن سینے کے زخم کے بہتے ہوئے خون سے لال لال ہو گیا تھا۔اچانک اس نے اپنا چاقو ریت پر گاڑ دیا۔اور خود سَر جھکائے کھڑا رہا۔

بالآخر تھریشین لڑکھڑا گیا۔اس کا چاقو گر پڑا اور وہ بہت تیزی سے موت کی وادی کی طرف رواں تھا۔ رومن غرّا رہے تھے اور ایک تربیت دینے والا شخص دو سپاہیوں کے ساتھ کوڑا لہراتا ہوا تیزی سے آ رہا تھا۔

''ذلیل۔لڑتے کیوں نہیں؟''۔تربیت کنندہ چیخا اور کوڑا یہودی کی پشت اور پیٹ پر پڑا۔

''لڑو!'' کوڑا بار بار اس کے بدن پر تڑاخ سے لگ رہا تھا مگر اس نے کوئی جنبش نہ کی۔اور پھر تھریشین زمین پر منہ کے بل گر پڑا اور ہانپتے ہوئے درد کے مارے چلّانے لگا۔ پہلے پہل اس کی چیخیں مدھم تھیں مگر پھر وہ زور زور سے چیخنے لگا۔درد کے مارے اس کا بدن بل کھا رہا تھا۔پھر دَرد کی چیخیں رُک گئیں اور وہ خاموش ہو گیا۔تربیت کنندہ نے یہودی پر کوڑے برسانے بند کر دیئے۔

سیاہ فام بھی سپارٹیکس کے ساتھ شگاف کے قریب آیا۔ وہ دونوں بغیر کچھ کہے اکھاڑے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سپاہی تھریشین کے پاس پہنچے اور اسے نیزہ چبھو کر دیکھنے لگے۔اس نے معمولی سی حرکت کی۔ ایک سپاہی نے اپنی کمر سے اٹکا ہوا ہتھوڑا نکالا۔دوسرے سپاہی نے اپنا نیزہ تھریشین کے نیچے ڈال کر اس کا پہلو بدلا۔ پھر پہلے والے سپاہی نے اپنے ہتھوڑے سے اُس کی کنپٹی پر ایک زوردار وار کیا۔ ہتھوڑے نے اس کا بھیجا نکال کر رکھ دیا۔اس کے بعد سپاہی نے اپنا مغز آلود ہتھوڑا دکھاتے ہوئے تماش بینوں کو سلیوٹ کیا۔اس دوران ایک دوسرا تربیت کنندہ ایک گدھے کے ساتھ اکھاڑے میں آیا۔گدھے کو ایک خوشنما لباس پہنایا ہوا تھا اور اس سے ایک زنجیر لٹک رہی تھی۔ زنجیر کو مضبوطی کے ساتھ تھریشین کے پاؤں سے باندھا گیا اور سپاہیوں نے گدھے کو اپنے نیزوں سے مارنا شروع کر دیا۔حتیٰ کہ گدھے نے اکھاڑے کے گرد تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔لاش اس کے پیچھے پیچھے گھِسٹ رہی تھی اور مغز کے ٹکڑے گرتے جا رہے تھے۔ رومن اس منظر پر تالیاں بجانے لگے اور عورت مسرور ہو کر اپنا رنگین رومال لہرانے لگی۔

اس کے بعد خون آلود ریت کو الٹ پلٹ دیا گیا اور ہموار کیا گیا تا کہ نئے جوڑے کی لڑائی سے پہلے موسیقار اور ناچنے والی لڑکی کے لئے جگہ برابر ہو۔

8

باتیاتس اپنے گاہکوں کے باکس کی طرف تیزی سے آیا تا کہ ان سے معافی مانگے اور تشریح کر سکے کہ جبکہ انہوں نے اپنا پیسہ خرچ کیا تھا تو یہودی تھریشین کو کاٹ کاٹ کر قتل کرنے میں کیوں ناکام رہا اور اس نے اس کی ایک ایک رگ کیوں نہ کاٹی اور خون اچھی طرح بہایا کیوں نہیں۔ مگر ماریوس براکس نے ایک ہاتھ میں شراب کا چھلکتا ہوا جام تھامے دوسرے ہاتھ سے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''ایک لفظ بھی نہ کہو۔ لڑائی دلکش تھی، بھرپور تھی''۔

''پھر بھی میری روایت ہے''۔

''جہنم میں جائے تمہاری روایت۔ مگر ٹھہرو۔ یہودی کو یہاں لاؤ۔ اسے کوئی اور سزا نہ دو۔ جب ایک شخص اچھی طرح لڑے تو اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔ اسے یہاں لاؤ''۔

''یہاں؟''۔ اصل میں بات یہ ہے.....'' باتیاتس کہنے لگا۔

''ہاں ہاں۔ اسے یہاں لاؤ۔ اسے صاف نہ کرو۔ اسے اسی طرح لاؤ، جس حالت میں وہ ہے''۔

باتیاتس حکم کی تعلیم کرنے چلا گیا۔ براکس ماہرانہ انداز میں اس لڑائی کی خوبیاں اور لڑنے والوں کی مہارت کے بارے میں بتا رہا تھا۔

''اگر کسی کو سو جوڑوں کی لڑائی میں ایک بھی ایسی لڑائی دیکھنے کو ملے تو وہ خوش نصیب ہوگا۔ ایک لمحے کی شادمانی ایک گھنٹے کی تھکا دینے والی بوریت سے بہتر ہے۔ یہ ہوتی ہے لڑائی۔ ایک ہی جست میں موت۔ اور پھر ایک گلیڈیئٹر کس خوبصورتی سے مرتا ہے! صورتِ حال پر غور کیجئے۔ تھریشین یہودی کو ناپ تول کر معلوم کرتا ہے کہ اُس کی ہار یقینی ہے.....''۔

''مگر پہلا زخم تو اُس نے لگایا تھا''۔ مہمان بول پڑا۔

''اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ لگتا ہے کہ وہ پہلے نہیں لڑے تھے۔ اگر وہ پہلے کبھی لڑے ہوتے تو آج وہ دیر تک ایک دوسرے کو جانچتے، مہارت اور تحمل سے لڑتے۔ مگر جب وہ باہم گتھم گتھا ہو گئے تو یہودی نے تھریشین کا بازو کاٹتے ہوئے خود کو الگ کر دیا۔ اگر یہ بائیں کی بجائے دایاں بازو ہوتا تو لڑائی وہیں ختم ہو جاتی مگر پھر بھی تھریشین کو اندازہ ہو گیا کہ وہ ہار گیا۔ تب اس نے اچانک وار کرنے کا داؤ استعمال کیا۔ دس میں سے نو گلیڈیئٹر دوبارہ گتھم گتھا ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جُھک کر ایسے وار سے خود کو بچانے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اسی لئے تو میں نے یہودی کو یہاں بلوایا ہے۔ میں آپ کو دکھاتا ہوں''۔

وہ باتیں کر رہا تھا کہ یہودی کو لایا گیا۔ وہ ابھی تک ننگا تھا اور اس سے خون اور پسینے کی بُو آ رہی تھی۔ ایک جنگلی، بدنما انسان کی تصویر بنا وہ ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور پٹھے ابھی تک کپکپا رہے تھے۔

''جھک جاؤ''۔ براکس نے اسے حکم دیا۔

یہودی نہیں ہلا۔

''جُھکو'' باتیاتس چیخا۔

دو تربیت دینے والوں نے اسے رومنوں کے سامنے جھکا دیا۔ اور براکس نے اس کی پشت کی جانب دیکھتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا۔

''یہاں دیکھئے۔ دیکھئے اس طرح جلد کٹی ہوئی ہے، جیسے کسی خاتون کے ناخن سے اسے خراش آئی ہو۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں تھریشین کا چاقو لگا تھا جب اس نے جست لگائی تھی اور اچانک وار کیا تھا۔ باتیاتس اسے جانے دو۔ اسے مزید کوڑے نہ مارو۔ اسے زندہ رہنے دو اور اس کے زندہ رہنے سے تمہاری قسمت جاگے گی۔ میں خود اسے عزت بخشتا ہوں۔ گلیڈیئٹر! جامِ صحت تمہارے لئے!''۔ براکس بولا۔

مگر یہودی خاموش کھڑا تھا، اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

9

''پتھر روتے ہیں!'' سیاہ فام نے کہا۔''اور جس ریت پر ہم چلتے ہیں وہ ریت ماتمی گریہ کرتی ہے، مگر ہم نہیں روتے''۔

''ہم گلیڈیئٹر ہیں''۔ سپارٹیکس نے جواب دیا۔

''کیا تمہارا دِل پتھر کا بنا ہوا ہے؟''۔

''میں ایک غلام ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یا تو غلام کا دِل پتھر کا ہونا چاہئیے یا پھر ہونا ہی نہیں چاہئیے۔ تمہارے پاس یاد کرنے کو سہانی یادیں ہیں، مگر میں ایک کرّ وہوں اور میرے پاس ایسی کوئی یاد نہیں جسے خوبصورت کہا جا سکے''۔

''کیا یہی سبب ہے کہ یہ منظر بھی تمہیں ہلا نہ سکا؟''۔

''یہ منظر مجھے کیا ہلا پائے گا؟''۔ سپارٹیکس نے سرد مہری سے جواب دیا۔

''میں تمہیں نہیں جان سکا سپارٹیکس! تم گورے ہو اور میں سیاہ فام۔ ہم مختلف ہیں۔ میرے وطن میں جب کسی کا دِل یاس اور محرومی سے بھر جائے تو وہ روتا ہے۔ مگر تم تھریشیز کے آنسو تو جیسے سوکھ گئے ہوں۔ میری طرف دیکھو۔ تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟''۔

''میں ایک مرد کو روتا ہوا دیکھ رہا ہوں''۔ سپارٹیکس نے کہا۔

''تو کیا اِس وجہ سے میں کم تر مرد بن رہا ہوں؟ میں تمہیں بتاتا ہوں سپارٹیکس! مَیں تم سے نہیں لڑوں گا۔ ان پر پھٹکار ہو، لعنت ہو، ابد تک لعنت۔ مَیں تم سے نہیں لڑوں گا۔ مَیں تمہیں بتائے دیتا ہوں''۔

''اگر ہم نہیں لڑیں گے تو دونوں مارے جائیں گے''۔ سپارٹیکس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''تو پھر تم مجھے قتل کر دو میرے دوست۔ میں زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ مَیں زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں''۔

''خاموش رہو''۔ سپاہیوں نے کمرے کی دیوار بجا کر حکم دیا مگر سیاہ فام مڑا اور اس نے دیوار پر اِس زور کا مُکّا مارا کہ سارا کمرہ ہل کر رہ گیا۔ پھر وہ فوراً رُکا اور چہرہ ہاتھوں میں لئے بنچ پر بیٹھ گیا۔

سپارٹیکس چل کر اُس کے پاس آیا، اس کا سَر اُوپر اٹھایا اور اس کی پیشانی پر سے پسینے کے ننھے قطرے صاف کئے۔

''گلیڈیئٹر! کسی گلیڈیئٹر کو دوست نہ بنا''۔

''سپارٹیکس! انسان پیدا کیوں ہوا؟''۔

''زندہ رہنے کے لئے''۔

''کیا یہ جواب مکمل ہے؟''۔

''مکمل جواب!''۔

''میں تمہارے جواب کو نہیں سمجھتا، تھریشین!''۔

''کیوں؟ میرے دوست؟''۔ سپارٹیکس نے التجا کے انداز میں پوچھا۔''ایک بچہ بھی میرا جواب سمجھ سکتا ہے۔ یہ بہت سادہ سی بات ہے''۔

''یہ جواب میرے لئے نہیں ہے''۔ سیاہ فام نے کہا''اور میرا دل اِن لوگوں کے لئے دُکھ رہا ہے جو مجھ سے پیار کرتے تھے''۔

''کئی دوسرے بھی تم سے پیار کریں گے''۔

''مزید نہیں''۔ سیاہ فام نے کہا۔''مزید کوئی نہیں''۔

10

بعد کے برسوں میں کائیس کو کاپوا کے اس دن والے دو جوڑوں کے متعلق واضح طور پر یاد نہیں رہا۔ اس کی زندگی جوش و خروش سے بھرپُور تھی۔ وہ جوش و خروش جو کہ خرید لیا جاتا تھا اور جس کے دام چکا دیئے جاتے تھے۔ اور سپارٹیکس تو محض ایک تھریشین نام تھا۔ رومنوں کے نزدیک سارے تھریشین نام ایک جیسے تھے مثلاً گانیکس، سپارٹیکس، مینیکس، فلوریکس، لی کس وغیرہ۔ کائیس قصہ سناتے ہوئے یہ بھی کہہ دیتا تھا کہ یہودی بھی ایک تھریشین تھا اس لئے کہ اکھاڑے کا ہنر عام ہوتا جا رہا تھا۔ اور اکھاڑے کی لت میں پڑے ہوئے لوگوں کے نزدیک لفظ''تھریشین'' کے دو مطلب تھے۔ ایک

طرف ان سوقبیلوں میں سے کسی بھی ایک قبیلے کو تھریشین کہا جاتا تھا جو بحیرۂ بلقان کے جنوبی علاقے میں آباد تھے۔ رومن تو اس اصطلاح کا اس قدر وسیع استعمال کرتے تھے کہ وہ BLACK SEA کی جانب ڈھلوانوں کے اُس پار بلقان کے جنوب کی طرف کے کسی بھی وحشی قوم کے لوگوں کو تھریشین کہتے تھے۔

میسی ڈونیا کے قریب لوگ یونانی زبان بولتے تھے۔ مگر یونانی زبان کسی بھی طور سے تھریشین کہلائے جانے والے لوگوں کی زبان نہ تھی۔ حتیٰ کہ خمدار چاقو بھی ان تمام قبائل کا مشترکہ ہتھیار نہ تھا۔

دوسری طرف شہرِ روم کے اکھاڑے کی زبان میں تھریشین، وہ شخص ہوتا تھا جو خمدار چاقو سے لڑتا ہو۔ چنانچہ یہودی بھی ایک تھریشین تھا۔ کائیس کو نہ تو یہ معلوم تھا اور نہ اسے یہ معلوم کرنے کی پرواہ تھی کہ وہ یہودی تو جوڈیا کے پہاڑوں سے وحشی اور اکھڑ کسانوں کے ساتھ آیا تھا جو پہلی زرعی جنگ کے زمانے سے غاصبوں کے خلاف مستقلاً بغاوت کر رہے تھے۔ کائیس کو جوڈیا کے بارے میں بہت کم معلومات تھیں۔ یہودی بھی ایک تھریشین تھا۔ اس نے ایک جوڑے کی لڑائی دیکھی تھی اور دوسرا جوڑا لڑنے کے لئے آنے والا تھا۔ دوسرا جوڑا بہت غیر معمولی تھا، اسے سیاہ فام کی سرگزشت تو یاد تھی، مگر وہ اس کے مدِ مقابل کے بارے میں بھول چکا تھا۔ اسے اکھاڑے میں اس جوڑے کے داخل ہونے کا منظر بہر حال یاد تھا۔ وہ دونوں اپنے سایہ دار پنجرے سے نکل کر جھلسا دینے والی دھوپ میں آ گئے۔ پرندے محوِ پرواز تھے۔ خونی پرندے، زرد دھبّوں والے خوشنما چھوٹے پرندے، جو وحشیوں کی طرح ریت چگتے تھے۔ ریت کی طرح ان پر بھی زرد رنگ کے دھبّے تھے اور جب وہ اڑتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ریت کے مرغولے ہوا میں اڑ رہے ہوں۔ دونوں آدمی مقررہ مقام پر آ کر رُک گئے۔

یہاں پر انہیں ان لوگوں کو سلامی دینا تھی، جنہوں نے ان کے گوشت و خون خرید لئے تھے۔ یہی وہ ساعت ہے جہاں زندگی بے قیمت ہو کر رہ جاتی ہے۔ جہاں وقار اور شرم زندگانی کے معانی بدل دیتے ہیں۔ یہی ساعت پہنچ چکی تھی جب مالک خود کو انسانی لہو سے لطف اندوز کرتا ہے۔

کائیس کو یاد تھا کہ افریقہ کے تنومند سیاہ فام کے مقابلے میں تھریشین کس قدر چھوٹا لگ رہا تھا۔

مگر اسے براکس کے الفاظ یاد نہ تھے۔ براکس کے الفاظ چھوٹے اور نامعقول تھے۔ ایسے لوگوں کے حقیر خیالات سبب نہیں ہوتے وہ محض سبب نظر آتے ہیں حتیٰ کہ سپارٹیکس بھی سبب نہ تھا بلکہ اُن سب باتوں کا نتیجہ تھا جو کائیس کی نظر میں غیر معمولی نہ تھیں اور جس خیال نے براکس کو اپنے خالی الذہن اور حقیر یار کی دلجوئی کے لئے اذیت و موت کے منصوبے بنانے پر مجبور کیا۔ اس خیال نے بھی کائیس کو پریشان نہ کیا۔ یہ تو اس کے لئے متنوع اور جوش و خروش کی چیز تھی۔

جوڑے نے سلامی پیش کی۔ رومن، شراب کی چسکیاں لیتے رہے اور مٹھائی چوستے رہے۔ پھر ایک شخص ہتھیار تھامے ان کے پاس آیا۔ سپارٹیکس کے لئے چاقو اور سیاہ فام کے لئے لمبا، بھارا سہ شاخہ اور جال۔ دونوں گلیڈیئٹروں کو شرم اور اپنی بے عزتی کا شعور نہ تھا۔ ساری دُنیا کو اس لئے غلام بنا دیا گیا تھا تا کہ رومن یہاں بیٹھ کر مٹھائی چوس سکیں اور اپنے باکس کے سائے میں آرام سے بیٹھ کر شراب کی چسکیاں لے سکیں۔

گلیڈیئٹروں نے ہتھیار سنبھال لئے اور پھر کائیس نے دیکھا کہ سیاہ فام پاگل ہو گیا۔ وہ اسے پاگل پن ہی کہہ سکتا تھا۔ نہ اس نے، نہ براکس نے اور نہ ہی لوشیس نے سیاہ فام کے وطن کا سفر کیا تھا۔ اگر وہ وہاں کا سفر کر لیتے، تو انہیں اس بات کا پہلے ہی اندازہ ہو جاتا کہ سیاہ فام پر یقیناً جنون سوار ہوگا۔ انہوں نے نہ تو دریا کے کنارے بنا ہوا اس کا گھر دیکھا تھا۔ نہ وہ بچے دیکھے تھے جنہیں اس کی بیوی نے جنا تھا۔ اور نہ ہی وہ زمینیں دیکھی تھیں جنہیں وہ کاشت کرتا تھا اور نہ ہی ان زمینوں پر کھیت اور فصلیں دیکھی تھیں۔

الغرض انہوں نے سیاہ فام کو پاگل ہوتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس نے جال ایک طرف پھینک دیا اور ایک رزمیہ وحشی چیخ ماری اور پھر انہوں نے اسے اپنے باکس کی طرف جست لگاتے دیکھا۔ ایک تربیت دینے والے نے اسے اپنی ننگی تلوار سے روکنے کی کوشش کی مگر پھر وہ تربیت دینے والا شکار شدہ مچھلی کی طرح اس کے سہ شاخہ نیزے پر نظر آیا اور پھر مچھلی ہی کی طرح ہوا میں کلا بازیاں کھاتا ہوا کراہنے اور چیخنے لگا۔ اب دیوہیکل سیاہ فام کی راہ میں چھ فٹ اُونچا جنگلا تھا، مگر اس نے اُسے اس طرح اکھاڑ پھینکا جیسے وہ کاغذ کا بنا ہوا ہو۔ وہ مکمل وحشت بن چکا تھا اور قوت نے اسے

ایک گولی کی مانند بنا دیا تھا جو اس باکس کی جانب تیزی سے رواں تھا، جہاں رومن بیٹھے تھے۔

مگر اب اکھاڑے کے اطراف سے سپاہی دوڑ پڑے تھے۔ ایک سپاہی نے ریت پر ٹانگیں پھیلائیں، خود کو سیکٹرا' اور تیر ہوا میں اچھال دیا۔ فولادی انّی والا لکڑی کا تیر، جسے دُنیا کی کوئی طاقت روک نہ سکتی تھی اور جس نے کئی قوموں کا صفایا کر دیا تھا۔ مگر یہ تیر بھی سیاہ فام کا صفایا نہ کر سکا۔ تیر اس کی پشت پر آ لگا اور سینے کے پار ہو گیا۔ مگر سیاہ فام کو پھر بھی روکا نہ جا سکا۔ وہ لکڑی کے اس ہیبت ناک کھمبے کو جسم پر لٹکائے رومنوں کی طرف ڈگ بھر رہا تھا۔ ایک دوسرا تیر اس کے پہلو میں سے پار ہو گیا۔ مگر وہ پھر بھی آگے بڑھتا گیا۔ ایک تیسرا تیر اس کی پشت پر لگا اور چوتھا اس کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ اب بالآخر وہ ختم ہو گیا۔ پھر بھی ہوا میں بلند کیا ہوا اس کا سہ شاخہ باکس کی حفاظتی سلاخوں کو چھو رہا تھا، جہاں رومن خوف سے دُبکے بیٹھے تھے اور یہیں وہ گر پڑا۔ خُون کی دھاریں اس کے بدن سے جاری تھیں۔ وہ وہیں مر گیا۔

مگر خیال رہے کہ ان سارے واقعات کے دوران سپارٹیکس نے حرکت نہ کی۔ اگر وہ حرکت کرتا تو مر چکا ہوتا۔ اس نے اپنا چاقو ریت پر گھونپ دیا اور ہلے بغیر کھڑا رہا۔

زندگی زندگی کا جواب ہوتی ہے۔

باب چہارم

1

اور اب سلاریا محل میں رات گزارنے اور مہمان نوازی کا لطف اُٹھانے کے لئے رومن اشرافیہ کی چند خواتین و حضرات آئے ہیں، تو ان کی محفل میں سپارٹیکس اور اس کی سرکردگی میں اُٹھنے والی عظیم بغاوت کا ذکر آنا یقینی ہے۔ وہ سب کے سب اپئین شاہراہ سے یہاں پہنچے تھے۔ باقی سب لوگ تو روم سے یہاں آئے تھے مگر سائیسیرو سسلی سے روم جاتے ہوئے یہاں رُک گیا تھا۔ سسلی میں وہ حکومت کا ایک اعلیٰ عہدے دار تھا۔ سارے راستے میں سزا یافتہ لاشیں لٹکی ہوئی تھیں۔ لاشیں ایک ایسی علامت تھیں جو ساری دُنیا کو بتا رہی تھیں کہ روم کا قانون بے رحم بھی ہے اور مبنی بر انصاف بھی۔

بے حس ترین شخص بھی شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے غلاموں اور آزاد انسانوں کے مابین خوفناک جنگوں کے سلسلے میں بارے میں سوچے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔ ان جنگوں نے نہ صرف ری پبلک کو بلکہ اُس پورے کرۂ ارض کو ہلا کر رکھ دیا تھا جس پر ری پبلک کی حکمرانی تھی۔ سلاریا محل کے باغات میں کوئی ایسا غلام نہ تھا، جو صلیبوں پر لٹکے ہوئے اپنی نسل کے بے شمار آدمیوں کے تصور کے ہاتھوں بے چین نہ ہو۔ چھ ہزار انسانوں کی موت نے المناک فضا قائم کر دی تھی، چھ ہزار انسان، آہستہ آہستہ بہیمانہ طور پر ہلاک ہوئے۔ موت کا یہ غم پُورے ملک میں سرایت کر گیا تھا۔ جس کی توقع بھی تھی۔ یہ بات بھی متوقع تھی کہ سائیسیرو جیسا سمجھدار نوجوان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

سائیسیرو سے متعلق یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ انتونیس کائیس جیسے آدمی نے بھی اسے تعظیم و آداب پیش کئے۔

نہ تو نسل، خاندانی اہمیت اور نہ ہی شخصی وجاہت سائیسیرو کی اہمیت کی وجوہات تھیں۔ گو وہ عقلمند تھا مگر دوسرے بھی تو عقلمند تھے۔ اس میں خاص بات یہ تھی کہ وہ ان نوجوانوں میں سے ایک تھا، جو ہر

قسم کی شرم، اصول، اخلاقیات، ضمیر کو سکون پہنچانے کی ہر خواہش اور رحم یا انصاف کی ہر اُس آرزو کو اتار پھینک سکتا تھا، جو کامیابی کی راہ میں رکاوٹ ڈالتی ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے انصاف، اخلاقیات یا رحم سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُسے ان باتوں سے دلچسپی ضرور تھی مگر صرف ذاتی ترقی اور کامیابی کے سلسلے میں۔ سائیسیرو اپنی ذات کی ترقی کے لئے حریص تھا۔

سائیسیرو کو تو ہوشیاری اور سرد مہری سے کامیابی تک پہنچنے میں دلچسپی تھی۔ اور اگر کبھی اس کے اندازے اور منصوبے غلط ثابت ہو کر اُسے نقصان پہنچاتے تو اس کے لئے یہ کوئی غیر معمولی بات نہ ہوتی۔

مگر ابھی تک تو اس کے منصوبے غلط ثابت نہ ہوئے تھے۔ وہ ایک حیرت انگیز نوجوان تھا۔ اس نے اٹھارہ سال کی عُمر میں قانون سیکھا تھا۔ اپنی عُمر کے تیسرے عشرے میں اس نے بغیر کسی نقصان کے اپنے وقار کے لئے ایک بہت بڑا معرکہ لڑا، اور تیس سال کی عمر میں وہ حکومت میں ایک اہم عہدے پر مامُور ہوا۔ فلسفہ اور اُمورِ سلطنت کے بارے میں اس کے مضامین اور لیکچر توصیف و پذیرائی کے ساتھ پڑھے اور سُنے جاتے تھے اور اِن میں جو باریک باتیں وہ دوسروں کی چوری کرتا تھا، زیادہ تر لوگوں کو اُن کا پتہ بھی نہ چلتا تھا۔ وہ صحیح لوگوں کو منتخب کرتا تھا۔ ان دنوں روم کے لوگ بااثر رابطوں کی تلاش میں ہوتے تھے اور سائیسیرو کا بھی نظریہ حیات ایسے ہی لوگوں سے روابط بڑھانا تھا۔

بہت عرصہ قبل سائیسیرو نے انصاف اور اخلاقیات میں موجود فرق کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ انصاف، طاقتوروں کا ہتھیار ہوتا ہے اور اس وقت استعمال ہوتا ہے جب طاقتوروں کو اس کی ضرورت ہوتی تھی۔ غلامی، انصاف کا نظام تھا اور سائیسیرو کے مطابق صرف احمق لوگ ہی اس نظام کے اخلاقی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں دلیل بازی کرتے تھے۔ شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے اس نے اَن گنت صلیبوں کی وحشت کو محسوس تو کیا تھا مگر خود کو اِن سے متاثر ہونے نہ دیا۔ وہ ان دِنوں غلامی کی اُن جنگوں کے سلسلے پر ایک مختصر تاریخ لکھنے لگا تھا، جنہوں نے دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسے اپیئین شاہراہ کے ساتھ ساتھ لٹکے ہوئے غلاموں کی علامتوں سے گہری دلچسپی تھی۔ اُس نے کسی بھی جذباتی

کیفیت کو خود پہ مسلط کئے بغیر مختلف نسلوں یعنی گال، افریقی، تھریشین، یہودی، جرمن اور یونانی نسلوں کا مطالعہ کیا، جنہیں صلیبوں پر چڑھا دیا گیا تھا۔ اس سارے عمل کے دوران نہ تو اس کی طبیعت خراب ہوئی تھی اور نہ ہی اسے ترس آیا تھا۔ مگر اسے یہ خیال آیا کہ اس کے دَور میں جو شخص غلاموں کی بغاوت کے اس ظہور کا سرد مہری سے مطالعہ کر کے نتائج اخذ کر سکے، وہ عظیم طاقت کا مالک شخص ہوگا۔ سائیسیرو کے دِل میں ان لوگوں کے لئے کوئی عزت نہ تھی جو اپنی نفرت کے اغراض کی موضوعی ضرورتوں کو سمجھے بغیر نفرت کیا کرتے تھے۔

یہ تھیں سائیسیرو کی خصوصیات، جو کچھ لوگوں کو نظر آتی تھیں اور کچھ کو نہیں۔

اس شام جب کلاڈیا ولاّ سلاریا پہنچی تھی، اس نے اِن خصوصیات کو نہیں پرکھا تھا۔ کلاڈیا کی سمجھ میں یہ پیچیدہ باتیں نہیں آتی تھیں۔ اس کے برعکس ہیلینا نے ان خصوصیات کو بھانپ لیا اور ان کی توصیف کی۔ ''میں تمہاری طرح ہوں''۔ اس کی آنکھیں بول پڑیں اور جب اس کا بھائی بستر پر لیٹا عظیم جنرل کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ سائیسیرو کے کمرے کی طرف چل دی۔ اسے اس بات کا احساس تھا کہ وہ خود کو حقیر بنا کر ایک خاص عمل سے سکون حاصل کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر وہ بھلا خود کو اس شخص کے مقابلے میں کم تر کیوں سمجھتی، جو درمیانے طبقے کے لیٹروں سے متعلق تھا؟ اس کے تصور میں بھی نہ تھا کہ وہ ایسی حرکت کرے گی جس سے وہ خود سے نفرت کرنے لگے۔

سائیسیرو کے لئے بہر حال وہ پسندیدہ عورت تھی۔ اس کا لمبا قد، عمدہ خدوخال اور اس کی سیاہ آنکھیں نہایت دلکش تھیں۔ وہ اشرافیہ کی ایک لڑکی تھی۔ اس طبقے سے تو راہ و رسم بڑھانے کے لئے اُس جیسے لوگ نسلوں سے کوشاں تھے۔ مگر یہ طبقہ ہمیشہ ان کے لئے ناقابلِ حصول رہا تھا۔ سائیسیرو کو ایک طرح کا اطمینان محسوس ہوا کہ وہ ایسی صلاحیتیں رکھتا ہے کہ اس کے کمرے میں ایک عورت اُس کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر آئی تھی۔

اُس زمانے میں روم میں یہ ایک غیر معمولی بات تصور ہوتی تھی کہ ایک شخص رات کو بیٹھ کر لکھے۔ اُس سماج کی حیرت انگیز غیر مساوی ترقی مصنوعی روشنی پیدا کرنے کے میدان میں کوئی ترقی نہ کر سکی تھی۔ رومن لیمپ بہت کمزور ہوا کرتے تھے اور ایک زردسی جھلمل کرتی روشنی سے چیزیں ہلتی ہوئی

نظر آتی تھیں۔ آنکھوں پر بہت بوجھ پڑتا تھا۔ اس لئے رات کو لکھنے بیٹھنا اور خصوصاً زیادہ شراب پینے اور خوراک کھانے کے بعد، ایک قابلِ تعریف یا تجسّس بھرا انوکھا عمل تھا۔ جب ہیلینا اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو یہ دلکش نوجوان آلتی پالتی مارے بستر پر بیٹھا ہوا تھا، اس کی گود میں کاغذوں کا ایک پلندہ تھا اور وہ کانٹ چھانٹ کر رہا تھا اور لکھ رہا تھا۔ اگر ہیلینا نسبتاً بڑی عمر کی ہوتی تو سمجھ جاتی کہ یہ سب کچھ دکھاوا ہے مگر وہ تو صرف تئیس برس کی تھی۔ اس لئے بہت متاثر ہوئی۔ حالتِ جنگ اور حالتِ امن کے لیڈر کی پُرانی کہاوت ابھی تک لوگوں میں مقبول تھی اور کئی رومن رہنماؤں کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ رات کو محض دو تین گھنٹے سوتے ہیں اور باقی سارا وقت قوم کی نذر کر دیتے ہیں۔ یہ مقدس لوگ تھے اور ہیلینا کو اچھا لگا کہ سائیسیر و کی طرح کا ایک مقدس شخص اس کی طرف خاص انداز سے دیکھ رہا تھا۔

سائیسیر و نے اسے اپنے بستر کی پائنتی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہیلینا کے لئے وہاں بیٹھنا اس لئے مجبوری تھی کہ کمرے میں اور کوئی آرام دہ جگہ نہیں تھی۔ وہ لکھتا ہی رہا۔ ہیلینا بستر پر بیٹھ گئی اور جب اسی طرح بیٹھے اسے چوتھائی گھنٹہ گزر چکا تو اس نے پوچھا۔

''آپ کیا لِکھ رہے ہیں؟''۔

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہیلینا اُسے اچھی طرح سمجھ جائے اور اس کی قدر کرے۔ اس نے ہیلینا سے پوچھا۔

''آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں؟''۔

''اس لئے کہ میں جاننا چاہتی ہوں''۔

''میں غلاموں کی جنگوں کے بارے میں لکھ رہا ہوں''۔ اس نے کسر نفسی سے کہا۔

''آپ کا مطلب اِن جنگوں کی تاریخ لکھنے سے ہے؟''۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بے کار اور فارغ بالائی طبقہ سے متعلق لوگوں میں تاریخی کتابیں لکھنے کا فیشن شروع ہوا تھا اور کئی نوخیز ارسٹوکریٹ، ری پبلک کی اولین تاریخ سے کھیلنے میں مشغول تھے۔ تاکہ ان کے اعلیٰ حسب نسب اور عظیم واقعات صحیح طور پر باہم متعلق لگیں۔

''تاریخ تو نہیں''۔ سائیسیر و نے لڑکی کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس نے یوں جواب دیا گویا وہ ہیلینا کو اپنی شرافت اور ایمانداری جتا رہا ہو۔ اور اپنی گرمی کو ظاہر نہ کر رہا ہو۔

''تاریخ واقعات پر مشتمل ہوتی ہے۔ میں تو اس مظہر اور پراسیس میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ جب کوئی اپیئین شاہراہ پر صلیبوں کو، سزا کی علامتوں کو دیکھتا ہے تو اسے صرف چھ ہزار آدمیوں کی لاشیں لٹکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ یہ نتیجہ نکالے گا کہ ہم رومن کینہ پرور لوگ ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات کرنی کافی نہ ہوگی کہ ہم عادل اور انصاف پسند لوگ ہیں۔ اپنے آپ کو بھی واضح کرنا ہوگا۔ ہمیں یہ اچھی طرح سمجھنا چاہیئے کہ چھ ہزار غلاموں کو ایسی سزا دینی کیوں ضروری ہے''۔

''لوگ کہتے ہیں''۔ ہیلینا بولی۔ ''کہ اگر ان سب کو بیک وقت منڈی بھیجا جاتا تو غلاموں کی خرید و فروخت کرنے والے کچھ لوگ تو بالکل تباہ ہو جاتے''۔

''اس بات میں بہت تھوڑی صداقت ہے، سب سچ نہیں ہے''۔ سائیسیر و نے جواب دیا۔ ''مَیں سطحی باتوں سے آگے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں غلام کی بغاوت کے معانی دیکھنا چاہتا ہوں۔ واہمہ رومن لوگوں کا روگ بن چکا ہے۔ میں اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔ ہم اِس اور اُس جنگ کی باتیں کرتے ہیں، بڑی فوجی مہارت اور عظیم جنرلوں کے متعلق گفتگو کرتے ہیں مگر ہم میں سے کوئی بھی اپنے سامنے کی اِس مسلسل جنگ کے بارے میں آہستگی سے بھی کچھ نہیں کہتا جو دوسری تمام جنگوں پر بھاری ہے۔ یہ مسلسل جنگ، غلاموں کی جنگ ہے، غلاموں کی بغاوت ہے۔ یہاں تک کہ متعلقہ جرنیل بھی اس بارے میں کُھل کر کچھ نہیں کہتے۔ غلاموں کی جنگ میں کوئی شان نہیں، نہ ہی غلاموں کو فتح کرنا کوئی توصیف و افتخار کی بات ہے''۔

''مگر یقیناً یہ اس قدر اہم معاملہ نہیں ہے''۔

''اچھا؟ اور اس طرف آتے ہوئے اپیئین شاہراہ پر لٹکی ہوئی صلیبیں آپ کے لئے اہمیت کی حامل نہ تھیں؟''۔

''وہ بہت کراہت انگیز تھیں۔ مجھے ایسی چیزیں دیکھ کر خوشی نہیں ہوتی۔ میری سہیلی کلاڈیا ایسی

چیزیں شوق سے دیکھتی ہے''۔

''دوسرے لفظوں میں کچھ اہمیت تو ہوئی نا؟''۔

''مگر سپارٹیکس اور اس کی لڑائی کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے''۔

''واقعی؟ مجھے یقین نہیں ہے۔ مجھے تو یہ بھی یقین نہیں ہے کہ خود کراسس بھی اس کے بارے میں کچھ زیادہ جانتا ہو۔ جہاں تک ہم لوگوں کا تعلق ہے، ہمارے لئے سپارٹیکس ایک معمہ ہے۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق وہ ایک قاتل تھریشین اور قزّاق تھا۔ کراسس کے بقول وہ تُو بیا کے سونے کی کانوں میں ایک پیدائشی غلام تھا۔ ہم کس پر اعتبار کریں؟ کاپوا میں سکول چلانے والا سوَر باتیاتس مر چکا ہے۔ ایک یونانی غلام نے جو اس کا حساب کتاب رکھنے والا منشی تھا، اس کا گلا کاٹا۔ اسی طرح سپارٹیکس کو جاننے والے سب لوگ یا تو چلے گئے یا مر کھپ گئے ہیں۔ تو اس کے بارے میں کون لکھے گا؟ میری طرح کے لوگ؟''۔

''آپ کی طرح کے لوگ ہی لکھ سکتے ہیں''۔ ہیلینا نے کہا۔

''آپ کی مہربانی۔ مگر میں سپارٹیکس کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ میں تو صرف اس سے نفرت کرتا ہوں''۔

''میرا بھائی بھی اس سے نفرت کرتا ہے۔ مگر کیوں؟''۔

''کیا آپ اُس سے نفرت نہیں کرتیں؟''۔

''میں اس کے بارے میں کوئی خصوصی جذبات نہیں رکھتی''۔ ہیلینا نے کہا۔ ''وہ محض ایک غلام تھا''۔

''کیا واقعی وہ محض ایک غلام تھا؟ پھر ایک غلام کس طرح سپارٹیکس بنتا ہے۔ یہی وہ معمّہ ہے، جسے مجھے حل کرنا ہے۔ مجھے یہی معلوم کرنا ہے کہ یہ معاملہ کہاں اور کیوں شروع ہوا؟ میرا خیال ہے کہ میں آپ کو بور کر رہا ہوں''۔

لوگوں کو سائیسیرو میں اخلاص کی ایک جھلک نظر آتی تھی۔ اسی وجہ سے لوگوں نے آنے والے سالوں میں اس کا دفاع کیا، جب اس پر الزام تراشیاں ہونے لگیں۔

''مہربانی کر کے اپنی بات جاری رکھیئے''۔ ہیلینا نے کہا۔

روم میں وہ سائیسیرو کی عُمر کے جتنے نوجوانوں کو جانتی تھی، وہ عطر کے بارے میں باتیں کرتے تھے۔ یا اُس گلیڈیٹر کے بارے میں جس پر وہ شرط بد رہے ہوتے، اپنی گھوڑی کے بارے میں یا پھر اپنی محبوبہ کے بارے میں' باتیں کرتے تھے' یا پھر اپنی داشتہ کے بارے میں۔

''مہربانی کر کے اپنی بات جاری رکھیئے''۔ اس نے کہا۔

''میں زبانی باتوں پر اعتبار نہیں کرتا''۔ سائیسیرو نے کہا۔ ''میں چیزیں لکھ کر رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کی طرح کئی اور لوگ بھی محسوس کرتے ہوں گے کہ غلاموں کی بغاوت کسی اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ مگر آپ غور کیجئے کہ ہماری ساری زندگی غلاموں سے عبارت ہے اور غلاموں کی بغاوت ہماری تمام فتوحات سے بڑھ کر جنگ مانگے گی۔ کیا آپ اس کا اندازہ کر سکتی ہیں؟''۔

اُس نے اپنا سَر ہلایا۔

''میں ثابت کر سکتا ہوں۔ اِس بغاوت کو شروع ہوئے ایک سو بیس برس ہو گئے۔ اُس وقت ہمارے کارتھیج کے غلاموں نے بغاوت کی تھی۔ پھر سپین کے کانکنوں کی طاقتور بغاوت ہوئی۔ اس کے کچھ سال بعد سسلی کے غلاموں نے بغاوت کی تھی جس نے ری پبلک کی جڑیں ہلا دی تھیں۔ پھر بیس سال بعد ''جنگِ غلاماں'' ہوئی تھی جس کی قیادت غلام سالوئیس نے کی تھی۔ یہ تو محض آٹھ بڑی بڑی جنگیں تھیں مگر ان سب بغاوتوں کے درمیان ہزاروں کی تعداد میں چھوٹی چھوٹی بغاوتیں ہوئی تھیں۔ لیکن یہ سب جنگیں دراصل ایک ہی جنگ ہے، ایک مسلسل اور نہ ختم ہونے والی جنگ، جو ہمارے اور ہمارے غلاموں کے درمیان لڑی جا رہی ہے۔ ایک خاموش اور شرمناک جنگ، جس کے بارے میں کوئی بھی زبان نہیں کھولتا اور نہ ہی تاریخ دان اُسے صفحۂ قرطاس پر لانے کے لئے رضامند ہیں۔ ہمیں اسے تحریر کرتے ہوئے، اس پہ نظر دوڑاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ اس لئے کرّۂ ارض پر یہ ایک نئی چیز ہے۔ قوموں کے درمیان' شہروں پارٹیوں حتیٰ کہ بھائیوں کے درمیان جنگیں ہوتی رہی ہیں۔ مگر ہمارے اندر، ہمارے حلق کے اندر یہ ایک نئی عفریت ہے۔ یہ جنگ ساری پارٹیوں،

ساری قوموں اور سارے شہروں کے خلاف ایک جنگ ہے''۔

''آپ مجھے خوف زَدہ کر رہے ہیں''۔ ہیلینا نے کہا۔ ''کیا آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کس قسم کی تصویر کشی کر رہے ہیں؟''۔

سائیسیرو نے سر ہلایا اور تجسّس کے سے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس قدر متاثر ہوگئی تھی کہ اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں ڈھانپ لیا۔ وہ ایک ایسا جوان تھا جو عُمر میں اس سے زیادہ بڑا نہیں تھا اور جسے قوم کے مقدر اور مستقبل کے معاملات کی اتنی فکر لاحق تھی۔ اسے بچپن میں سنی ہوئی کہانیاں یاد آ گئیں۔ سائیسیرو نے اپنے مسودات ایک طرف رکھ دیئے اور اپنا ہاتھ نرمی سے دبانے لگا۔ پھر وہ اس پر جھکا اور اس کا بوسہ لیا۔ شوخی سے۔ پھر اُسے سزا کی نشانیاں یاد آ گئیں، سڑا ہوا' پرندوں کا چگا ہوا، سورج کی گرمی سے کباب شدہ انسانی گوشت، جو اپینین شاہراہ کے ساتھ مصلوب تھا۔ اب یہ منظر خوفناک نہیں رہا تھا کیونکہ سائیسیرو نے اس منظر کو معقول بنا دیا تھا مگر وہ پوری زندگی اس کی بنائی ہوئی اس معقولیت کے جوہر کو نہیں بھول سکتی تھی۔

''ہم واحد قوم ہیں جن میں محبت اور انصاف کی اتنی بڑی گنجائش موجود ہے''۔ سائیسیرو نے سوچا۔ اس نے ہیلینا سے مباشرت شروع کرتے ہوئے محسوس کیا کہ کم از کم ایک عورت تو ایسی ہے جس نے اسے سمجھ لیا ہے۔ اس نے خود کو مغلوب نہ سمجھا بلکہ اس کے برعکس اس نے خود کو طاقت سے بھرا پایا اور طاقت کی وسعت کا مالک بھی.....اور یہی طاقت کی وہ وسعت تھی جو اس کی تحریر کی بدولت تھی۔ تھوڑی سی چھپی ہوئی دریافت میں ہی اُس نے اپنی قوت کو اس قوت سے اکٹھا پایا جس نے سپارٹیکس کو ختم کر دیا تھا اور جو سپارٹیکس کو بار بار تباہ کر دے گی۔ اس کی طرف دیکھ کر ہیلینا کو اچانک احساس ہوا کہ سائیسیرو کا چہرہ نفرت اور ظلم سے بھرا ہوا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے خود کو خوف اور اپنے آپ سے نفرت والے جذبات کے ساتھ سائیسیرو کے سپرد کر دیا۔

2

بے انتہا تھکان اور جذباتی دباؤ کے عالم میں ہیلینا بالآخر سو گئی۔ اسے عموماً کسی مرد کے ساتھ مباشرت کرنے والے خواب دیکھنے کے بعد جاگ آتی تھی۔ اس خواب میں حقیقت اور غیر حقیقی باتیں اس طرح ملی ہوتی تھیں کہ انہیں جُدا کرنا مشکل تھا۔ خواب میں اسے رُوم کی گلیوں میں وہ وقت نظر آیا جب اس کے بھائی کائیس نے اسے باتیاتس دکھایا تھا۔ اُس بات کو صرف سات ماہ بیت گئے تھے۔ جس کے چند ہی روز بعد باتیاتس کو اس کے یونانی منشی نے ذبح کر ڈالا تھا۔

مشہور یہ تھا کہ یہ قتل ایک عورت کی وجہ سے ہوا جسے یونانی نے باتیاتس کے پیسے چوری کر کے خریدا تھا۔ باتیاتس، سپارٹیکس سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا۔ اس بار وہ روم اس لئے آیا تھا کہ اپنے ایک کرایہ دار کی طرف سے عدالت میں اپنے خلاف مقدمے کی صفائی پیش کرے۔ وہ مکان گر گیا تھا۔ جس سے چھ کرایہ دار مر گئے تھے۔ اور ان کے زندہ بچنے والے عزیز و اقارب نے اس پر مقدمہ دائر کیا تھا۔

اسے باتیاتس خوب اچھی طرح یاد آ رہا تھا۔ باتیاتس بہت زیادہ عیاش، تھوکتا ہوا اور بھکاریوں کے پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو پرے دھکیلتا ہوا جا رہا تھا۔ اسی دن ہیلینا اور کائیس عدالت گئے ہوئے تھے اور اتفاقیہ طور پر اسی جگہ گئے جہاں باتیاتس اپنا دفاع کر رہا تھا۔

خواب میں سارا قِصّہ ایسے نظر آ رہا تھا جیسے جاگتی زندگی میں آیا ہو۔ کمرۂ عدالت تماشبینوں، بے کاروں، عورتوں، اُن کا پیچھا کرنے والے جوانوں، باہر سے آئے ہوئے لوگوں اور رومن انصاف دیکھنے کے شوقین لوگوں سے بھرا ہوا تھا، حالانکہ اس عدالت میں انصاف ملنے کی ذرا بھی توقع نہ تھی۔ باتیاتس سے سوال کئے جا رہے تھے، وہ ان سوالوں کے جوابات بھینس کی طرح ڈکرا کر دے رہا تھا۔

مگر پھر جیسے کہ خوابوں میں ہوتا ہے، اس نے بغیر کسی توجیہہ کے خود کو باتیاتس کی خوابگاہ میں پایا۔ اسے یونانی منشی چاقو کھولے نظر آیا۔ خمدار چاقو اکھاڑے میں تھریشین کے چاقو ہی کی طرح کا تھا۔ کمرے کا فرش بھی اکھاڑے کے فرش جیسا تھا۔ وہ تھریشین کے سے ماہر حملہ آور کی طرح ریت کو روندا ہوا آ رہا تھا۔ اور باتیاتس بستر پر بیٹھا ہوا خوف سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر یونانی کے پاس ہی ایک دیوہیکل ہیولا نمودار ہوا۔ وہ شخص مکمل طور پر مسلح تھا۔ جلد ہی ہیلینا نے اسے پہچان لیا۔ وہ سپارٹیکس تھا۔ اس نے یونانی کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور چاقو ریت پر گر پڑا۔ پھر خوبصورت اور

دیوہیکل سپارٹیکس نے ہیلینا کی طرف سر ہلا کر اشارہ کیا۔ ہیلینا نے چاقو زمین پر سے اُٹھا لیا اور باتیاتس کو ذبح کر ڈالا۔ یونانی اور باتیاتس پھر غائب ہو گئے۔ اور وہ گلیڈیٹر کے ساتھ تنہا رہ گئی۔ مگر جب اُس نے سپارٹیکس کی طرف اپنی بانہیں پھیلائیں تو اُس نے اس کے منہ پر بھرپور طور پر تھوک دیا، واپس مڑا اور چلا گیا۔ پھر وہ استدعا کرتی ہوئی، گریہ وفریاد کرتی ہوئی اس کی طرف دوڑ پڑی۔ مگر وہ غائب ہو چکا تھا اور ہیلینا ریت کے بے انت خلا میں تنہا رہ گئی۔

3

باتیاتس کو واقعی ایک گھٹیا اور بدصورت موت آ گئی تھی۔ اسے خود اس کے اپنے غلام نے قتل کر دیا تھا۔ اگر وہ براکس کے لئے لڑنے والے گلیڈیٹروں کو نامکمل لڑائی کے بعد قتل کر دیتا تو وہ اپنی مرگ اور دیگر نقصانات سے بچ پاتا۔ اگر وہ انہیں قتل کر دیتا تو اس کا یہ فعل قانونی بھی تھا۔ اس لئے کہ فساد پھیلانے والے گلیڈیٹروں کو قتل کرنا جائز تھا۔ مگر یہ بات قابلِ بحث ہے کہ اگر سپارٹیکس مر جاتا تو کیا تاریخ اس قدر تبدیل ہو جاتی؟ کیا جن قوتوں نے اسے مشتعل کیا تھا وہ کہیں اور منتقل ہو جاتیں؟ روم کی اس کنواری لڑکی ہیلینا نے تو اپنی گناہ آلود نیند کی آغوش میں وُہ خواب دیکھنے کے بعد سپارٹیکس میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ مگر جو غلام تلوار اٹھاتا ہے، اس کے اپنے خواب ہوتے ہیں۔ جن میں خُون آلود یادوں اور اُمیدوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اور ایسے خواب شمشیر زن گلیڈیٹروں کے سانجھے خواب ہوتے تھے۔ یہ ہے ان لوگوں کے لئے جواب' جو یہ نہیں سمجھ سکتے کہ سپارٹیکس کا منصوبہ کس طرح پُورا ہو گیا۔ یہ منصوبہ ایک شخص نے نہیں بلکہ کئی لوگوں نے بنایا تھا۔

جب وہ سو رہا تھا تو جرمن لڑکی یعنی اس کی بیوی ورینیا اس کے پاس بیٹھی تھی۔ جسے سوتے میں اس کی بڑبڑاہٹ اور چیخیں سونے نہیں دے رہی تھیں۔ وہ کئی چیزوں کے بارے میں بولتا رہا۔ کسی لمحے وہ ایک بچہ بنتا، دوسرے لمحے وہ سونے کی کانوں میں مزدوری کر رہا ہوتا اور کبھی وہ اکھاڑے میں ہوتا۔ اور پھر چاقو اس کے گوشت کو چیرتا ہے اور درد کے مارے کراہتا ہے۔

جب اس کی چیخ نکلی تو ورینیا نے اسے جگایا کیونکہ اس قدر ڈراؤنے خواب میں بڑبڑاتے دیکھ

کر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے اسے جگایا اور اس کے ماتھے کو ہاتھ سے سہلانے لگی۔

جب ورینیا بہت چھوٹی تھی تب وہ اپنے قبیلے کے مردوں اور عورتوں کو دیکھا کرتی تھی، جنہیں ایک دوسرے سے محبت ہو جاتی تھی۔ اسے خوف پر فتح پانے کا نام دیا جاتا تھا۔ بلاؤں کی روحیں بھی جانتی تھیں کہ محبت کرنے والے خوف کے مرض سے پاک ہوتے ہیں اور یہ بات محبت کرنے والوں کی آنکھوں سے چھلکتی ہے، ان کی چال اور آپس میں پیوست انگلیوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ مگر غلام بننے کے بعد اسے ایسی ساری باتیں بھول گئیں اور اس کی بقا کی اہم ترین جبلت نفرت اور صرف نفرت بن گئی۔

اب اس کا سارا وجود، اس کی حیات وحرکات، اس کے خُون کی روانی اور دِل کی دھڑکنیں اس تھریشین غلام کی محبت میں مدغم ہو گئیں۔ اب اسے معلوم ہوا کہ اس کے قبیلے کے مردوں اور عورتوں کے تجربات سچے، قدیم اور پُرمعنی ہیں۔ پُوری کائنات میں اب اسے کسی چیز سے خوف نہیں آتا۔ وہ جادُو پر ایمان رکھتی تھی اور اس کی محبت کا جادُو حقیقی اور سچا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کا مرد محبت کرنے کیلئے آسان مرد ہے۔ وہ ان نادر انسانوں میں سے تھا، جو ہیر پھیر سے پاک ہوتے ہیں۔ جن کے دل وفعل ایک سے ہوتے ہیں۔ سپارٹیکس اس کی نظر میں یکتا تھا، جامع تھا۔ وہ لوگوں کی محبتوں کا مرکز تھا۔ حتیٰ کہ خوفناک' مایوس اور برباد شدہ لوگوں کے اس گھونسلے میں بھی، گم گشتہ روحوں اور کانکنوں (جنہیں کانیں بھی تباہ کرنے میں ناکام رہی تھیں) کے قتل وغارت گری والے سکول میں بھی سپارٹیکس سے محبت کی جاتی تھی، اسے عزت ووقار ملتا تھا۔ مگر ورینیا کی محبت تو چیز ہی اور تھی۔ وہ مردانگی کا نمونہ تھا۔ ورینیا کا خیال تھا کہ اس کے اندر جنسی خواہشات ہمیشہ کے لئے مر چکی تھیں۔ مگر وہ سپارٹیکس کو چھوتے ہی دوبارہ غلام سے عورت بن جاتی۔ اگر وہ مصوّر ہوتی اور اگر اسے انسان بنانے ہوتے تو وہ سپارٹیکس کی طرح کے مرد بناتی۔ اس کی ٹوٹی ہوئی ناک، اس کی بڑی بھوری آنکھیں' اس کا بڑا سا منہ ورینیا کے بچپن کی جان پہچان والے مردوں کے چہروں سے بہت مختلف تھا۔ مگر وہ کسی ایسے مرد کی بیوی بننے یا کسی ایسے مرد سے محبت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی جو سپارٹیکس جیسا نہ ہوتا۔

اُسے معلوم نہیں تھا کہ سپارٹیکس کیوں ایسا تھا؟ وہ بہت عرصے سے رومن ارسٹوکریسی کی مہذب اور شائستہ زندگی کا حِصّہ تھی۔ اور وہ جانتی تھی کہ اُن کے مرد کس طرح کے ہوتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ایک غلام شخص سپارٹیکس جیسا کیوں کر بن سکتا ہے۔ اس کے ہاتھوں نے سپارٹیکس کو خاموش کر دیا تھا۔ تب اس نے اس سے پوچھا۔

''کیا تم خواب دیکھ رہے تھے؟''

اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مجھے خود سے بھینچ کر رکھو، تم مزید خواب نہیں دیکھو گے''۔ اس نے اسے خود سے بھینچتے ہوئے سرگوشی سے کہا۔

''کیا تمہیں کبھی یہ خدشہ بھی ہوتا ہے کہ ہمیں شاید اکٹھا رہنے نہ دیا جائے؟''۔

''ہاں''۔

''اگر ایسا وقت آئے تو تم کیا کرو گی؟''۔ اس نے وریناسے پوچھا۔

''تب میں مر جاؤں گی''۔ اس نے سادہ اور بلا واسطہ جواب دیا۔

''میں اس بارے میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں''۔ اس نے کہا۔

اب وہ اپنے خوابوں کی دنیا سے مکمل طور پر جاگ چکا تھا اور پُرسکون تھا۔

''ہم اس بارے میں کیوں سوچیں اور کیوں گفتگو کریں؟''۔

''اس لئے کہ اگر تم نے مجھ سے محبت کی تو اگر میں مر جاؤں تو تم خود کو مارنے کی کوشش بالکل نہیں کرو گی''۔

''کیا تم اس طرح سوچتے ہو؟''۔

''ہاں''۔

''اور اگر مَیں مر جاتی ہوں تو کیا تم خودکشی نہیں کرو گے؟'' وریناسے پوچھا۔

''میں زندہ رہنا چاہوں گا''۔

''کیوں؟''۔

''کیونکہ زندگی نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے''۔

''تمہارے بغیر زندگی کا تصور تک میرے لئے بیکار ہے''۔ وریناسے بولی۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم مُجھ سے ایک وعدہ کرو اور اُس وعدے پر قائم رہو''۔

''مَیں وعدہ ہی وہی کروں گی جس پر قائم رہ سکوں۔ بصورتِ دیگر میں وعدہ کرتی ہی نہیں.....''۔

''میری آرزو ہے کہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ اپنی جان نہیں لوگی''۔ سپارٹیکس نے التجا کی۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی۔

''میری خاطر۔ میری محبت کی خاطر وعدہ کرو''۔

بالآخر وہ بولی۔

''اچھا میں وعدہ کرتی ہوں''۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ آرام اور خاموشی سے سو گیا۔ وریناکے بازو اس کے گرد حمائل تھے۔

4

صبح کی ورزش کے لئے ڈھول پیٹا گیا۔ انہیں صبح کا کھانا کھانے سے پہلے چالیس منٹ تک احاطے میں دوڑ لگانی پڑتی تھی۔ ہر آدمی کو جاگتے ہی ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پلایا جاتا تھا اور اس کی کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا جاتا تھا۔ اگر اس کے ساتھ عورت ہوتی تو اسے اجازت دی جاتی تھی کہ وہ کام پر جانے سے قبل کوٹھڑی کی صفائی کرے۔ اُس کے بعد وہ دوسرے غلاموں کے ساتھ سکول میں کام کرنے جاتی تھی۔

باتیاتس کے سکول میں اصراف کی گنجائش ہرگز نہ تھی۔ گلیڈیٹرز کی عورتیں صفائی کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، باورچی خانے کے آس پاس والے باغوں میں کام کرتی تھیں، غسل خانوں میں کام کرتی تھیں اور بکریاں چراتی تھیں۔ باتیاتس ان عورتوں پر بہت سختی کرتا تھا۔ وہ ان پر کوڑے برساتا تھا۔ اور گھٹیا خوراک دیتا تھا۔ مگر سپارٹیکس اور وریناکے بارے میں تو وہ ایک خاص قسم کے خوف میں مبتلا

تھا۔حالانکہ اُسے خود اس خوف کی وجہ معلوم نہیں تھی۔

اس مخصوص صبح کو سارے سکول میں بے صبری اور نفرت کی فضا سرایت کر گئی تھی۔غلاموں کو جگانے والے ڈھول کی صدا میں جس طرح تربیت کرنے والے لوگ گلیڈیٹروں کو ان کی کوٹھڑیوں سے ہانک کر احاطے کی طرف لے جا رہے تھے، اُس میں، بے صبری اور نفرت موجود تھی۔لوہے کی باڑ میں (جہاں پر سیاہ فام افریقی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا) غلاموں کو جس طرح کھڑا کیا گیا تھا، اس میں بے صبری اور نفرت کی فضا موجود تھی۔الغرض ہر جگہ یہ بے صبری اور نفرت چھلکتی تھی۔اسی بے چین نفرت کے ساتھ عورتوں پر کوڑے برسائے جا رہے تھے۔اُس صبح وریناسے بھی کوئی خوف زدہ نہ تھا اور نہ ہی دوسروں کی بہ نسبت کوڑا اس کی پشت پر نرمی سے پڑ رہا تھا۔صرف یہ ہوا تھا کہ اوورسیئر نے اس پر کوڑے برساتے ہوئے یہ تبصرہ کیا۔

''یہ عظیم جنگباز کی داشتہ ہے''۔

آج اس پر دوسروں کے مقابلے میں کوڑے زیادہ تعداد میں برس رہے تھے۔چونکہ وہ باورچی خانے میں کام کرتی تھی، اسی لئے اُسے وہیں ہانکا گیا۔

یہ باتیاتس کا غصہ تھا، جو اس پُورے علاقے میں سرایت کر گیا تھا۔یہ گہرا اور لرزا دینے والا غصہ ایک چیز سے پیدا ہوا تھا۔اُس چیز سے باتیاتس کو بہت جلد غصّہ دلایا جا سکتا تھا اور وہ چیز تھی معاشی نقصان۔براکس نے معاہدے کی نصف رقم دینے سے انکار کر دیا تھا۔حالانکہ باتیاتس عدالت میں جا سکتا تھا۔مگر اسے معلوم تھا کہ روم کی عدالت میں ایک رومن اشرافیہ کے خلاف مقدمہ جیتنے کے امکانات بہت کم تھے۔اس کے غصّے کا نتیجہ آج سکول کے پورے احاطے میں نظر آ رہا تھا۔باورچی خانے میں باورچی، عورتوں کو ڈانٹ رہا تھا اور انہیں ایک لمبے ڈنڈے سے پیٹتا جا رہا تھا۔تربیت دینے والے (جنہیں ان کے مالک کی طرف سے کوڑے لگتے تھے) گلیڈیٹرز کو کوڑے مار رہے تھے۔سیاہ فام کی لاش باڑھ پر ڈال دی گئی تاکہ ڈرل کرتے ہوئے گلیڈیٹرز اسے دیکھ سکیں۔

جس جگہ پر سپارٹیکس کھڑا تھا وہاں اس کے ایک طرف گانیکس تھا اور دوسری طرف کرکسس نامی ایک گال کھڑا تھا۔گلیڈیٹرز دو قطاروں میں کھڑے تھے۔ان کے سامنے جو تربیت دینے والے کھڑے تھے، وہ اس صبح خوب مسلح تھے۔خاص کر خنجر اور تلوار ہر ایک کے پاس موجود تھی۔احاطے کے گیٹ کھول دیئے گئے اور مسلح فوج کے چار سکواڈ یعنی چالیس آدمی وہاں مستعد ہو کر کھڑے تھے۔ان کے ڈنڈے ان کے پہلوؤں کے ساتھ لٹک رہے تھے۔صبح کا سُورج ریت پر اپنی شعائیں بکھیرتا ہوا غلاموں کو تپش پہنچا رہا تھا۔مگر سپارٹیکس میں کوئی حدت موجود نہ تھی اور جب گانیکس نے اس سے سرگوشی میں اس سارے منظر کے مطلب کے بارے میں پوچھا تو اس نے خاموشی سے سر ہلایا۔

''کیا تم لڑے؟'' گال نے پوچھا۔

''نہیں''۔

''مگر اس نے ان میں سے کسی ایک کو بھی قتل نہ کیا۔اور اگر اُسے مرنا ہی تھا تو وہ اس سے اچھی موت بھی مر سکتا تھا''۔

''کیا تم اِس سے بہتر موت مرو گے؟'' سپارٹیکس نے پوچھا۔

''وہ ایک کتے کی طرح مرا اور تمہارا بھی یہی انجام ہوگا''۔کرکسس نے کہا۔''وہ ریت پر مرا۔اس کا پیٹ چیر دیا گیا۔تم بھی اسی طرح مرو گے''۔

تب سپارٹیکس کو احساس ہونا شروع ہو گیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔اس کا طویل ادراک اب حقیقت میں بدلنے لگا۔حقیقت جو محض اب شروع ہو رہی تھی۔اس کی انتہا یا غیر منتہائیت اس مستقبل کی سرحدوں کو چھو رہی تھی جو اَب تک پیدا نہ ہوا تھا۔حقیقت اُن سب باتوں سے منسلک تھی جو اُس پر بیتی تھی۔حقیقت اس بات سے منسلک تھی جو اب رونما ہونے والی تھی۔اس نے نیگرو کی عظیم الجثہ لاش کی طرف دیکھا، جسے سورج نے جلا ڈالا تھا، جسے چاقوؤں نے چھلنی کر کے رکھ دیا تھا، جس پر خون جم کر خشک ہو گیا تھا اور جس کے وسیع شانوں کے درمیان سر ڈھلک رہا تھا۔

''یہ رومن لوگ زندگی کی کس قدر بے حرمتی کرتے ہیں''۔سپارٹیکس نے سوچا۔

''وہ کتنی آسانی سے قتل کر ڈالتے ہیں۔انہیں موت سے لذت انگیز مسرت حاصل ہوتی ہے''۔

اس نے خود سے سوال کیا کہ ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ ان کی زندگی کی ساری عمارت اس کے ہم نسل لوگوں کی ہڈیوں اور گوشت و خون پر کھڑی ہے؟ غلاموں کو صلیب پر چڑھانے کا رواج کارتھیج سے آیا تھا۔

کارتھیج کے رہنے والوں نے اس طریقے کو غلاموں کے قتل کرنے کے لئے اپنایا۔ پھر تو جہاں جہاں روم کا اثر پہنچ گیا' وہاں مصلوب کرنا ایک نمائش بن گئی۔

اب باتیاتس احاطے میں داخل ہو گیا اور سپارٹیکس نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے گال سے پوچھا ۔

''اور تم کس طرح مرو گے؟''۔

''اسی طرح تھریشین! جس طرح تم مرو گے''۔

''وہ میرا دوست تھا''۔ سپارٹیکس نے نیگرو کی طرف نظریں جمائے ہوئے کہا'' اور وہ مجھ سے محبت کرتا تھا''۔

''وہ تمہاری مصیبت اور تمہارا سر درد ہے''۔

گلیڈیئٹر کی طویل قطار کے سامنے بنی ہوئی جگہ پر باتیاتس آ کر بیٹھ گیا اور سپاہی اس کے اِردگرد کھڑے ہو گئے۔

''میں تمہیں کھلاتا ہوں''۔ باتیاتس نے کہا۔'' میں تمہیں بہترین روسٹ، مرغ اور مچھلی کھلاتا ہوں۔مَیں تمہیں اس وقت تک کھلاتا ہوں جب تک کہ تمہارے پیٹ پھول نہ جاتے ہوں۔مَیں تمہیں نہلاتا ہوں، مالش کرواتا ہوں۔مَیں تم لوگوں کو کانوں اور پھانسی کے پھندوں سے نکال کر لایا ہوں اور یہاں پر تم لوگ بیکاروں اور بادشاہوں کی طرح رہتے ہو۔ یہاں پر آنے سے پہلے تم نیچ اور حقیر ترین لوگ تھے مگر اب تم آرام سے رہتے ہو اور بہترین خوراک کھاتے ہو''۔

''کیا تم میرے دوست ہو؟''۔ سپارٹیکس نے سرگوشی کی اور گال نے محض اپنے ہونٹوں کی حرکت سے جواب دیا۔

''گلیڈیئٹر، گلیڈیئٹر سے دوستی نہیں کرتا''۔

''میں تمہیں دوست کہتا ہوں!''۔ سپارٹیکس نے کہا۔

باتیاتس اب کہہ رہا تھا۔

''اُس کالے کتے کے کالے دل میں نہ تو احسان مندی تھی اور نہ ہی سمجھ بوجھ۔تم میں سے کِتنے

اُس جیسے ہیں؟''۔

گلیڈیئٹر خاموش کھڑے رہے۔

''ایک سیاہ فام کو میرے پاس لاؤ''۔ باتیاتس نے تربیت دینے والوں سے کہا۔ اور وہ ایک افریقین کو کھینچ لائے۔ یہ منصوبہ پہلے ہی بنایا گیا تھا۔ ڈھول بجنے شروع ہو گئے اور دو سپاہی دوسروں سے الگ ہو گئے اور اپنے نیزے سنبھال لئے۔ ڈھول بجتا رہا۔ نیگرو نے خود کو بچانے کی انتھک کوشش کی مگر سپاہیوں نے یکے بعد دیگرے اپنے نیزے اس کی چھاتی کے پار کر دیئے۔ وہ ریت پر پڑا تھا اور دونوں نیزے عجیب زاویہ بنائے اس میں پیوست تھے۔ باتیاتس نے ساتھ کھڑے ہوئے افسر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اب مزید مسائل پیدا نہیں ہوں گے۔ کُتّے اب غرّائیں گے تک نہیں''۔

''میں تمہیں دوست کہتا ہوں''۔ گانیکس نے سپارٹیکس سے کہا۔ دوسری طرف کھڑا ہوا گال کچھ بولا۔ وہ بھاری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے بعد صبح کی ورزش شروع ہوئی۔

5

بعد میں سینٹ کی تفتیشی بورڈ کے سامنے باتیاتس نے سچ کہا کہ اسے نہ صرف یہ کہ پتہ نہیں کہ کوئی پلان بنایا گیا تھا بلکہ وہ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتا کہ کوئی ایسا پلان بنایا جا سکتا تھا۔ اس نے انکشاف کیا کہ گلیڈیئٹرز میں سے کم از کم دو کو اس وعدے کے ساتھ اُن میں رکھا جاتا ہے کہ انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ کبھی کبھی انہیں کرائے پر لڑایا جاتا ہے۔ ایک کو آزاد کر دیا جاتا ہے اور دوسرا لڑائی کی معمولی خراشیں لے کر واپس ہوتا ہے اور پھر ایک نیا جاسوس بھرتی کیا جاتا ہے۔ باتیاتس نے اصرار سے کہا کہ اس کے علم کے بغیر کوئی پلان بنانا ناممکن ہے۔

لہٰذا ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ غلاموں کے اندر خواہ جتنی بغاوتیں ہوتی تھیں، اُس کا پتہ نہیں چل سکتا تھا، اُس کا انکشاف ناممکن ہوتا تھا۔ اُس کی جڑیں تلاش نہیں کی جا سکتی تھیں۔ یہ جڑیں بلا شبہ بیری کی جڑوں کی طرح مسلسل اور نظر نہ آنے والی جڑیں تھیں۔ صرف پھولدار پودا ہی نظر آ سکتا تھا۔ خواہ یہ

سپارٹیکس

سسلی کی وسیع بغاوت ہوتی یا کسی باغ میں چھوٹی نوعیت کی ناکام بغاوت ہوتی اور جس کا نتیجہ چند سو مردودوں کا صلیب پر لٹکا کر مرگ ہوتا تھا۔ اس کی جڑیں تلاش کرنے کی سینٹ کی کوششیں ہمیشہ رائیگاں جاتی تھیں۔ مگر جڑیں پھر بھی تلاش کرنی پڑ رہی تھیں۔ رُوم میں لوگوں نے شان وشوکت اور عیاشی کی ایک ایسی زندگی تعمیر کی تھی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی تھی۔ روم کا امن مثالی تھا، رُوم کی سڑکوں نے قوموں کی علیحدگی ختم کردی تھی اور دُنیا کے اِس مرکز میں خوراک اور مُسّرت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے سارے دیوتاؤں نے مِل کر رُوم کو اس طرح بنانے کی منصوبہ بندی کی ہو مگر پھر بھی پھول کی طرح کھلے ہوئے اس جسم پر یہ بیماری لگ گئی تھی جس کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنا ناممکن تھا۔ سینٹ نے باتیاتس سے پوچھا۔

''کیا سازش اور غداری کا کوئی منصوبہ نہیں بنایا گیا تھا؟''۔

''نہیں''۔ وہ مُصر رہا۔

''اور جب تم نے افریقین کو قتل کردیا (اور ہماری نظر میں تمہارا یہ اقدام جائز تھا) تو وہاں کوئی احتجاج ہوا؟''۔

''نہیں''۔

''ہمیں خصوصاً اس بات سے غرض ہے کہ آیا اس معاملے میں کوئی بیرونی امداد، کسی طرح کی بیرونی اشتعال انگریزی تھی؟''۔

''نہیں۔ یہ ناممکن ہے''۔ باتیاتس نے کہا۔

''اور کیا تمہارے خیال میں سپارٹیکس' گانیکس اور کرکسس کو باہر سے کوئی اِمداد یا فنڈ نہیں ملا تھا؟''۔

''مجھے سارے خداؤں کی قسم ہے کہ ایسا نہیں تھا''۔ باتیاتس نے کہا۔

مگر یہ ساری بات سچ نہ تھی کیونکہ کوئی فرد تنہا نہیں ہوتا۔ یہ سپارٹیکس کی توانائی تھی کہ اس نے خود کو

کبھی تنہا نہیں پایا اور نہ ہی اپنے اندر پناہ لی۔ رُوم کے امیر نوجوان ماریوس براکس کے ٹھیکے پر لئے ہوئے دو جوڑوں کی اِس ناکام لڑائی سے ذرا پہلے سسلی کے تین عظیم باغات میں غلاموں کی بغاوت ہوچکی تھی۔ اس میں نوسو غلام شامل تھے اور جس میں چند کے سوا باقی سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ اس قتل وغارت کے آخر میں مالکوں کو احساس ہوا تھا کہ ان کا بہت بڑا نقصان ہورہا ہے۔ اس لئے زندہ بچ جانے والے سو کے قریب غلاموں کو معمولی قیمتوں پر جہاز رانوں کو فروخت کردیا گیا تھا اور انہی جہازوں میں سے ایک میں باتیاتس کے ایجنٹ نے تنومند، وسیع کندھوں اور سُرخ بالوں والے گال کو دیکھا تھا جس کا نام کرکسس تھا۔ چونکہ جہازوں کے غلاموں کو ناقابلِ اصلاح تصور کیا جاتا تھا، اس لئے ان کی قیمت معمولی ہوتی تھی۔ اور چونکہ کاروباری رشوت بھی معمولی ہوتی تھی اس لئے کرکسس کا سودا آسانی سے طے پا گیا۔

سپارٹیکس نہ تو اکیلا تھا اور نہ اُن بے شمار دھاگوں سے کٹا ہوا تھا جس سے سِل کر کپڑا بنتا تھا۔ کرکسس، اس کے ساتھ والی کوٹھڑی میں تھا۔ بے شمار شاموں کو سپارٹیکس اپنے سیل میں لیٹے ہوئے اور اپنا سر دروازے کے ساتھ کئے ہوئے کرکسس سے سسلی کے غلاموں کی غیر متناہی جنگ کا قِصّہ سن چکا تھا۔ جس کو شروع ہوئے پچاس سال سے زائد کا عرصہ ہوچکا تھا۔ سپارٹیکس ایک غلام تھا اور غلام کی اولاد تھا۔ مگر اس کے اپنے ہم نسلوں کے درمیان ایکیلز، ہیکٹر اور اوڈلیسیس جیسے کئی عظیم افسانوی ہیرو موجود تھے۔ گو کہ اُن کے لئے کوئی گیت نہیں گائے جاتے تھے اور انہیں خُدا بنا کر ان کی پرستش نہیں کی جاتی تھی۔ یہ اچھی بات تھی کیونکہ دیوتا تو امیر رومنوں جیسے تھے اور انہیں غلاموں کی زندگیوں سے کوئی غرض نہ تھا۔ یہ انسان نما کمتر لوگ تھے، غلام تھے، ننگ دھڑنگ غلام جو منڈی میں گدھے سے بھی سستی قیمت پر خریدے یا بیچے جاتے تھے، جن کے کندھے سواری کے لئے استعمال ہوتے تھے اور جو رئیسوں کے کھیتوں میں ہل کھینچتے تھے مگر کیسے دیوتھے وہ!۔

وہ یونس جس نے جزیرے پر سے ہر غلام کو آزاد کیا اور موت سے قبل تین رومن فوجی دستوں کو تباہ وبرباد کردیا۔ وہ یونان کا ایتھینیون، تھریس کا رہنے والا سالوئیس، جرمن انڈارٹ اور حیران کن یہودی بن جوش جو کارتھیج سے ایک کشتی میں فرار ہوکر اپنے سارے عملے سمیت ایتھنیون سے جا مِلا

تھا۔

اِن ہیروؤں کے قصّے سُنتے ہوئے سپارٹیکس کا سَر فخر سے بلند ہوجاتا اور اِن مرے ہوئے ہیروؤں کے لئے اس کے دِل میں بھائی بندی اور ساتھی گیری کا عظیم اور شفاف احساس پیدا ہوجاتا۔ اس کے یہ ساتھی اس کا دِل جیت چکے تھے، وہ انہیں اچھی طرح جانتا تھا کہ ان کے احساسات کیا تھے، وہ کیسے خواب دیکھا کرتے تھے اور وہ کس مقصد کے لئے زندہ رہے۔ نسل، شہر اور ریاست بے معنی چیزیں تھیں۔ اُن کا رشتہ تو عالمگیر تھا۔ پھر بھی عظیم بغاوتیں کرنے کے باوجود وہ ہمیشہ ناکام ہوگئے، ہمیشہ رومن انہیں صلیبوں پر میخوں کے ذریعے گاڑتے رہے، ایک نیا درخت نیا میوہ۔ تاکہ سب دیکھ سکیں کہ جب غلام، غلام نہیں رہتا تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟۔

''آخر میں ہمیشہ یہی ہوتا تھا''۔ کرکسس نے کہا.....

اور جب تک کرکسس گلیڈیئٹر رہا، وہ ماضی کے بارے میں بہت کم بات کرتا تھا۔ اس لئے کہ نہ تو ماضی اور نہ ہی مستقبل گلیڈیئٹر کی مدد کرسکتے ہیں۔ اس کے لئے حال ہی سب کچھ تھا۔ کرکسس نے اپنے گرد خشک مزاجی کی ایک دیوار کھڑی کردی تھی اور صرف سپارٹیکس ہی اس دیوہیکل گال کے تلخ حصار کو چھیڑنے کی جرأت کرتا تھا۔ ایک بار کرکسس نے اس سے کہا تھا۔

''سپارٹیکس! تم بہت سارے دوست بناتے ہو۔ اور کسی دوست کو قتل کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لئے مجھے اکیلا چھوڑ دو''۔

اِس صبح ڈرِل کے بعد صبح کے کھانے پر جانے سے پہلے انہیں احاطے میں جمع کیا گیا۔ پسینے بہاتے ہوئے گلیڈیئٹرز چھوٹے گروپوں کی صورت میں کھڑے تھے یا آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ باڑ پر لٹکے ہوئے دو مردہ افریقیوں کی موجودگی کی وجہ سے ان کی باتیں مدھم پڑ گئی تھیں۔ ایک کے نیچے سے تازہ خُون بہہ رہا تھا جسے دوسرے کی خاطر سزا کی علامت بنا دیا گیا تھا۔ خونی پرندے اس پر جھپٹ رہے تھے اور چونچ مار مار کر گوشت کھا رہے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ یہ تو ابتدا ہے۔ باتیاتس جس قدر جلد ممکن ہوا انہیں ٹھیکے پر لڑوا تا جائے گا۔ یہ بہت بُرا وقت تھا۔

سپاہی، نالے کے اُس پار درختوں کے ایک جھنڈ تلے کھانا کھانے گئے ہوئے تھے۔ سپارٹیکس

احاطے میں سے انہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ لوگ زمین پر چوڑے ہوکر پڑے تھے، ان کے ہیلمٹ سروں پر سے اُترے ہوئے تھے اور اُن کے بھاری ہتھیار ایک طرف انبار کی صورت میں رکھے ہوئے تھے۔ اُس نے ان پر سے اپنی نگاہیں نہیں ہٹائیں۔

''تم کیا دیکھ رہے ہو؟''۔ گانیکس نے پوچھا۔ وہ غلاموں کی حیثیت سے بہت عرصہ تک اکٹھے رہ رہے تھے۔ وہ اس وقت سے اکٹھے تھے جب وہ بچے تھے اور کانوں میں کام کررہے تھے۔

''مجھے نہیں معلوم''۔

کرکسس کو چُپ لگ گئی تھی۔ اس کے اندر تشدد کافی عرصہ ہوا دب گیا تھا۔

''سپارٹیکس! تم کیا دیکھ رہے ہو؟''۔ اس نے بھی پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم''۔

''تمہیں سب معلوم ہے۔ اسی لئے تو تھریشین تمہیں باپ کہہ کر پکارتے ہیں''۔

''جس سے تم نفرت کرتے ہو''۔

''سپارٹیکس، کیا سیاہ فام بھی تمہیں باپ کہتا تھا؟ تم اس سے لڑے کیوں نہیں؟ جب ہماری باری آئے گی تو کیا تم مجھ سے لڑو گے؟''۔

''میں اب کسی گلیڈیئٹر سے نہیں لڑوں گا''۔ سپارٹیکس نے خاموشی سے جواب دیا۔

''مجھے یہ بات معلوم ہے۔ تھوڑی دیر پہلے مجھے یہ بات معلوم نہ تھی مگر اب مجھے یہ معلوم ہے''۔

نصف درجن غلاموں نے اس کے الفاظ سُنے۔ وہ اب اس کے قریب جمع ہوگئے۔ وہ اب سپاہیوں کی بجائے گلیڈیئٹرز کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک کے بعد دوسرے چہرے کو تک رہا تھا۔ نصف درجن گلیڈیئٹرز آٹھ ہوگئے، پھر دس ہوگئے اور پھر بارہ ہوگئے۔ مگر وہ پھر بھی خاموش تھا۔ لیکن دوسروں کی خاموشی رخصت ہوچلی تھی۔ ان کی آنکھوں میں مطالبہ کرنے والی چمک تھی۔ وہ اُن کی آنکھوں میں یہ بات دیکھ رہا تھا۔

''باپ! ہم کیا کریں؟''۔ گانیکس نے پوچھا۔

''جب وقت آئے گا تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم کیا کریں گے۔ اس وقت تم الگ الگ ہوجاؤ''۔

اب پھر وقت کی طوالت بڑھ گئی اور تھریشین غلام کے لئے ایک لمحہ ہزار سال کا ہو گیا۔ مگر جو کچھ پُورے ایک ہزار برس تک نہیں ہوا تھا، وہ اب اگلے چند گھنٹوں میں ہونے والا تھا۔ اب وہ ایک بار پھر غلام تھے، غلامی کے قصاب، غلامی کے ڈھیر۔ وہ احاطے کے دروازوں تک گئے اور وہاں سے انہوں نے صبح کا کھانا کھانے کے لئے میس کے ہال کی طرف مارچ کیا۔

یہاں پر ان کا سامنا باتیاتس سے ہوا جو اپنی ڈولی میں بیٹھا ہوا تھا، جسے آٹھ غلام اُٹھائے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ خوبصورت اور مہذب منشی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سودا سلف خریدنے کا پوّا کی منڈی جا رہے تھے۔ جب وہ گلیڈیئٹروں کی قطاروں کے سامنے سے گزرے تو باتیاتس نے دیکھا کہ وہ کس قدر ڈسپلن کے ساتھ مارچ کر رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ ایک افریقین کی قربانی گو کہ غیر معمولی اصراف تھا لیکن تھا بہت ضروری۔

اس وقت باتیاتس زندہ تھا اور اس کا منشی بھی وقت آنے پر اپنے مالک کا گلا کاٹنے کے لئے زندہ تھا۔

7

کھانے کے ہال میں گلیڈیئٹرز آ گئے۔ وہاں جو واقعہ پیش آیا اُس کے بارے میں صحیح طور پر نہ تو جانا جا سکتا ہے، نہ بتایا جا سکتا ہے، اس لئے کہ غلاموں کی مہمات کو درج کرنے کے لئے کوئی موّرخ نہیں ہوتے تھے، نہ ہی ان کی زندگیوں کو ریکارڈ کرنے کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ جب غلاموں کا کوئی کارنامہ تاریخ میں جگہ پا جاتا تو یہ تاریخ بھی وہی شخص مرتب کرتا تھا جو غلاموں کا مالک ہوتا تھا، جو غلاموں سے خوف زدہ تھا اور اُن سے نفرت کرتا تھا۔

مگر ورینیا نے باورچی خانے میں کام کرتے ہوئے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بہت عرصہ بعد اس نے یہ قِصّہ دوسروں کو بتایا اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اگر کسی ایسی چیز کی شاندار گھن گرج کی آواز دَب بھی جائے تو یہ مکمل طور پر ختم نہیں ہو سکتی۔

یہ ہال باتیاتس نے خود تعمیر کروایا تھا۔ رومن عمارتیں روایتی طرز پر تعمیر کی جاتی تھیں۔ مگر بڑے

پیمانے پر گلیڈیئٹرز کی تربیت اور لڑانے کا فن نیا تھا۔ اتنے بڑے پیمانے پر انہیں تربیت دینا اور کنٹرول کرنا ایک نیا مسئلہ تھا۔ باتیاتس نے پتھر کی بنی ہوئی ایک پُرانی دیوار دیکھی اور اس کے تین اطراف تعمیر کرائے۔ اس پر پُرانی طرز کی چھت ڈال دی گئی۔ یعنی آٹھ فٹ چوڑا لکڑی کا ایک چھپر اندر کی طرف بڑھا دیا گیا تھا۔ درمیانی حِصّہ کھُلا چھوڑا گیا تھا۔ درمیانی کھلی جگہ کے ساتھ ساتھ پرنالہ لگا دیا گیا تھا۔ تاکہ بارش کا پانی باہر جا سکے۔ تعمیر کا یہ طرز ایک صدی پہلے عام تھا۔ گلیڈیئٹرز چھپر کے سائے میں آلتی پالتی مار کر کھانا کھاتے تھے۔ مرکزی حِصّے میں تربیت کرنے والے کھڑے ہو کر سارے اطراف پر نگاہ رکھ سکتے تھے۔ چوکور عمارت کے ایک سرے پر باورچی خانہ تھا، دوسری طرف لکڑی کے بڑے بڑے دروازے تھے۔ جب گلیڈیئٹر اندر داخل ہو چکتے تو یہ دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔

اس روز حسبِ معمول گلیڈیئٹر اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے اور باورچی خانے کے غلام (جو تقریباً سب عورتیں تھیں) انہیں کھانا کھلانے لگیں۔ چار تربیت دہندگان وسطی حِصّے پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے پاس خنجر اور تہہ کئے ہوئے چمڑے کے کوڑے تھے۔ دروازوں کو باہر سے سپاہیوں نے کنڈی لگا دی تھی جو اسی کام پر معمور تھے۔ باقی سپاہی تقریباً سو گز کے فاصلے پر درختوں کے ایک جھُنڈ کے نیچے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

یہ سارا منظر سپارٹیکس نے دیکھا اور دماغ میں بٹھا لیا۔ اس نے بہت کم کھایا۔ اس کا منہ خشک تھا اور دِل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے دماغ میں کوئی عظیم تصوّر نہیں آ رہا تھا۔ اور وہ مستقبل کو دوسروں ہی کی طرح دیکھ رہا تھا۔ مگر کچھ لوگ کسی ایسے نکتے تک پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ خود سے کہتے ہیں۔

''اگر میں فلاں کام نہیں کروں گا تو میری زندگی اور وجود کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا''۔ اور جب بہت سارے لوگ اس طرح کے نکتے پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر زمین دہل جاتی ہے۔

آج زمین غروبِ آفتاب سے پہلے دہل جانے والی تھی، قبل اس کے کہ صبح دوپہر اور پھر رات ڈھلنے کا راستہ دیتی۔ مگر سپارٹیکس کو اس کا پتہ نہ تھا۔ اسے صرف اگلے اقدام کا پتہ تھا اور وہ اقدام تھا

گلیڈ ئیٹروں سے گفتگو کرنے کا۔ جب وہ اس کا ذکر کرکسس سے کر رہا تھا تو اس کی نظر اپنی بیوی وریناپر پڑی جو آگ کے سامنے کھڑی اسے تک رہی تھی۔ دوسرے گلیڈ ئیٹرز بھی اسے دیکھ رہے تھے۔ ڈیوڈ نامی یہودی اس کے ہونٹوں کی جنبش سے بات سمجھ گیا۔ گانیکس نے اپنا کان اس کے قریب کر دیا۔ فراکسس نامی ایک افریقن اس کی بات سُننے قریب آ گیا۔

''میں کھڑا ہو کر تقریر کرنا چاہتا ہوں''۔ سپارٹیکس نے کہا۔ ''میں جی بھر کر بات کرنا چاہتا ہوں۔ مگر جب میں تقریر کرنے لگوں گا تو پھر پیچھے نہیں ہٹوں گا جبکہ تربیت دینے والے مجھے روکنے کی کوشش کریں گے''۔

''وہ تمہیں نہیں روک سکیں گے''۔ سُرخ سر والے گال نے کہا۔

دوسرے سرے تک حرکت ہوئی۔ دو تربیت دہندگان سپارٹیکس اور اس کے گرد جمع ہونے والے آدمیوں کی طرف بڑھے۔ انہوں نے اپنے کوڑے سنبھال لئے اور خنجر سونت لئے۔

''تقریر شروع کرو'' گانیکس چلّایا۔

''کیا ہم کہتے ہیں کہ تم اپنی چابکیں پر ہم تانتے ہو؟'' افریقین نے کہا۔

سپارٹیکس کھڑا ہو گیا اور درجنوں گلیڈ ئیٹر اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ تربیت دینے والے اپنے خنجروں اور کوڑوں سمیت اس کی طرف بڑھے۔ مگر گلیڈ ئیٹر اُن پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہیں قتل کر ڈالا۔ عورتوں نے باورچی کو مار ڈالا۔ اس سارے کام کے دوران معمولی شور ہوا۔ محض گلیڈ ئیٹروں کی دبی ہوئی غراہٹ کی آوازیں نکلیں۔ پھر سپارٹیکس نے ملائمت، آہستگی اور دھیمے لہجے میں کرکسس، گانیکس، ڈیوڈ اور فراکسس کو اپنا پہلا حکم جاری کر دیا۔

''دروازے پر جاؤ اور اس کی حفاظت کرو تا کہ میں تقریر کر سکوں''۔

انہوں نے لمحہ بھر توقف کیا۔ پھر حکم کی تعمیل کی اور بعد میں جب اس نے ان کی قیادت کی تو انہوں نے ہمیشہ اس کا کہا مانا۔ وہ اس سے محبت کرتے تھے۔ کرکسس کو معلوم تھا کہ وہ مر جائیں گے مگر انہیں اس کی پرواہ نہ تھی۔ ڈیوڈ نے جو ایک عرصے سے بے حس تھا، اس عجیب و غریب، شریف اور بدصورت تھریشین کی جانب گرمجوشی اور محبت کے جذبات محسوس کئے، جس کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی اور

جس کا چہرہ بھیڑ جیسا تھا۔

8

''میرے قریب آؤ''۔ اُس نے کہا۔

انہوں نے فوراً تعمیل کی۔ باہر پہرے پر کھڑے ہوئے سپاہیوں کی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ سارے گلیڈ ئیٹرز اور باورچی خانے کے غلام (30 عورتیں اور 2 مرد) اس کے گرد جمع ہو گئے۔ وریناپر اس کی طرف خوف، امید اور مرعوب انداز میں تک رہی تھی، وہ اس کی طرف کھسکتی جا رہی تھی۔ انہوں نے اسے راستہ دیا۔ وہ اُس تک گئی۔ سپارٹیکس نے ایک بازو اس کے کندھے پر رکھا اور اپنے پہلو سے بھینچا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

''مَیں آزاد ہوں۔ میرے باپ اور دادا کو آزادی کا ایک لمحہ تک نصیب نہ ہوا۔ مگر ٹھیک اس وقت میں ایک آزاد انسان کی حیثیت سے یہاں کھڑا ہوں''۔ یہ احساس اسے مسحور کئے جا رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے شراب پی رکھی ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ خوف کا احساس بھی تھا۔ آزاد ہونا آسان بات نہیں ہے۔ آزاد ہونا معمولی بات نہیں ہے، جبکہ آپ ایک لمبے عرصے تک غلام رہے ہوں۔ اس سارے عرصے تک جسے آپ جانتے ہیں اور اس سارے عرصے تک جسے آپ کا باپ جانتا تھا۔

سپارٹیکس کے اندر ایک ایسے مضبوط اور فتح مند انسان کی سی ہیبت بھی تھی جس نے ایک اٹل فیصلہ کیا ہو، اور جسے معلوم ہو کہ اس کے راستے کے ہر قدم پر موت اس کا انتظار کر رہی ہے۔ آخری سوال اس کے دِل میں یہ تھا کہ اس کے گرد کھڑے یہ لوگ جن کا کام ہی قتل کرنا ہے، انہوں نے اپنے مالکوں کو قتل کر دیا تھا۔ ان کے دلوں میں شکوک بھرے ہوئے ہیں۔ ایسے شکوک جو ایسے غلام کے دِل میں پیدا ہوتے ہیں، جو اپنے مالک سے ٹکر لے چکا ہو۔ ان کی نظریں اس پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ وہی شریف النفس تھریشین کان کن تھا، جو جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے۔ وہ ان کے قریب آیا

چونکہ وہ حد درجہ توہم پرست اور جاہل تھے، جیسے کہ اس زمانے کے سارے لوگ تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ جیسے کسی رحمدِل دیوتا نے انہیں چھولیا ہو۔ لہٰذا وہ مستقبل کی تدبیر کرسکتا ہے اور اسے اس طرح پڑھ سکتا ہے جیسے کوئی شخص کتاب پڑھتا ہو۔ وہ مستقبل کی طرف ان کی قیادت کرسکتا ہے۔ اور اگر ایسا کرنے کے لئے راہ نہ ہو تو وہ راستے پیدا کرسکتا ہے۔ یہ سب کچھ اسے اُن کی آنکھوں نے بتایا ۔ یہ سب کچھ اُس نے اُن کی آنکھوں سے پڑھا۔

''کیا تم میرے لوگ ہو؟''۔ جب وہ اس سے لگ کے کھڑے ہوگئے تو اُس نے پوچھا۔

''مَیں دوبارہ کبھی گلیڈ ئیٹر نہیں بنوں گا۔ مَیں سب سے پہلے اپنی جان دے دوں گا۔ کیا تم میرے لوگ ہو؟''۔

کچھ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں اور وہ اس کے اور قریب ہوگئے۔ کچھ زیادہ اور کچھ کم، مگر اس نے انہیں اعتماد بخش دیا تھا۔ یہ عظیم بات تھی۔

''اب ہمیں رفیق اور ساتھی بننا چاہئیے''۔ اس نے کہا۔

''اور ایک فرد کی مانند متحد ہونا چاہئیے۔ پُرانے زمانے میں میرے لوگوں میں رواج تھا کہ جب وہ لڑنے کے لئے باہر جاتے تھے تو وہ خود اپنی مرضی سے ایسا کرتے تھے۔ رومنوں کی طرح نہیں، بلکہ خود اپنی رضا سے۔ اور اگر کوئی شخص لڑنا نہ چاہتا تو وہ اُس علاقے کو چھوڑ کر دُور چلا جاتا تھا اور لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے''۔

''ہم کیا کریں گے؟''۔ کسی نے پُکار کر پوچھا۔

''ہم باہر نکلیں گے اور لڑیں گے، ہم ایک اچھی لڑائی لڑیں گے کیونکہ ہم ساری دُنیا میں بہترین لڑائی جانتے ہیں''۔ اچانک اُس کی آواز بلند ہوگئی اور اس کے شریفانہ طرز کی بجائے اس کی آواز وحشت ناک حد تک بلند ہوگئی۔ یقیناً باہر سپاہی اُس کی آواز سُن رہے تھے۔

''ہم جوڑوں کی لڑائی لڑیں گے تاکہ روم کی تاریخ میں کاپوا کے گلیڈ ئیٹرز بُھلائے نہ جاسکیں''۔

ایک وقت آجاتا ہے جب لوگوں کو وہ کام کرگزرنا ہی پڑتا ہے، جو انہیں کرنا ہوتا ہے۔ وریینا کو یہ بات معلوم تھی اور اسے مُسّرت انگیز فخر محسوس ہو رہا تھا، ایسا افتخار جو اس نے پہلے کبھی محسوس نہ کیا تھا۔ وہ خوشی سے مخمور تھی اس لئے کہ اس کا خاوند ایک ایسا شخص تھا جس کا ثانی پُوری دُنیا میں نہ تھا۔ وہ سپارٹیکس کو جانتی تھی، اُس سپارٹیکس کو جس کے بارے میں بعد میں پُوری دنیا جاننے والی تھی۔ مگر یہ بات پوری سچائی نہ تھی کہ وہ اُسے جانتی تھی۔ اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ یہ کسی لامتناہی عظیم چیز کی شروعات ہیں۔ وہ اتنا جانتی تھی کہ اس کا خاوند ایک شریف، شفاف اور لاثانی مرد تھا۔

9

''پہلے پہل سپاہی!''۔ سپارٹیکس نے کہا۔

''ایک سپاہی کے مقابلے میں ہم پانچ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ وہ بھاگ جائیں''۔

''وہ بھاگیں گے نہیں''۔ اس نے ناراضگی سے جواب دیا۔ ''تمہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ سپاہی بھاگیں گے نہیں۔ یا وہ ہمیں قتل کردیں گے یا ہم انہیں۔ اور اگر ہم انہیں قتل کردیں گے تو دوسرے آجائیں گے۔ رومن سپاہ کی تعداد ناقابلِ اختتام ہے''۔

جب انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔

''غلاموں کی تعداد بھی ناقابلِ اختتام ہے''۔

انہوں نے جلدی جلدی اپنی تیاری مکمل کی۔ مردہ تربیت دہندگان کے چاقو اٹھالئے، باورچی خانے سے ہتھیار کے طور پر استعمال ہوسکنے والی ہر چیز اٹھائی۔ چاقو، غلہ پیسنے کے دستے، بڑے بڑے لکڑی کے ڈانگ۔ انہوں نے جلانے والی لکڑیاں بھی اٹھالیں۔ ایک شخص کو جب اور کچھ نہ مِلا تو اس نے ایک ہڈی اُٹھالی۔ دیگچیوں کے ڈھکنے ڈھال کے طور پر استعمال کے لئے اُٹھائے گئے۔ وہ بہرحال اب مسلح تھے۔ پھر انہوں نے بڑے بڑے گیٹ کھول دیئے اور لڑنے کے لئے باہر نکلے۔

انہوں نے پھرتی سے یہ سارا کام کیا مگر اتنی تیزی سے بھی نہیں کہ سپاہیوں کو حیرت میں ڈال سکیں۔ دونوں پہرے دار سپاہیوں نے انہیں خبردار کردیا تھا اور سپاہی اپنے ہتھیار سنبھال چکے تھے۔ انہوں نے دس دس کے چار پلاٹون بنالئے اور یُوں نالے کے اُس پار چالیس سپاہی، دو افسر اور درجن کے قریب تربیت دینے والے نیزوں، تلواروں اور ڈھالوں سے مسلح ہوکر پوزیشن سنبھال

چکے تھے۔اس طرح چوّن مسلح افراد کا سامنا دوسونگ دھڑنگ اور تقریباً نہتے گلیڈ ئیٹرز سے تھا۔ یہ برابر کا جوڑ ہرگز نہیں تھا۔سپاہیوں کا پلّہ بھاری تھا۔سپاہی، وہ بھی رومن سپاہی' جن کے سامنے دُنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی تھی۔انہوں نے اپنے نیزے بلند کئے اور ڈبل مارچ کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔صبح کی خنک ہوا میں ان کے افسروں کا آرڈر بلند اور صاف طور پر سنائی دے رہا تھا۔وہ اس طرح آگے بڑھ رہے تھے جیسے ایک جھاڑو اپنے سامنے کی گندگی کو صاف کرتا ہے۔ان کے بھاری بوٹ نالے کے پانی کو چھیدتے ہوئے گزر رہے تھے۔نالہ پار کرتے ہوئے رَاہ میں اُگے جنگلی پھول ایک طرف کو جھک گئے تھے۔آس پاس کے دوسرے غلام اِس نایاب واقعہ کو دیکھنے کے لئے غول درغول جمع ہو رہے تھے۔خوفناک نیزے بازو موڑ کر رکھ رہے تھے۔ان کے آہنی سرے سورج کی شعاعوں سے چمک رہے تھے۔الغرض، یہ چار دستے روم کی طاقت کا مظاہرہ تھے۔ جنہوں نے غلاموں کو شکست دے کے بھگا دینے کا مُصمّم ارادہ کر رکھا تھا۔وہ خاک کو خاک میں ملانے اور غلاظت کو غلاظت میں ملانے کی ٹھان چکے تھے۔

مگر اس لمحے رُوم کی قوت مجبُور تھی، سپارٹیکس کمانڈر بن چکا تھا۔ایک ایسے آدمی کی جو دوسرے لوگوں کی رہنمائی کرے کوئی خاص تعریف تو میسر نہیں' مگر لیڈر شپ نایاب وغیر محسوس وصف کا نام ہے۔خصوصاً اُس وقت جب اس کی پشت پر طاقت اور تمکنت موجود نہ ہو۔احکامات تو ہر کوئی دے سکتا ہے مگر احکامات ایسے کہ دُنیا کے دوسرے سنیں، ایک صفت ہوتی ہے اور یہی صفت سپارٹیکس کی تھی۔اس نے گلیڈ ئیٹرز کو پھیل جانے کا حکم دیا اور وہ پھیل گئے۔اس نے دستوں کے اردگرد دائرہ بنانے کا حکم دیا اور دائرہ بن گیا۔اب چاروں دستوں کی رفتار کم ہوگئی، ان کی قوتِ فیصلہ جواب دے گئی۔وہ رُک گئے۔دُنیا کا کوئی سپاہی گلیڈ ئیٹرز کی رفتار کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جہاں سُبک رفتاری زندگی تھی اور زندگی سُبک گامی۔لٹکتے ہوئے چیتھڑوں کے علاوہ یہ غلام بالکل ننگے تھے جبکہ رومن سپاہی تلواروں، نیزوں، ڈھالوں، ہیلمٹ اور زرہ بکتر کے وزن تلے دبے جا رہے تھے۔گلیڈ ئیٹرز نے دوڑ کر تقریباً ڈیڑھ سو گز کا دائرہ بنالیا۔دستے درمیان میں تھے، جو نیزے اٹھائے یہاں وہاں مڑ رہے تھے۔نیزہ جو تیس چالیس گز سے زیادہ فاصلے کے لئے بے کار اسلحہ ثابت ہوتا ہے۔رومن تیر صرف

ایک بار چلایا جا سکتا تھا، سپاہیوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کونسا اسلحہ استعمال کیا جائے۔

اور اس دوران سپارٹیکس اپنا داؤ پیچ وضع کر چکا تھا۔یہ داؤ پیچ آنے والے سالوں تک کے لئے بھی تھا۔اس کی سمجھ میں اُن بیرونی افواج کے انجام کی دلیل آ گئی۔جنہوں نے خود کو روم کے نیزوں پر پھینک دیا تھا اور جو روم کے نیزے کا شکار ہوگئی تھیں۔اور رومن تلوار کی تیز دھار نے کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔مگر یہاں چیختے چلاتے، کوستے، للکارتے ہوئے اور ننگ دھڑنگ گلیڈ ئیٹروں کے دائرے کے درمیان روم کا ڈسپلن اور روم کی طاقت بے بس ہوگئی تھی۔

''پتھر'' سپارٹیکس چلایا۔''پتھر۔ہمارے لئے پتھر لڑیں گے''۔وہ دائرے کے گرد شان سے دوڑ رہا تھا۔

''پتھر پھینکو''۔

اور پتھروں کی بارش میں سپاہی ڈوب گئے۔پُوری فضا میں اڑتے ہوئے پتھر نظر آ رہے تھے۔ عورتیں' گھروں میں کام کرنے والے غلام' اور کھیتوں میں کام کرنے والے غلام دوڑ دوڑ کر اس دائرے میں شامل ہو رہے تھے، سپاہیوں نے ڈھالوں کے ذریعے اس تابڑ توڑ حملے سے خود کو بچانے کی بہت کوشش کی۔مگر اس سے گلیڈ ئیٹروں کو موقع ملا کہ وہ لپک کر آئیں، کاٹیں اور بھاگیں۔ایک دستے نے تیر کمان سنبھال لئے۔ایک گلیڈ ئیٹر کو یہ خوفناک ہتھیار لگا۔مگر باقی گلیڈ ئیٹروں نے اس دستے پر دھاوا بول دیا اور تقریباً نہتے ہاتھوں سے سپاہیوں کو موت کی نیند سلا دیا۔سپاہی بھی خُوب لڑے۔

دو دستوں نے ایک دائرہ بنالیا اور گو کہ پتھروں کی بارش اور بھیڑیوں کے غول کی مانند گلیڈ ئیٹروں کے حملے کے بعد صرف چند ایک اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکے تھے، پھر بھی وہ اس وقت تک لڑتے رہے جب تک کہ مر نہ گئے۔چوتھے دستے نے دائرے میں سے راستہ بنا کر بھاگ جانے کی کوشش کی مگر ایک ایسے داؤ پیچ کے سامنے دس کی تعداد ہی کیا ہوتی ہے۔چنانچہ انہیں گرا کر ذبح کیا گیا۔تربیت دینے والوں کو بھی تہہ تیغ کر دیا گیا۔دو تربیت دینے والوں نے رحم کی بھیک مانگی مگر غلاموں نے پتھر مار مار کر انہیں ہلاک کر دیا۔

یہ عجیب وغریب لڑائی جو کھانے کے ہال کے قریب شروع ہوئی تھی، سکول کے گراؤنڈ اور کاپوا کی سڑک تک پھیل گئی، جہاں پر آخری سپاہی کو جالیا گیا اور قتل کیا گیا۔ پورے طول وعرض میں لاشیں اور زخمی بکھرے پڑے تھے۔ 54 رومن سپاہی، تربیت دہندگان اور باقی گلیڈیئٹرز کی لاشیں۔

مگر یہ تو محض ابتدا تھی۔ فتح مندی کے جذبات میں مخموری کی محض ابتدا۔ اونچی سڑک پر کھڑا سپارٹیکس دُور فاصلے پر کاپوا کی دیواریں دیکھ سکتا تھا۔ دوپہر کی دُھوپ میں شہر، دھندزدہ سنہرے رنگ کا لگ رہا تھا۔ وہ گیریزن کے ڈھول پٹنے کی آوازیں سن سکتا تھا۔ اب ستانے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ بات پھیل چکی تھی اور کاپوا کے گیریزن میں سپاہی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ پُوری دُنیا پھٹ پڑی تھی۔

وہ سڑک پر کھڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف خُون ہی خون تھا، موت ہی موت تھی۔ اس کے دماغ میں تند وتیز مگر شاندار سوچیں جنم لے رہی تھیں۔ اس نے سُرخ سر والے گال، کرکسس کو دیکھا جو ہنس رہا تھا، گانیکس کو دیکھا جو شاداں تھا، یہودی ڈیوڈ کو دیکھا جس کے چاقو پر خُون تھا اور آنکھوں میں زندگی تھی۔ عظیم الجثہ افریقی پُرسکون تھے اور جنگی گیت بڑبڑا رہے تھے۔ پھر اس نے ورینیا کو اپنے بازوؤں میں اُٹھالیا۔ دوسرے گلیڈیئٹر اپنی بیویوں کو چُوم رہے تھے۔ اور ہنس رہے تھے جبکہ گھریلو غلام باتیاتس کی شراب سے بھرے ہوئے مشکیزے لئے دوڑتے ہوئے آئے۔ زخمی بھی اپنے زخموں کو بھُول چکے تھے اور درد کی کراہوں کا گلا دبا رہے تھے۔

جرمن عورت سپارٹیکس کو تک رہی تھی۔ وہ بیک وقت ہنس بھی رہی تھی اور رو بھی رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے، بازوؤں اور اس کے ہاتھ کو چھُو رہی تھی، جس میں اس نے چاقو پکڑ رکھا تھا۔ شراب کے مشکیزوں کے منہ کھل رہے تھے۔ سپارٹیکس نے انہیں منع کر دیا۔ اگر وہ شراب پیتے تو مدمست ہو جاتے، لڑکھڑا جاتے اور تاریخ میں اُن کا نام ونشان نہ رہتا۔ سپاہی کاپوا کے دروازوں سے مارچ کرتے ہوئے نِکل رہے تھے۔ مگر سپارٹیکس نے انہیں یہ موقع نہ دیا۔ اس نے گانیکس کو مردہ سپاہیوں کا اسلحہ لینے کا حکم دیا اور افریقن نارڈو کو یہ دیکھنے بھیجا کہ آیا اسلحہ خانہ توڑا جا سکتا ہے؟ اس کی نرم گفتاری اب معدوم ہو چکی تھی۔ اب وہ گلیڈیئٹرز کو بحفاظت نکالنے کی تدابیر سوچ رہا تھا۔ مکمل یک

سوئی اور سرگرمی سے۔ لگتا تھا کہ اس کی پُوری زندگی اس فریضے کے لئے وقف ہو چکی ہو۔ اس نے اپنا سارا صبر وتحمل اُس دن کی تیاری کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اس نے صدیوں تک انتظار کیا۔ اس دن کا تو وہ اس روز سے منتظر تھا، جب دنیا میں اولین غلام کو بیڑی ڈال کر، کوڑے مار کر لکڑیاں کاٹنے اور کھیتوں میں پانی دینے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اب اس جنگ سے اس کا منہ موڑا نہیں جا سکتا تھا۔

پہلے اس نے اُن سے پوچھا۔

''رومن اسلحہ کون استعمال کر سکتا ہے؟ نیزے سے لڑنا کون جانتا ہے؟''۔ اب وہ انہیں حکم دے رہا تھا۔ اس نے چار دستوں پر مشتمل فوج تیار کر لی۔

''میں عورتوں کو اندر کی طرف رکھنا چاہتا ہوں''۔ اس نے کہا ''انہیں باہر ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ نہ انہیں لڑایا جائے گا''۔

عورتوں کے غضبناک ردِعمل نے اسے حیران کر دیا۔ یہ غصہ مردوں کی بہ نسبت زیادہ غضبناک تھا۔ وہ لڑنا چاہتی تھیں، وہ لڑائی میں حصہ لینے کا مطالبہ کرتے ہوئے رو رہی تھیں۔ انہوں نے کچھ چاقو مانگے مگر جب اس نے انکار کیا تو انہوں نے اپنے دامن پتھروں سے بھر لئے تاکہ اُن کے ذریعے لڑ سکیں۔

سکول کے نزدیک پہاڑوں کے ڈھلوانوں میں کھیت تھے۔ کھیتوں میں کام کرنے والے غلاموں نے جب یہ دیکھا کہ ایک مختلف، دہشت ناک اور زبردست واقعہ پیش آیا تو وہ پتھر کی دیواروں پر اور درختوں کے نیچے یہاں وہاں آ کر جمع ہو گئے۔ انہیں دیکھ کر سپارٹیکس کو ایک روشن مستقبل نظر آیا۔ اس نے ڈیوڈ نامی یہودی کو بلایا اور احکامات دیئے۔ یہودی ان کھیت غلاموں کی طرف دوڑا۔ سپارٹیکس کا اندازہ غلط نہ تھا کیونکہ کھیت غلاموں کی تین چوتھائی تعداد ڈیوڈ کے ساتھ آ رہی تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے آئے، گلیڈیئٹروں کو سلیوٹ کیا اور انکے ہاتھ چُومے۔ وہ اپنے پھاوڑے لئے ہوئے تھے اور یہی پھاوڑے اب اسلحہ بن چکے تھے۔

اُس وقت تک افریقی بھی واپس آ گئے۔ وہ بڑے اسلحہ خانے کو تو نہ توڑ سکے۔ کیونکہ اس میں کم از کم آدھ گھنٹہ لگ جاتا۔ مگر وہ سہ شاخوں کا ذخیرہ توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ سپارٹیکس نے یہ

نیزے افریقیوں میں تقسیم کئے۔ افریقیوں نے انہیں چُوما، سہلایا اور ان کو سامنے رکھ کر عجیب بولی میں عجیب عہد کیا۔

حالانکہ اس سارے کام میں بہت تھوڑا وقت لگا تھا مگر سپارٹیکس کو جلدی کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ اس جگہ سے، سکول سے اور کاپوا سے دور ہٹنا چاہتا تھا۔

''میرے پیچھے چلو'' وہ چلایا۔ ''میرے پیچھے آؤ''۔ وریینیا اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ انہوں نے سڑک چھوڑ دیا اور کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے پہاڑیاں چڑھنے لگے۔

''مجھے کبھی پیچھے نہ چھوڑنا، مجھے کبھی نہ چھوڑنا''۔ وریینیا نے کہا۔

''میں بھی اتنا لڑ سکتی ہوں جتنا ایک مَرد لڑ سکتا ہے''۔

اب انہیں کاپوا کی طرف سے آتے ہوئے سپاہی سڑک پر نظر آئے۔ ان کی تعداد دو سو تھی۔ وہ ڈبل مارچ کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ انہوں نے گلیڈیٹروں کو پہاڑوں پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔ ان کے افسروں نے پوزیشنیں سنبھالنے کا حکم دیا اور انہوں نے کھیتوں میں پوزیشنیں سنبھال لیں۔ غلاموں کی بغاوت کو کُچلنے اور بغیر پیسہ خرچ کئے جوڑوں کی لڑائی کا نظارہ کرنے شہر کے لوگ دروازوں سے نکل رہے تھے۔

اس بغاوت نے یہیں ختم ہونا تھا، یا ایک گھنٹہ قبل یا پھر ایک ماہ بعد۔ بے شمار اور لامتناہی مواقع میں سے کسی ایک موقع پر تو انہیں شکست ہونا ہی تھا۔ بلکہ وہ تو پہلے ہی شکست کھا چکے تھے۔ اس لئے کہ اگر یہ غلام بھاگ بھی جاتے تو جانوروں کی طرح چَر کر اور جنگلی پھل کھا کر زندہ رہنے پر مجبور ہو جاتے۔ پھر انہیں ایک ایک کر کے شکار کر لیا جاتا اور ایک ایک کر کے صلیب پر چڑھایا جاتا۔ دُنیا بنی ہی اسی ڈھنگ سے تھی کہ غلام کے لئے جائے پناہ کہیں بھی نہ تھی۔ جس وقت سپارٹیکس گیریزن کے سپاہیوں کو اپنی طرف دوڑتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت اسے اس سادہ سی حقیقت کا اچھی طرح علم ہو چکا تھا۔ چھپنے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی اور گھُسنے کے لئے کوئی بل نہ تھا۔ دُنیا ہی کو بدلنا اشد ضروری ہو گیا تھا۔

اس نے بھاگنا بند کر دیا اور کہا۔

''ہم سپاہیوں کا مقابلہ کریں گے''۔

10

بہت عرصے بعد سپارٹیکس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

''ہماری جنگوں کے بارے میں کون لکھے گا؟ ہماری فتوحات اور ہماری شکستوں کے بارے میں کون لکھے گا؟ اور کون سچی بات لکھے گا؟ غلاموں کی سچائی اس دَور کی تمام سچائیوں کے برعکس تھی۔ سچی بات کہنا ناممکن تھا۔ اس لئے نہیں کہ یہ وقوع پذیر نہیں ہوئی بلکہ اس لئے کہ اُس دَور کے پس منظر میں اس سچ کی کوئی تشریح موجود نہ تھی۔ غلاموں کی نسبت سپاہی زیادہ تھے، وہ مسلح تھے۔ مگر انہیں یہ توقع نہ تھی کہ غلام لڑیں گے۔ جبکہ غلام جانتے تھے کہ فوجی لڑیں گے۔ غلام پہاڑوں سے ان پر ٹوٹ پڑے اور سپاہی اس غیر متوقع حملے کا سامنا نہ کر سکے۔ وہ اس طرح دوڑ رہے تھے جیسے شکاری کسی موٹے تازے ہرن کے پیچھے دوڑتا ہے۔ وہ سراسیمگی میں یہاں وہاں اندھا دھند تیر پھینک رہے تھے۔ مگر خود عورتوں کی طرف سے پھینکے جانے والے پتھروں کی بارش میں ڈوب گئے۔

تو یہ تھا سچ۔ یعنی غلاموں نے فوجیوں کو شکست دی تھی۔ فوجی کاپوا کی جانب پسپا ہو گئے۔ غلاموں نے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کا تعاقب کر کے انہیں قتل کر دیا۔ پہلی لڑائی میں غلاموں کا کافی نقصان ہوا مگر دوسری لڑائی میں صرف چند غلام مارے گئے اور روم کی فوج اُن کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔ یہ تھی حقیقت۔ مگر کہانی تو سینکڑوں طرح سنائی گئی۔ اس لڑائی کے بارے میں پہلی رپورٹ کاپوا کے فوجی کمانڈر نے لکھی تھی۔

''لنٹولس باتیاتس کے ٹریننگ سکول میں غلاموں نے بغاوت کر دی اور ان کی ایک بڑی تعداد ایپئن شاہراہ کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف فرار ہو گئی۔ دو سو پچاس سپاہی ان کے مقابلے کے لئے بھیجے گئے مگر ان میں سے کچھ محاصرہ توڑ کر بھاگ نکلے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا لیڈر کون ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں؟ لیکن انہوں نے دیہات کے غلاموں میں بے چینی پیدا کر دی۔ یہاں کے شہری یہ احساس رکھتے ہیں کہ معزز سینٹ کو کاپوا کی گیریزن کو مضبوط کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی

چاہیئے تا کہ اس بغاوت کو جلد از جلد کچلا جا سکے‘‘۔ شاید کمانڈر کو بعد میں خیال آیا اور اس نے رپورٹ میں یہ اضافہ کر دیا۔

’’تشدد کے کئی واقعات پہلے ہی ہو چکے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آس پاس کے دیہاتوں میں مزید لُوٹ مار اور غارت گری ہوگی‘‘۔

باتیاتس نے کاپوا میں تفصیلات سُننے کے لئے بے چین مجمعوں کو اپنی کہانی سُنائی۔ وہ سب سے زیادہ پریشان تھا کیونکہ اس کی برسوں کی محنت غارت ہو رہی تھی۔ مگر سب جانتے تھے کہ دیہات میں اس وقت تک بے چینی اور بدامنی جاری رہے گی جب تک کہ ان دہشت پسندوں کا آخری آدمی بھی قتل نہیں ہوتا یا صلیب پر لٹکایا نہیں جاتا۔ لوگوں کی عبرت کے لئے یہ مثالی سزا ضروری تھی۔ کہانی سنانے کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ وہ لوگ جن کی زندگیاں غلاموں کے بے چین ڈھانچے پر تعمیر ہوئی تھیں، اپنے خدشات اور ضرورتوں کے مطابق بار بار اس قصے کو دُہرا رہے تھے۔ ایسا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے اور برسوں بعد بھی یہ ہوتا رہے گا۔

’’وہاں، مَیں کاپوا میں پانی بھر رہا تھا، جب میں نے سپارٹیکس کو زنجیر تڑا کر بھاگتے دیکھا۔ ہاں ہاں میں نے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ ایک دیوہیکل آدمی تھا۔ اس نے اپنے نیزے پر ایک بچہ پرو رکھا تھا۔ یہ بہت خوفناک منظر تھا‘‘۔

اسی طرح کی ہزاروں داستانیں گھڑی گئی تھیں۔ مگر سچ تو ایسی چیز تھی جس کی چند جھلکیاں خود سپارٹیکس نے دیکھی تھیں۔ زمانے کے تشدد اور سختیوں نے اُس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ دو چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں غلاموں نے رومن فوجوں کو شکست دی تھی۔ یہ درست ہے کہ یہ گیریزن کے دوسرے درجے کے مٹھی بھر سپاہی تھے، شہر کی سہل پرست زندگی میں نازک بن گئے تھے اور ان کا مقابلہ اٹلی کے بہترین پیشہ ور تیغ زنوں سے ہوا تھا۔ مگر پھر بھی غلاموں کی طرف سے ایک دن میں دوبار اپنے آقا کو پچھاڑ دینے کی سچائی زمین کو ہلا ڈالنے والی سچائی تھی۔ سپاہیوں کے بھاگ جانے کے بعد بھی انہوں نے اپنی بغاوت ختم نہیں کی بلکہ جب سپارٹیکس نے پکارا تو وہ واپس آ گئے۔

وہ منظّم لوگ تھے اور سپارٹیکس شروعات کے چند گھنٹوں کے اندر اندر ان کے لئے دیوتا کا درجہ پا چکا تھا۔ وہ فخر سے معمور تھا۔ ان کا سارا خوف ختم ہو چکا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو چھُو رہے تھے۔ جیسے ایک دوسرے کا حال پوچھ رہے ہوں۔ ایسا لگتا تھا جیسے کہ یہ مشہور کہاوت اُلٹ ہوگئی تھی کہ ’’گلیڈیئٹر گلیڈیئٹر کو دوست نہیں بناتا‘‘۔ اور یوں وہ ایک دوسرے کا خیال رکھنے اور ایک دوسرے کو پیار کرنے کے جذبات سے لبریز تھے۔ وہ بہت سادہ اور ان پڑھ لوگ تھے مگر اب وہ آناً فاناً عالی مرتبت اور ستھرے انسان بن چکے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے پہلے کبھی نہ مِلے ہوں۔ شاید تھا بھی ایسا ہی۔ پہلے انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھنے کی جرأت بھی نہ کی تھی۔ جلاّد بھلا غور سے اپنے شکار کو کب دیکھ سکتا ہے؟ مگر اب وہ نہ تو جلاد تھے اور نہ شکار۔ وہ تو اب فتح مند بھائی تھے اور اب سپارٹیکس کو معلوم ہوا کہ یہی بات سسلی اور دوسرے مقامات پر کیسے پیدا ہوئی تھی۔ اس نے اپنے ان اجداد کی طاقت کو محسوس کیا کیونکہ اس طاقت کا کچھ حِصّہ خود وہ اپنے اندر محسوس کر رہا تھا۔ اسی طاقت کی موج نے اس کو اس تمام کرب سے پاک کر دیا جو اس کے ماضی کا اٹوٹ حصّہ تھا۔ اس برقی لہر نے اس کے سارے خوف، شرم اور حقارت صاف کر دیئے۔ وہ اتنا عرصہ زندگی سے چمٹا رہا تھا۔ اتنے عرصے تک زندگی کو قائم رکھنے کا فن استعمال کرتا رہا تھا۔ مگر آج اسے اِن بچتوں کا حاصل مِل گیا اور دفعتاً اُسے موت اور موت کے تصور سے کوئی خوف نہ رہا، موت کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔

کاپوا سے تقریباً پانچ میل جنوب میں ایپئن شاہراہ سے ہٹ کر ایک پہاڑی تھی۔ وہاں پر گلیڈیئٹرز، ان کی بیویاں اور ان کے ساتھ آن ملنے والے غلام جمع ہو گئے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ دو لڑائیوں اور جنوب کی جانب مارچ کرنے کے عمل کے دوران گلیڈیئٹرز ایک چھوٹی سی فوج کا روپ دھار چکے تھے۔ اگر ان کے مابین سیاہ فام موجود نہ ہوتے تو وہ دُور سے روم کی فوج لگتے۔ ہتھیار آپس میں تقسیم کئے گئے اور اب کوئی بھی نہتا نہ رہا تھا۔ وہ آزمائے ہوئے لڑاکا تھے اور اب جبکہ وہ مسلّح تھے تو انہیں چیلنج کرنا آسان نہ تھا۔ عورتوں کی تعداد کو نکال کر گلیڈیئٹر، اور کھیتوں اور گھروں میں کام کرنے والے غلاموں کی تعداد دو سو پچاس تھی۔ تینوں دستے یعنی تھریشین، افریقی اور گال فوجی دستوں کی طرح مارچ کر رہے تھے۔ ہر دستے کی قیادت فوجی افسروں کی طرح ان کا اپنا آدمی کر رہا تھا۔ چونکہ وہ ایک عرصے سے رومن فوجوں کو دس دس سپاہیوں پر مشتمل یونٹوں کی صُورت میں دیکھتے

آئے تھے،اس لئے فطری طور پرانہوں نے بھی دس دس کے یونٹ بنالئے۔سپارٹیکس ان کا لیڈر تھا۔ اس کی قیادت غیر متنازعہ تھی۔وہ اس کی خاطر کٹ مرنے کو تیار تھے۔اُن میں کئی ایسی داستانیں موجود تھیں جن کے مطابق ماورائی انسانوں کو دیوتا چھوتے ہیں۔جب وہ سپارٹیکس کی طرف دیکھتے تو ان کے چہروں پر یہی عقیدہ جھلکتا تھا۔

مارچ کرتے ہوئے سپارٹیکس ان کے آگے آگے چل رہا تھا اور جرمن لڑکی ورینیا اس کے ساتھ ساتھ اس کی کمر میں بازو ڈالے چل رہی تھی۔وہ اس کے لئے نیا مرد نہیں تھا۔بلکہ بہت عرصہ قبل اس نے اس شخص سے شادی کی تھی جو بہادر ترین اور بہترین شخص تھا۔وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ آیا وہ اس بات پر خوش تھا یا نہیں کہ وہ سپاہیوں سے لڑی تھی مگر اس نے اس چاقو پر کوئی اعتراض نہ کیا جو ورینیا نے اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔وہ دونوں برابر تھے۔تاریخ مردانہ لباس میں مسلّح عورتوں کے قصّوں سے بھری پڑی ہے۔بہت پہلے کئی عورتیں گزری تھیں جو مردوں کی طرح میدان میں کُود جاتی تھیں۔اور خود سپارٹیکس کے زمانے میں ایسے کئی قصے موجود تھے جن کے مطابق تمام عورتیں اور مرد برابر تھے،نہ آقا تھے اور نہ غلام اور ساری چیزیں مشترکہ ملکیت میں ہوتی تھیں۔یہ دَور وقت کی دُھند میں گم ہو چکا تھا۔وہ سنہرا دَور تھا۔ایک بار پھر سنہرا دَور آنے والا تھا۔

اب یہ ایک سنہرا دَور تھا جب اس دیہاتی علاقے میں سورج توانائی سے چمک رہا تھا اور اکھاڑے کے غضبناک لوگ اس کے گرد جمع تھے اور جرمن لڑکی اس کے ساتھ کھڑی تھی۔اُن کے دِلوں میں طرح طرح کے سوالات تھے۔وہ جہاں پر جمع تھے۔وہ جگہ مرغزار تھی،سبز اور نرم گھاس اُگی ہوئی تھی۔پھُول شگفتگی بکھیر رہے تھے اور ہر جگہ تتلیاں اور شہد کی مکھیاں اڑ رہی تھیں اور فضا ان کے نغموں سے مخمور تھی۔وہ سب' تھریشین انداز میں اُسے باپ کہتے تھے۔

''اب ہم کیا کریں گے؟ ہم اب کہاں جائیں گے؟''۔

وہ ان کے درمیان میں کھڑا تھا۔ورینیا گھاس پر بیٹھی تھی۔باقی لوگ آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔لمبے تڑنگے سیاہ فام،سُرخ چہروں اور نیلی آنکھوں والے گال اور سیاہ بالوں،گھٹے ہوئے جسموں والے تھریشین۔

''ہم ایک قبیلہ ہیں''۔اس نے کہا۔

''یہی آپ سب کا فیصلہ ہے۔ہے ناں؟''۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

قبیلے میں کوئی بھی شخص غلام نہیں ہوتا تھا بلکہ سب لوگ برابری کی سطح پر بات کرتے تھے۔اس نظام کو کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔اور اس دَور کی یاد ان کے دِلوں میں موجود تھی۔

''بات کون کرے گا؟''۔اس نے پوچھا۔

''تمہارا لیڈر کون ہوگا؟ جو شخص ہماری قیادت کرنا چاہتا ہے،کھڑا ہو جائے۔ہم اب آزاد لوگ ہیں''۔

کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔تھریشین اپنے خنجروں سے اپنے ڈھال بجانے لگے اور زوردار آوازوں سے مرغزار پر سے پرندے اڑ گئے۔دور کسی محل سے کچھ لوگ نمودار ہوئے مگر فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ انہیں پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔سیاہ فام لوگوں نے تالیاں بجا کر سپارٹیکس کو سلامی پیش کی۔ورینیا اپنا گال اپنے خاوند کی ٹانگ سے رگڑتی رہی۔گانیکس چلاّیا:

''خوش آمدید۔گلیڈ یئٹر!''۔

ایک قریب المرگ شخص مشکل سے اُٹھا۔اسے گھاس پر لٹا دیا گیا تھا۔اس کا بازو کٹ چکا تھا اور وہ خُون سے لت پت تھا۔وہ ایک گال تھا۔وہ پیچھے نہیں رہا تھا اور یوں اُس نے آزادی کا معمولی ذائقہ چکھ لیا۔اس کا بازو ایک خُون آلود کپڑے سے بندھا ہوا تھا۔وہ چل کر سپارٹیکس تک آیا،جس نے کھڑا رہنے میں اس کی مدد کی۔

''مَیں مرنے سے خوفزدہ نہیں ہوں''۔اس نے کہا۔''یہ موت جوڑوں کی صُورت میں لڑائی والی موت سے ہزار گنا بہتر موت ہے۔اگر مَیں مَر جاؤں تو مجھے یاد رکھو اور اِس شخص کی اطاعت کرو۔اِس کی بات مانو۔تھریشین اسے باپ کہتے ہیں۔ہم چھوٹے بچّوں کی مانند ہیں۔لیکن یہ ہم میں سے ساری بُرائیوں کو چُوس کر نکالے گا۔میں نے ایک عظیم کام کیا ہے اور اب میں پوتّر ہو گیا ہوں۔اب مجھے موت سے کوئی خوف نہیں۔مَیں خاموشی سے سو جاؤں گا۔

مرنے کے بعد میں کوئی خواب نہیں دیکھوں گا''۔

کچھ گلیڈیئٹرز زور زور سے رو رہے تھے۔ گال نے سپارٹیکس کا بوسہ لیا۔ سپارٹیکس نے اس کا جوابی بوسہ لیا۔

''میرے ساتھ کھڑے رہو''۔ سپارٹیکس نے کہا۔ مگر وہ شخص زمین میں دھنس گیا، اس کے ہاتھ پھیلے ہوئے تھے، اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور یوں گلیڈیئٹرز کا ساتھ دینے والا اور میدانِ جنگ میں لڑنے والا شخص موت سے شناسا ہو گیا۔

''تم مر گئے ہو مگر ہم سب زندہ رہیں گے''۔ سپارٹیکس نے اس سے کہا۔ ''ہم تمہارا نام یاد رکھیں گے اور تمہارے نام کے نعرے لگائیں گے۔ ہم اس پوری دھرتی پر تمہارے نام کا شور مچائیں گے''۔

''تم یہ سب کچھ چھوڑ تو نہ دو گے؟'' ایک گال نے پوچھا۔

''جب سپاہی ہمارے مقابل آئے تو کیا ہم نے ان کا مقابلہ نہیں کیا؟ ہم سپاہیوں سے دو دفعہ لڑے اور دونوں بار جیت گئے۔ تمہیں پتہ ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟''۔

اس نے ان سے پوچھا۔ وہ اس کی جانب تک رہے تھے۔

''کیا ہم بھاگ سکیں گے؟''۔

''ہم بھاگ کر کہاں جائیں گے؟''۔ کرکسس نے پوچھا ''ہر جگہ یہی حال ہوگا۔ ہر جگہ غلام اور آقا کا نظام موجود ہے''۔

''ہم بھاگ کر کہیں نہیں جائیں گے''۔ سپارٹیکس نے یقین و اعتماد سے کہا۔

''ہم ایک کھیت سے دوسرے کھیت جائیں گے، گھر گھر جائیں گے اور جہاں بھی جائیں گے، وہاں کے غلاموں کو آزادی دلائیں گے اور انہیں اپنے ساتھ شامل کر لیں گے۔ اگر وہ دوبارہ فوج بھیج دیں گے تو ہم اُن سے پھر جنگ کریں گے اور اس بات کا فیصلہ خُدا کرے گا کہ وہ رومنوں کی جیت پسند کرتا ہے یا ہماری فتح کو''۔

''اور ہتھیار؟ ہمیں ہتھیار کہاں سے ملیں گے؟''۔ کسی نے پوچھا۔

''ہتھیار ہم فوجیوں سے چھینیں گے۔ ہم خود بھی ہتھیار بنا لیں گے۔ روم سوائے غلاموں کے

خون پسینے کے اور ہے کیا؟ کیا کوئی ایسی چیز ہے جسے ہم نہ بنا سکیں؟''۔

''تب روم ہمارے خلاف جنگ کرے گا''۔

''تب ہم روم کے خلاف جنگ کریں گے''۔ سپارٹیکس نے آہستگی سے کہا۔ ''ہم روم کا خاتمہ کریں گے اور ایک ایسی دُنیا بنائیں گے جہاں نہ غلام ہوں گے اور نہ آقا''۔

یہ تھا تو ایک خواب مگر وہ سب یہ خواب دیکھنا چاہتے تھے۔

''ہم خود کو رسوا نہیں کریں گے''۔ سپارٹیکس نے اُن سے کہا۔ وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، سیدھا اور آہستگی سے بول رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے الگ الگ ہر ایک سے مخاطب تھا۔

''ہم رومنوں کی طرح نہیں کریں گے۔ ہم رومنوں کے قانون کو نہیں مانتے۔ ہم خود اپنا قانون بنائیں گے''۔

''ہمارا قانون کیا ہے؟''۔

''ہمارا قانون سیدھا سادہ ہے۔ جس چیز پر ہم قبضہ کریں گے وہ ہم سب کی مشترکہ چیز ہوگی۔ کوئی شخص اپنے ہتھیاروں اور کپڑوں کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ یہ وہی طریقہ ہے جو پچھلے زمانے میں ہوتا تھا''۔

ایک تھریشین بولا:

''ہم سب کے دولت مند ہونے کے لیے بہت کچھ ہے''۔

''قانون مَیں نہیں، تم بناؤ گے''۔ سپارٹیکس نے کہا۔

وہ اس طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ ان کے درمیان کئی لالچی لوگ بھی موجود تھے جو رومنوں کی طرح لارڈ بننا چاہتے تھے۔ وہاں ایسے لوگ بھی موجود تھے۔ وہ بولتے رہے، بولتے رہے اور آخر میں سپارٹیکس نے کہا۔

''اور ہم بیوی کے علاوہ کوئی عورت اپنے پاس نہ رکھیں گے اور نہ ہی کسی کے پاس ایک سے زائد بیویاں ہوں گی۔ میاں بیوی برابری کی حیثیت سے رہیں گے اور اگر اُن کا آپس میں گزارہ نہ ہو سکے تو علیحدہ ہو جائیں۔ مگر کوئی شخص کسی ایسی عورت کے ساتھ نہیں رہے گا جو اس کی بیوی نہ ہو۔ وہ عورت

خواہ رومن ہو یا کوئی اور.....''۔

ان کے قانون چند تھے اور وہ ان چند قوانین پر متفق تھے۔ پھر انہوں نے اپنے ہتھیار سنبھال لئے اور جاگیر پر حملہ کرنے روانہ ہوگئے۔ وہاں صرف غلام رہ گئے تھے، رومن تو کاپوا بھاگ گئے تھے.....اور غلام گلیڈیئٹرز سے مل گے۔

جب انہوں نے کاپوا میں پہلے محل کو جلتے ہوئے دیکھا تو پھر ان کی نظر میں اسی وقت سے غلام کینہ پرور اور ظالم ٹھہرے۔ وہ غلاموں کو شریف دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ غلام دُور پہاڑوں میں چلے جاتے، غاروں میں تنہا تنہا یا گروہوں کی صورت میں چھُپتے پھرتے اور اس وقت تک جانوروں کی طرح وہاں زندگی بسر کرتے جب تک کہ جانوروں ہی کی طرح ان کا شکار نہ کیا جاتا۔ اس کے باوجود کہ کاپوا کے شہریوں نے جلتے ہوئے اولین محل کے دھوئیں دیکھے، پھر بھی وہ خوف زدہ نہ تھے۔ یہ توقع کی جارہی تھی کہ گلیڈیئٹرز کے سامنے جو بھی چیز آتی، وہ اسے تباہ کردیتے۔ فوراً ہی ایک تیز رفتار قاصد اس بغاوت کی خبر سینٹ تک پہنچانے کے لئے دوڑ پڑا۔ ان کا خیال تھا کہ چند دن بعد حالات قابو میں آجائیں گے اور غلاموں کو ایسا سبق سکھایا جائے گا جسے ان کی نسلیں بھول نہ سکیں گے۔

ماریوس ایکانس نامی ایک زمیندار نے اپنے سات سو غلام اکٹھے کئے اور انہیں کاپوا کی حفاظت کرنے کے لئے ہانکا۔ مگر گلیڈیئٹرز نے اسے سڑک پر ہی آلیا۔ گلیڈیئٹر خاموشی سے کھڑے رہے اور اس کے اپنے غلاموں نے خود اُسے، اُس کی بیوی، سالی، بیٹی اور داماد کو ذبح کردیا۔ یہ ایک رنجیدہ کرنے والا عمل تھا مگر سپارٹیکس جانتا تھا کہ وہ اس عمل کو روک نہیں سکتا۔ نہ ہی وہ اسے روکنے کے لئے چنداں بے قرار تھا۔ رومنوں نے جو کچھ بویا تھا، آج وہی کاٹ رہے تھے۔ ذبیحہ کا یہ کام پالکی بان غلاموں نے خود ہی سرانجام دیا۔ کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ رومن سپاہی نہیں بلکہ گلیڈیئٹرز تھے۔ جن کی شہرت پہلے ہی علاقے میں پھیل چکی تھی۔ ان کے نام کے نغمے اور للکار خود ہوا میں موجود تھی۔

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ مگر ان کی خبر وقت سے زیادہ تیز رفتار تھی۔ پہلے پہل بغاوت کرنے والے چند سو افراد، اب ہزار سے بڑھ چکے تھے اور جوں جوں وہ جنوب کی طرف مارچ کرتے جارہے تھے، پہاڑیوں اور وادیوں سے غلاموں کے غول نکلتے اور اُن کے ساتھ آن ملتے تھے۔ کھیتوں میں کام کرنے والے غلام اپنے اوزار بھی ساتھ لائے تھے۔ چرواہے اپنے ریوڑوں کے ساتھ آرہے تھے۔ جب وہ کسی محل کے پاس پہنچتے تو وہاں پہلے ہی خبر ہوجاتی اور باورچی خانوں میں کام کرنے والے غلام اپنی چھُریوں، چمچوں اور مصالحہ پیسنے والے ڈنڈوں سمیت ان کا استقبال کرتے اور گھریلو غلام ان کے لئے عُمدہ ریشمی ملبوسات کے تحائف لئے ان سے آن ملتے۔ زیادہ تر رومن بھاگ جاتے تھے اور جہاں اوورسیئر اور رومن لڑائی کرتے تو وہاں جنگ کی ہیبت ناک نشانیاں چھوڑ جاتے۔

وہ تیزی سے نہیں چل سکتے تھے۔ وہ ہنستے گاتے عورتوں، مردوں اور بچّوں کا بہت بڑا مجمع بن چکے تھے۔ وہ سب آزادی کے نشے میں یکساں مدہوش تھے۔ جب اندھیرا چھا گیا تو وہ کاپوا سے بیس میل دُور پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے ایک چشمے کے پاس کیمپ لگایا، آگ جلائی اور خُوب پیٹ بھر کر تازہ گوشت کھایا۔

بکریاں، بھیڑیں اور اِکّا دُکا بیل ان کی سیخوں میں لگ چکے تھے اور کباب کی لذیذ اور بھینی خوشبُو فضا کو مُعطّر کررہی تھی۔ یہ ان لوگوں کے لئے ایک خصوصی تہوار تھا۔ وہ برسوں سے ساگ اور شلغم پر زندہ تھے۔ انہوں نے گوشت کو شراب سے دھویا تھا۔ ان کے نغمے اور قہقہے خوراک کی لذت میں اضافہ کررہے تھے۔ وہ ایک عجیب فوج تھی۔ اس میں گال، یہودی، یونانی، مصری، تھریشین، نوبیائی، سوڈانی، پارسی، جرمن، سلاو، بلغار، اور ہسپانوی سپاہی تھے۔ ان کی فوج میں کچھ اطالوی بھی تھے جو کئی نسل قبل کسی طرح قید ہوکر غلام بن گئے تھے۔ ان سب کو پہلے غلامی نے' اور اب آزادی نے باہم متحد کردیا تھا۔

محکوم لوگوں کی خصوصی رفاقت نے ایک نئی دنیا پیدا کی تھی اور باوجُود اِس کے کہ اس بھیڑ میں کئی قبائل اور کئی قوموں کے لوگ شامل تھے، اُس رات غصے یا ناراضگی کا ایک فقرہ بھی کسی نے نہ سُنا۔ انہیں محبت اور وقار کی ہلکی سی جھلک دکھائی دے چکی تھی۔ ان میں سے کئی لوگوں کو دُور سے اشارہ کرکے سپارٹیکس کے متعلق بتایا گیا تھا۔ مگر وہ سب کے سب سپارٹیکس پر فریفتہ تھے۔ وہ ان کا لیڈر اور دیوتا تھا۔ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ دیوتا کبھی کبھار زمین پر نمودار ہوتا ہے۔ بھلا خود

پرومیتھیئس نے آسمانوں سے آگ نہیں چرائی تھی اور اُسے بیش بہا تحفے کے طور پر انسان کو پیش نہیں کیا تھا؟ اب یہی بات دوبارہ بھی ہوسکتی ہے ۔ الاوؤں کے گرد کئی قصے سنائے جارہے تھے اور سپارٹیکس دیوتا بنتا جارہا تھا۔ ان میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جس نے ایک ایسی دُنیا کے خواب نہ دیکھے ہوں جہاں پر کہ غلام نہ ہوں............

اس دوران سپارٹیکس، گلیڈئیٹرز کے درمیان بیٹھا تھا۔ وہ واقعات کے بارے میں باتیں کررہے تھے اوران کا تجزیہ کررہے تھے۔ ایک چھوٹی سی نالی پہلے ہی دریا بن چکی تھی اور ایک سیلاب آنے والا تھا۔ یہ بات گانیکس نے کہی۔ وہ جب بھی سپارٹیکس کی طرف دیکھتا، اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی۔

''ہم دُنیا کے اُس پار تک مارچ کرسکتے ہیں اوراس کی ہر چیز کو تہہ وبالا کرسکتے ہیں'' ۔اس نے یہ کہا تو تھا مگر سپارٹیکس بہتر جانتا ہے۔ وہ ورینیا کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا ہے۔ اور وہ اس کے سخت بالوں کے گچھوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ اس کا دِل مسرت واطمینان سے لبریز تھا۔ مگر سپارٹیکس کے دِل میں ایک آگ جل رہی تھی۔ وہ خود کو غلامی میں زیادہ مطمئن محسوس کرتا تھا۔ وہ آسمان کے تاروں پر نظریں جمائے سوچوں میں غرق تھا۔ وہ خوف، شکوک، اشتیاق اوراس بھاری ذمے داری کے بارے میں سوچ رہا تھا' جو اس نے اپنے سر لی تھی۔ اسے روم کو تباہ کرنا تھا۔ اسی سوچ..........سرکش بغاوت کی اسی سوچ نے اُسے مُسکرانے پر مجبور کیا اور اُسے مسکراتے دیکھ کر ورینیا خوش ہوئی اوراپنی زبان میں اس کے لئے گانے لگی۔

''جب جنگل سے شکاری
شکار کرکے سُرخ ہرن
لاتا ہے۔
آگ پر اپنی نظریں
جماتا ہے
بچوں سے بات کرتا ہے،
بیوی سے بات کرتا ہے''۔

وہ گا رہی تھی اور وہ دِل میں ان اشعار کو دُہراتا رہا۔ اس کی سوچوں کے پس منظر میں موسیقیت تھی، اس کے خواب ستاروں میں سے راستہ بنا کر آسمان کو چھو رہے تھے۔

''سپارٹیکس تمہیں ہر حال میں روم کو تباہ کرنا ہے۔ تمہیں ان لوگوں کو دُور لے جانا ہوگا۔ تمہیں ان کو لڑنا اور مارنا سکھانا ہوگا۔ پیچھے ہٹنے کی کوئی گنجائش نہیں، ایک قدم بھی نہیں۔ ساری دنیا روم کی ملکیت ہے، اس لئے روم کو ہر حال میں تباہ ہونا چاہئیے ۔ اُسے صرف ماضی کی ایک تلخ یاد بن جانا چاہئیے ۔اس کے بعد جہاں پر آج روم واقع ہے، وہاں ہم ایک نئی دُنیا تعمیر کریں گے۔ جہاں سارے انسان امن، محبت اور بھائی چارے سے رہیں گے۔ جہاں غلام نہ ہوں، آقا نہ ہوں، گلیڈئیٹر نہ ہوں، اکھاڑے نہ ہوں، جہاں پُرانے زمانوں جیسا وقت لوٹ آئے۔ ہم بھائی چارے کے نئے شہر تعمیر کریں گے اوران کے گرد فصیلیں نہ ہوں گی''۔

ورینیا نے گانا بند کردیا اوراس سے پوچھا۔

''میرے شوہر! میرے تھریشین، تم کیا خواب دیکھ رہے ہو۔ کیا آسمانوں کے دیوتا تم سے ہم کلام ہیں؟ وہ تمہیں کیا بتا رہے ہیں میرے محبوب؟ کیا وہ تمہیں راز کی ایسی باتیں بتارہے ہیں جن میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا؟'' دیوتاؤں کے بارے میں کسی کو کیا معلوم کیا سچ تھا اور کیا جھوٹ، سپارٹیکس دیوتاؤں سے نفرت کرتا تھا۔ وہ ان کی عبادت کبھی نہیں کرتا تھا۔

''کیا غلاموں کے لئے بھی دیوتا ہوتے ہیں؟'' اُس نے ایک بار سپارٹیکس سے پوچھا تھا۔

''میری جان! میری پُوری زندگی میں ایسی کوئی چیز نہ ہوگی جس میں تمہیں شریک نہ کروں'' اس نے کہا۔

''تو پھر تم کیا خواب دیکھ رہے ہو؟''۔

''میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ ہم ایک نئی دُنیا تعمیر کریں گے''۔

وہ اس سے خوف زدہ ہوگئی۔ سپارٹیکس نے نرمی سے کہا۔

''یہ دُنیا انسان نے تعمیر کی تھی۔ ذرا سوچو میری جان! یہ دُنیا خود بخود تو تعمیر نہیں ہوئی۔ اس کی

کون سی ایسی چیز ہے جو ہم نے نہیں بنائی۔ سارے شہر، مینار، دیواریں، سڑکیں اور بحری جہاز، سب کچھ ہم نے بنائے۔ تو پھر ہم ایک نئی دُنیا کیوں نہیں بنا سکتے!''۔

''روم............''۔ ورینیا نے کہا۔ ''یہ لفظ ایک ہمہ گیر قوت کا مظہر ہے، ایسی قوت جو پُوری دُنیا پر حکمرانی کر رہی ہے''۔

''ہم روم کو تباہ کر دیں گے''۔ سپارٹیکس نے کہا۔ ''روم کے ہاتھوں دُنیا تنگ آ چکی ہے۔ ہم روم اور اُس ہر چیز کو تباہ کر دیں گے، جس پر روم کا اعتقاد ہے''۔

''ہم غلام۔ غلاموں کی بغاوتیں پہلے بھی ہوئی ہیں، مگر اب کے یہ بغاوت مختلف ہوگی۔ ہم اس زور سے پکاریں گے کہ دُنیا بھر کے غلام اس پُکار کو سنیں گے............''۔

یوں امن گیا اور اُمید گئی اور بہت مُدّت کے بعد ورینیا کو وہ رات یاد آ گئی جب اُس کے شوہر کا سَر اس کی گود میں رکھا تھا اور اُس کی آنکھیں دُور آسمان پر مرکوز تھیں۔ یہ رات محبت کی رات تھی۔ ایسی راتیں صرف چند لوگوں کو ملتی ہیں اور وہ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں۔ وہ لوگ وہاں آگ کے قریب بیٹھے تھے۔ اور وقت آہستگی سے رواں تھا۔ وُہ ایک دُوسرے کو چھُو کر ایک دوسرے سے شفقت کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ لوگ ایک وجود بن چکے تھے۔

باب پنجم

1

لنٹولس گراکس شوقیہ طور پر کہا کرتا تھا کہ جُوں جُوں اس کا وزن بڑھتا جاتا ہے، اس کے کام کرنے کی صلاحیت بڑھتی جاتی ہے۔ اس کے اس دعویٰ میں کچھ سچ بھی تھا۔ اُس نے اپنی عُمر کے چھپن سالوں میں سے سینتیس برس روم کی کامیاب سیاست میں گزار دیئے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ سیاست کے لئے پارسائی کی بجائے تین اور صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ کئی سیاستدان دوسری وجوہات کی بجائے پارسائی کے ہاتھوں تباہ ہوگئے۔ وہ ان صلاحیتوں کو یوں بیان کرتا تھا۔ پہلی صلاحیت تھی؛ جیتنے والی طرف کا ساتھ دینا۔ دوسری صلاحیت شکست خوردہ طرف سے خود کو جُدا کرنا اور تیسری صلاحیت یہ تھی کہ کبھی کسی کو دُشمن نہ بنایا جائے۔

یہ تینوں صلاحیتیں آئیڈیل تھیں اور آئیڈیل وہی ہیں، جو ہیں اور عوام وہی ہوتے ہیں جو ہیں۔ سو فیصد تکمیل پذیر باتیں تو وجود نہیں رکھتیں۔ اپنی طرف سے تو اس نے بہترین کارکردگی دکھائی تھی۔ وہ ایک فوجی کا بیٹا تھا اور 19 برس کی عُمر میں اُس نے ووٹوں کی خرید وفروخت شروع کر دی۔ پچیس برس کی عُمر میں کرائے پر خون کرنے کا کام سنبھالا۔ اٹھائیس سال کی عُمر میں وُہ ایک طاقتور سیاسی گینگ کا سرغنہ بنا اور تیس سال کی عُمر میں ایک وارڈ کا بلا مقابلہ لیڈر بنا۔ پانچ سال بعد وہ مجسٹریٹ ہوا اور چالیس سال کی عُمر میں وہ سینٹ میں داخل ہوا۔ وہ شہر میں دس ہزار آدمیوں کو نام سے جانتا تھا اور بیس ہزار کو شکل سے۔ وہ اپنے بدترین دشمنوں کو بھی اپنی نوازشوں کی فہرست میں شامل کرتا تھا۔ اس نے یہ یقین کرنے کی غلطی کبھی نہیں کی کہ اس کا کوئی ساتھی ایماندار ہے۔ مگر اس نے یہ غلطی بھی نہیں کی

کہ ان میں سے کسی پر بے ایمانی کا ٹھپہ لگا دیا ہو۔

اس کی جسامت و وجاہت اس کی پوزیشن سے مطابقت رکھتی تھیں۔ وہ عورتوں پر کبھی بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ اس کی اپنی کمزوری خوراک تھی اور کئی کامیاب سالوں میں اس کے جسم پر چربی کی جو تہیں چڑھ گئی تھیں، ان کی وجہ سے وہ ایک متاثر کن آدمی بن گیا تھا۔ مگر اِس چربی نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ ہر وقت ایک چوغہ پہنے رکھے۔ عام لباس میں اس کی شخصیت میں وجاہت نہیں رہتی تھی۔ چوغہ اسے مکمل رومن وقار عطا کرتا تھا۔ اس کا وزن تین سو پونڈ تھا۔ اس کا سر گنجا اور شکاری کتے جیسا تھا۔ گردن پر چربی نے تہیں ڈال رکھی تھیں۔ اس کی آواز بھاری تھی۔ اس کے چہرے پر دِل لبھا دینے والی مسکراہٹ موجود رہتی تھی۔ اس کی مسرور آنکھیں گوشت کی تہوں میں سے جھانکتی تھیں۔ اس کی جلد بچوں کی جلد کی طرح گلابی تھی۔

گراکس باخبر رہتا تھا۔ وہ خشک مزاج شخص نہ تھا۔ رومن اقتدار کا فارمولا اس کے لئے کبھی مشکل مسئلہ نہ رہا۔ سائیسیرو کو دیکھ کر اُسے ہنسی آتی تھی جو اپنے آپ کو سچائی کا علمبردار ظاہر کرتا تھا۔ جب انتونئیس کائیس نے سائیسیرو کے بارے میں اس کی رائے پوچھی تو اس نے مختصراً کہا۔

''وہ ایک دھندلے خیالات رکھنے والا نوجوان ہے''۔

دیگر اشرافیہ کی طرح انتونئیس کائیس کے ساتھ گراکس کے بہترین تعلقات تھے۔ ارسٹوکریسی کو وہ مقدس چیز سمجھتا تھا۔ وہ ارسٹوکریٹوں کو پسند کرتا تھا۔ وہ اُن سے حسد کرتا تھا اور ایک حد تک اُن سے نفرت بھی کرتا تھا۔ کیونکہ وہ ان سب کو احمق سمجھتا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ ان کے ساتھ بنا کر رکھتا تھا اور ان کے شاندار محلّات میں خود کو مدعو پا کر مسرور ہوتا تھا۔ اس نے خود ارسٹوکریٹ بننے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ اس نے ان کی طرح چبا چبا کر لاطینی زبان کو نفیس بنانے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ وہ عوام کی آسان زبان میں بات کرتا تھا۔ اس نے دیہاتی علاقے میں مکان بنانے کی کوشش کبھی نہ کی، حالانکہ وہ اس کا خرچہ برداشت کر سکتا تھا۔ لوگ اس کے عملی آدمی ہونے کی تعریف کیا کرتے تھے۔ اس کی مفید اطلاعات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس کی وجیہہ جسامت سے تیقن اور اطمینان چھلکتا تھا، انتونئس کائیس اسے اس لئے پسند کرتا تھا کہ گراکس اخلاقیات سے ہرگز متاثر نہ ہوتا تھا۔ وہ گراکس کو ایک مجسّم دیانتدار آدمی تصور کرتا تھا۔

اس شام گراکس نے ساری گفتگو سنی۔ وہ اس گفتگو پر غور کرتا رہا مگر اس نے کوئی فیصلہ نہیں سنایا نہیں۔ کائیس کے لئے اس کے دِل میں بے عزتی کا احساس موجود تھا۔ عظیم اور دولت مند جرنیل کراسس پر اسے ہنسی آ رہی تھی۔ جہاں تک سائیسیرو کا تعلق تھا، اس کے بارے میں اس نے اپنے میزبان سے کہا۔

''اس میں ساری خوبیاں موجود ہیں، سوائے عظمت کے۔ میرا خیال ہے کہ اگر سائیسیرو کو اپنے مقصد کے لئے اپنی ماں کی گردن بھی کاٹنی پڑے تو وہ اسے کاٹ ڈالے گا''۔

''مگر سائیسیرو کا مقصد اس قدر اہم نہیں ہے''۔

''یقیناً۔ اسی لئے وہ ہر چیز میں قطعی طور پر ناکام ہوگا۔ وہ ایک ایسا شخص ہے جس سے کوئی خوفزدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی توصیف کی جا سکتی ہے''۔

مگر یہ بات انتوئس کائیس کے بارے میں نہیں کی جا سکتی تھی۔ گو کہ اس کی جنسی خصوصیات اور جنسی حرکتیں کسی بارہ سالہ لڑکے کی سی تھیں مگر پھر بھی اس میں قابل تعریف باتیں موجود تھیں۔ گراکس اپنے آپ سے یہ بات تسلیم کرتا تھا کہ جس جگہ وہ کھڑا ہے، وہ جگہ کیچڑ سے بھری ہوئی ہے۔ اس کی دُنیا ٹوٹ پھُوٹ رہی تھی۔ چونکہ ٹوٹ پھُوٹ کا عمل بہت سست تھا اور خود اس کی زندگی بھی لافانی نہ تھی اس لئے اُسے خود کو دھوکہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ کسی کی طرفداری کے بغیر حالات کو دیکھ رہا تھا۔

اس رات باقی سارے لوگ سو گئے جبکہ وہ جاگتا رہا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ چاندنی میں باہر گھومنے لگا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس رات شب بسری کے لئے کس طرح جوڑے چنے گئے مگر اس نے یہ سارا مشاہدہ بغیر کسی تانک جھانک کے کیا تھا۔ اُسے ان پر غصہ بھی نہیں آیا تھا۔ یہ روم تھا اور صرف بے وقوف لوگ ہی اور طرح سوچ سکتے تھے۔

چہل قدمی کرتے ہوئے اسے جولیا نظر آئی جو پتھر کے ایک بنچ پر بیٹھی تھی۔ کمتری کے احساس کی ماری، محرومیت اور خود کو مسترد کئے جانے کے احساس میں لپٹی وہ بہت سوگوار نظر آ رہی تھی۔ وہ اس کی

جانب چل پڑا۔

''اس رات میں ہم دونوں''۔اس نے جولیا سے کہا۔''رات بہت خوبصورت ہے۔ ہے نا؟''۔

''اگر تم اسے خوبصورت کہو تو''۔

''تم نہیں کہتیں کیا؟''۔اس نے اپنا چوغہ درست کیا۔''کیا تم مجھے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھنے کی اجازت دو گی؟''۔

''جی تشریف رکھیئے''۔

وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔اُسے چاندنی میں نہائے ہوئے میدان کی خوبصورتی اچھی لگ رہی تھی۔جھاڑیوں اور سبزہ زار میں سے نکلا ہوا خوبصورت سفید محل، نلکے، یہاں وہاں لگے ہوئے زرد چمک والی مورتیاں، درختوں کے جُھنڈ اوران کے نیچے گلابی اور سیاہ سنگِ مرمر کے بنے خوبصورت بنچ۔۔۔الغرض روم نے کتنی خوبصورتیوں کا انتظام کر رکھا تھا۔

''جولیا! میرے خیال میں اس سب کچھ پر ہمیں قائع نہیں رہنا چاہیئے''۔

''ہاں ہم قانع نہیں رہیں گے''۔

وہ اس کے خاوند کا دوست اور مہمان تھا۔

''رومن بننا ایک نعمت ہے''۔اس نے کہا۔

''تم ایسی احمقانہ باتیں صرف اس وقت کرتے ہو جب میرے پاس ہوتے ہو''۔ جولیا نے آہستگی سے کہا۔

''اچھا؟''۔

''ہاں۔تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم نے کبھی ورینیا کے بارے میں سُنا؟''۔

''ورینیا؟''۔

''تم کبھی بھی کسی چیز کو اس وقت تک نہیں اپناتے جب تک کہ اسے کم از کم پانچ دفعہ ٹٹولتے اور تولتے نہیں۔ میں ہوشیار بننے کی کوشش نہیں کر رہی، میرے دوست!''۔ جولیا نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا۔''میں ہوشیار بن بھی نہیں سکتی۔ورینیا سپارٹیکس کی بیوی تھی''۔

''میں۔مَیں نے اس کے بارے میں سُنا ہے۔حقیقت میں تم لوگ یہاں دُور بیٹھ کر سپارٹیکس سے بہت مرعوب ہو۔مَیں نے آج پوری محفل میں سپارٹیکس کے علاوہ کوئی اور بات سُنی ہی نہیں''۔

''اس نے ولاّ سلاریا پر حملہ نہیں کیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مجھے اس کا احسان مند ہونا چاہیئے یا نہیں۔میرا خیال ہے کہ شاید سزا کی علامتوں نے ہمیں متاثر کیا ہوگا۔کیا وہ بہت خوفناک لگتے ہیں؟''۔

''خوفناک؟ مجھے اندازہ نہیں ہے کیونکہ میں نے اس بارے میں زیادہ غور نہیں کیا۔سزا کی علامتیں موجود ہیں۔غلاموں کا انجام یہی ہوا۔زندگی سستی ہے اور غلاموں کی تو آج کل کوئی قیمت ہے ہی نہیں۔تم نے مجھ سے ورینیا سے متعلق کیوں پوچھا؟''۔

''میرا خیال ہے کہ مَیں ورینیا پر رشک کرتی ہوں''۔

''واقعی؟ ایک حقیر وحشی لڑکی پر؟ کیا میں کل منڈی جا کر اس جیسی ایک درجن لڑکیاں خرید کر تمہیں بھجوا دوں؟''۔

''گراکس! تم کسی چیز کے متعلق سنجیدہ نہیں ہوتے''۔

''وہ اس قابل نہیں کہ اس پر سنجیدہ ہوا جائے۔تمہیں اس پر کیوں رشک آتا ہے؟''۔

''اس لئے کہ میں اپنے آپ سے نفرت کرتی ہوں''۔

''یہ میری سمجھ سے بالاتر ہے''۔گراکس بڑبڑایا۔''گندی، ہر وقت ناک صاف کرتی ہوئی، کھانستی تھوکتی ہوئی، گندے اور ٹوٹے ہوئے ناخنوں والی، چہرہ دانوں سے بھرا ہوا، کیا تم اسے تصور میں لا سکتی ہو؟ کیا وہ حقیر لونڈی تمہارے تصور کی شہزادی ہے؟ تم اس پر رشک کرتی ہو؟''۔

گراکس ہنسا۔

''کسے معلوم جولیا! سیاست، جھوٹ کا نام ہے۔جھوٹ کو ریکارڈ کرنا تاریخ کا نام ہے۔اگر تم کل سڑک کے ساتھ ساتھ جاؤ اور صلیبوں کو دیکھو تو تمہیں سپارٹیکس کے بارے میں واحد سچائی نظر آئے گی اور وہ سچائی ہے موت۔تمہیں اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔باقی سب جھوٹ ہے''۔

''مَیں اپنے غلاموں کی طرف دیکھتی ہوں''۔

''اور تمہیں سپارٹیکس نظر نہیں آتا؟ یقیناً نظر نہیں آئے گا۔ جولیا، خود کو پریشان نہ کرو۔ میں عُمر

میں تم سے بڑا ہوں، اس لئے نصیحت کرنے کی گستاخی کر رہا ہوں۔ جس چیز سے تعلق نہ ہو اس کے بارے میں کیا سوچنا! اپنے غلاموں کے کوارٹروں میں سے اپنے لئے ایک بانکا نوجوان منتخب کر لو''۔

''گراکس! بکومت''۔

''اور وہی تمہارے لئے سپارٹیکس ہوگا''۔

وہ رونے لگی۔ گراکس نے اپنے طبقے کی عورتوں میں آنسو بہت کم دیکھے تھے اور اچانک وہ خود کو بے وقوف اور بدتمیز سمجھنے لگا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ کیا اُس نے کوئی غلط بات کہی؟ اس نے تو کوئی ہتک آمیز بات نہیں کی تھی۔

''نہیں نہیں گراکس۔ تم تو میرے واحد دوست ہو۔ تم مجھ سے دوستی ختم نہ کرو۔ میں ہوں ہی بے وقوف''۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ لئے اور اس سے اجازت مانگی۔ ''میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ مہربانی کر کے میرے ساتھ نہ آؤ''۔

2

سائیسیرو کی طرح گراکس بھی تاریخ کی سُدبُد رکھتا تھا مگر دونوں میں فرق یہ تھا کہ گراکس اپنے مقام اور رول کے بارے میں کبھی ابہام کا شکار نہ ہوا۔ اسی لئے وہ سائیسیرو کی بہ نسبت چیزوں کو زیادہ واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔ آج وہ اس لطیف اطالوی رات کو تن تنہا بیٹھا روم کی اشرافیہ کے ایک فرد کے اس عجیب معاملے پر غور کر رہا تھا کہ اسے ایک وحشی عورت پر رشک آ رہا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ جولیا ٹھیک کہتی ہے۔ اس لئے کہ جولیا کی اپنی ٹریجڈی کو ورینیا ہی نے واضح کر دیا تھا۔ اسے حیرانی ہو رہی تھی کہ ان کی اپنی زندگیوں کا جوہر، شاہراہِ ایپین کے ساتھ بے انت صلیبوں میں موجود نہیں ہے۔ گراکس کو اخلاقیات سے پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ وہ اپنے لوگوں کو جانتا تھا۔ وہ رومن اشرافیہ کے افسانوں میں کھو نہیں جاتا تھا۔ مگر آج وہ جولیا کی باتوں سے واقعی پریشان ہو گیا تھا۔

مگر جب اس مسئلے کی اصلیت اس پر واضح ہوئی تو وہ ہل کر رہ گیا اور اسے موت اور عدم وجودیت کی مہیب تاریکی سے خوف آنے لگا۔ وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس لئے کہ آج اس کا دائمی مددگار ساتھی، یقین اس سے رخصت ہو گیا۔ وہ پتھر کے بنچ پر خالی الذہن بیٹھا تھا۔ آج ایک موٹے اور

بھدّے بوڑھے کی تباہی تاریخ کی لہروں سے جُڑ گئی تھی۔

اسے اپنی تباہی صاف طور پر نظر آ رہی تھی۔ دُنیا میں جو چیز جدید انداز میں آئی تھی، وہ مکمل طور پر غلاموں کی پیٹھ پر تعمیر کردہ معاشرہ تھا۔ اس معاشرے کی خوش آہنگ آواز کوڑے کی شائیں شائیں کرتی گفتار تھی۔ تو پھر اُن لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو اِس کوڑے کے مالک ہیں؟ جولیا کی باتوں کا مطلب کیا تھا؟ وہ غیر شادی شدہ تھا، عورتیں خریدتا تھا اور ضرورت کے وقت گھر میں رکھی ہوئی داشتائیں حاضر تھیں۔ مگر انتونیئس کائیس کے پاس بھی تو داشتاؤں کا ایک ریوڑ موجود تھا۔ یہی حال اس کے ہر جاننے والے اشرافیہ کا تھا۔ ہر ایک کے پاس اتنی تعداد میں عورتیں تھیں، جتنی کہ اس کے پاس گھوڑوں یا کتوں کی تعداد ہوتی تھی۔ یہ بات اُن کی اپنی بیویاں بھی جانتی تھیں اور انہوں نے بھی یہ حقیقت تسلیم کر رکھی تھی۔ وہ اپنی ضرورتیں مرد غلاموں سے پُورا کرتی تھیں۔ یہ صرف کرپشن کا مسئلہ نہ تھا بلکہ ایک ایسی بلا تھی جس نے دُنیا کو اُلٹ کر رکھ دیا تھا۔

اُس رات سلاریا محل میں موجود لوگوں کے دِل و دماغ اس وجہ سے سپارٹیکس کے قبضے میں تھے کہ سپارٹیکس وہ کچھ تھا جو یہ لوگ نہ تھے۔ سائیسیرو تو یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ اس غلام میں پارسائی آئی کہاں سے؟ مگر گراکس یہ بات سمجھ گیا۔ گھر، خاندان، وقار، نیکی الغرض ہر وہ چیز غلاموں کے پاس تھی جو پاک اور مقدس تھی۔ غلام ان اوصاف کا دفاع کرتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ وہ شریف اور نیک تھے بلکہ اس لئے کہ اُن کے آقاؤں نے ہر مقدس چیز اُن کے حوالے کی تھی۔

جس طرح سپارٹیکس آنے والے دنوں کے امکانات کی پیش بینی کر سکتا تھا، اسی طرح گراکس کا بھی اپنا تصور موجود تھا۔ اور مستقبل میں اسے جو چیز نظر آ رہی تھی اُس نے اُسے بیمار، خوف زدہ اور سرد کر دیا۔ وہ اُٹھا، اپنا چوغہ درست کیا اور بھاری قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

مگر نیند اس کی آنکھوں سے غائب تھی۔ اس نے جولیا کے جذبۂ رشک کے بارے میں سوچا۔ اور ایک بچے کی طرح رو دیا۔ ایک بچے ہی کی طرح اُس نے فرض کیا کہ غلام ورینیا اس کے ساتھ لیٹی ہوئی ہے۔ گھنٹے بیتے اور وہ اپنی سوچوں میں گم لیٹا رہا۔

اس گھر پر سپارٹیکس کا قبضہ تھا۔ اس کی شکل و شباہت، ڈیل ڈول، اس کے تصورات اور طور

طریقوں کے بارے میں کسی کو بھی کچھ معلوم نہ تھا۔مگر ایسے لگتا تھا جیسے وہ اس گھر میں موجود ہو۔ سارے روم میں اس کی دھاک تھی۔ وہ سب لوگ سپارٹیکس سے نفرت کرتے تھے۔گراکس بھی اس نفرت سے پاک نہ تھا۔ بلکہ ایک لحاظ سے تو اس کی نفرت دوسروں کی نفرت سے زیادہ پُرتشدد، تلخ اور تکلیف دہ تھی۔

وہ اپنی یادوں کے تانے بانے بن رہا تھا، جو حقیقت میں ڈھل رہی تھیں۔اُسے یاد آیا کہ وہ کس طرح سینٹ میں بیٹھا ہوا تھا جب کاپوا سے ایک سوار یہ خبر لایا کہ لینٹولس باتیاتس کے سکول میں گلیڈیٹروں نے بغاوت کردی اور یہ بغاوت دیہات میں پھیل رہی تھی۔اسے خوف کی وہ لہر یاد آ گئی جو سینٹ میں پھیل گئی تھی اور وہاں پر بیٹھے لوگ بطخوں کے ایک غول کی طرح کائیں کائیں کرنے لگے تھے۔ وہ سب دہشت زدہ تھے اور ڈراؤنی باتیں صرف اس لئے کررہے تھے کہ مٹھی بھر گلیڈیٹروں نے اپنے تربیت دینے والوں کو قتل کردیا۔اُسے اُن کے ساتھ اپنی نفرت یاد آ گئی۔اسے یاد آیا کہ کس طرح وہ اُٹھا، اپنا چوغہ درست کیا اور اسے اپنے کندھے پر پھینکتے ہوئے تقریر کی تھی۔ یہ اس کی ایک یادگار تقریر تھی۔ وہ اپنے معزز ساتھیوں پر گرج رہا تھا۔

''حضرات، حضرات! آپ خود کو فراموش کررہے ہیں''۔انہوں نے کائیں کائیں کرنا بند کردیا اور سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''حضرات! ہمارے سامنے مٹھی بھر نیچ اور گندے قصاب نما غلاموں کا ایک جُرم پیش ہوا ہے۔ ہمیں کسی بربر حملہ آور کا سامنا نہیں ہے۔مگر اگر ایسا ہوتا بھی تو میرا خیال ہے کہ سینٹ نے قدرے مختلف انداز اپنایا ہوتا۔میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنی تقدیس اور وقار کا خیال رکھنا چاہئیے''۔

وہ اس پر ناراض ہوئے مگر وہ تو ان پر برس پڑا تھا۔اس نے اس بات کو باعثِ افتخار بنا رکھا تھا کہ وہ کبھی بھی آپے سے باہر نہیں ہوتا تھا۔مگر اُس روز وہ بے قابو ہوگیا۔ وہ جو کمتر نسل کا فرد تھا' عامی تھا، اس نے دُنیا کے مقدس ترین ادارے کی توہین کی تھی اور وہاں چیخ کر بولا تھا۔ وہ خود سے یہ کہہ کر ایوان سے باہر نکلا۔

''جہنم میں جائے مقدس ادارہ''۔ وقار اور مقدس دفاع کی باتیں اس کا پیچھا کرتی رہیں۔مگر وہ سیدھا گھر چلا گیا۔

اس نے وہ سارا دِن غور وفکر میں گزارا تھا۔ پہلے پہل تو وہ خوف زدہ ہوا۔اس نے خود اپنے وضع کردہ برتاؤ کے مقدس اُصول کی خلاف ورزی کی تھی۔ وہ بے قابو ہوگیا تھا اور خواہ مخواہ لوگوں کو اپنا دشمن بنا بیٹھا تھا۔مگر یہ خوف اپنے ساتھیوں اور خود اپنے آپ سے نفرت کے جذبات میں گڈمڈ تھا۔ وہ ابھی تک سینٹ اور وہاں بیٹھے بیوقوفوں کے بارے میں اپنی نفرت پر قابو نہ پاسکا تھا۔ اسے رُوم سے محبت تھی۔محبوب روم کی خوشبو، مناظر اور آواز سے اُسے والہانہ عشق تھا۔گراکس' شہر میں پیدا ہوا تھا اور شہری زندگی میں پلا بڑھا تھا۔ وہ شہری زندگی کا حصہ تھا۔

گراکس نے انہی گلیوں میں چلنا، بھاگنا اور لڑنا سیکھا تھا۔بچپن میں وہ رُوم کی خستہ حال چھتوں پر بکری کے بچوں کی طرح دوڑتا بھاگتا رہا۔کوئلہ جلنے کی بُو اس کا پسندیدہ عطر تھی۔منڈی کی گلیوں سے گزرنا اس کی سب سے بڑی مہم ہوا کرتی تھی۔ ان گلیوں میں دُنیا بھر کی چیزوں کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔آدھا شہر اُسے دیکھتے ہی پہچان جاتا تھا۔ یہاں وہاں سے آوازیں آتی تھیں۔''گراکس کیا حال ہے؟''۔ ریڑھی والے، موچی، بھکاری، لوفر، مستری، ترکھان، الغرض سب لوگ اسے پسند کرتے تھے۔اس لئے کہ وہ ان میں سے تھا اور موجودہ بلند مرتبے تک سخت جدوجہد کرکے پہنچا تھا۔ وہ اسے اس لئے بھی پسند کرتے تھے کہ وہ ووٹ خریدتے وقت سب سے بڑھ کر دام دیتا تھا۔ وہ اسے اس لئے پسند کرتے تھے کہ وہ تکبر نہیں کرتا تھا۔ پالکی میں بیٹھنے کی بجائے پیدل چلتا تھا اور پُرانے دوستوں سے ملاقات کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔

آج غلام انہیں بھکاری اور لوفر بنانے کی طرف دھکیل رہے تھے۔ان کی مایوسیوں اور بڑھتے ہوئے مسائل کا اس نے کوئی علاج پیش نہ کیا تھا۔اسے پتہ تھا کہ اس مسئلے کا کوئی حل تھا ہی نہیں۔ وہ اُن کی دنیا سے محبت کرتا تھا۔گلی کی دنیا سے، جہاں مکانوں کی ٹیڑھی دیواریں گلیوں کو بند کرتی تھیں۔ وہ دُنیا کے عظیم ترین شہر کی پُرشور، گندی، بدبُودار گلیوں سے محبت کرتا تھا۔

مگر اس روز وُہ اندھا ہوگیا تھا۔ وہ ان ساری باتوں سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھا۔ وہ گلیوں میں سے دُعا سلام کئے بغیر گزر رہا تھا، اس نے سٹالوں سے کوئی چیز نہیں خریدی۔ وہ گلی کا پکوان

کھائے بغیر رہ نہیں سکتا تھا مگر اس روز وہ ریڑھیوں پر پکائے جانے والے سوّر کے نمکین گوشت اور لذیذ تلی ہوئی مچھلی تک کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ وہ اپنے غم میں گھرا ہوا واپس گھر آیا تھا۔

گراکس نے کبھی ذاتی محل نہیں بنوایا تھا۔ اس نے شہر کے اپنے پُرانے محلے میں ایک مکان کی نچلی منزل کو آباد کر رکھا تھا جس کے دروازے حاجت مندوں کے لئے کھلے رہتے تھے۔

گراکس کو یاد آ رہا تھا کہ اس روز وہ کسی سے سلام دعا کئے بغیر گھر آیا تھا۔ اس کے گھر میں صرف غلام عورتیں تھیں۔ دوسرے کنواروں کے برعکس اس نے کوئی خصوصی حرم نہیں قائم کیا تھا، بلکہ جس وقت اُسے خواہش ہوتی وہ ان غلام عورتوں میں سے اچھی لگنے والی کسی عورت کی طرف رجوع کرتا تھا۔ جونہی کوئی عورت حاملہ ہوتی، وہ اسے کسی جاگیردار کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ بچے کی پرورش دیہاتی ماحول میں ہونی چاہئیے۔ اسے اپنے اس فعل میں کسی قسم کی غیر اخلاقیت یا ظلم نظر نہ آتا تھا۔

ان عورتوں میں سے اس کی کوئی مخصوص پسندیدہ عورت نہ تھی۔ وہ شوق سے کہا کرتا تھا کہ اس کا گھر سب سے زیادہ پُر امن اور باضابطہ گھر ہے۔ مگر اب سلاریا محل میں لیٹے ہوئے جب وہ اس روز کو یاد کر رہا تھا تو اُسے اپنی گھر ہستی کی یادداشتوں سے کسی طرح کی گرمجوشی یا مُسّرت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ پھر بھی وہ اس روز کے واقعات کو یاد کرتا رہا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ وہ چوغہ پہنے تن تنہا اس کمرے میں بیٹھا تھا جسے وہ اپنا دفتر کہا کرتا تھا۔ وہ وہاں ایک گھنٹہ سے بیٹھا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''کیا بات ہے؟'' اُس نے پوچھا۔

''کچھ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں''۔ غلام نے کہا

''میں کسی سے مِلنا نہیں چاہتا''۔

''یہ سینٹ کے معزز لوگ ہیں''۔

سینٹ کے لوگ اس سے ملنے آئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے اسے اپنے حلقے سے باہر نہیں کیا تھا۔ اسے دوبارہ زندگی ملی۔ اس کی انا بحال ہوئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لپک کر دروازہ کھولا اور اب وہ پُرانا گراکس تھا' وہی مسکراتا ہوا، پُر یقین اور باصلاحیت گراکس!

''حضرات! مَیں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں''۔

وہ پانچ رکنی وفد تھا۔ ان میں سے دو اعلیٰ افسر تھے، بقیہ تین سینٹ کے مدّبر اور ممتاز اراکین۔ وہ لوگ موجودہ ہنگامی حالت جتانے کی بجائے گراکس کو منانے آئے تھے۔

''گراکس! کیا تم ہمیں بے عزّت کرنے کا موقع تلاش کرنے کے لئے ایک سال انتظار کرتے رہے؟''۔

''آپ لوگوں سے معافی مانگنے کی نہ تو مُجھ میں اہلیت ہے اور نہ شان وشوکت''۔

''دونوں چیزیں تمہارے پاس ہیں''۔

اس نے کرسیاں منگوائیں اور وہ حلقہ بنا کر اس کے گرد بیٹھ گئے۔ پانچوں آدمی معمر بھی تھے اور پُر وقار بھی۔ انہوں نے عُمدہ سفید چوغے پہن رکھے تھے جو رُوم کی دُنیا پر حکمرانی کی علامت تھے۔

اس نے شراب اور مٹھائی کی ایک تھالی منگوالی۔ افسر کاپسی اَس نے بات شروع کی۔ اس کی باتوں نے گراکس کو پریشان کر دیا، کیونکہ اسے اندازہ نہ تھا کہ یہ وقت اتنا بحرانی ہوگا۔ اسے اندازہ ہوا کہ معاملے کا تعلق سپین سے بھی تھا، جہاں سرتوریئس' روم کے خلاف بغاوت کی قیادت کر رہا تھا۔ یہ بغاوت سرتوریئس اور پومپی کے درمیان اقتدار کی جنگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ گراکس دونوں سے نفرت کرتا تھا۔ وہ اس بات کے حق میں تھا کہ ایک طرف رہ کے انہیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے دیا جائے۔

''آپ دیکھیں''۔ کاپسی اَس نے کہا۔

''کاپوا کی اس بغاوت نے بڑا خطرہ پیدا کر دیا ہے''۔

''مجھے تو کوئی خطرہ نظر نہیں آتا'' گراکس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بھی، کہ غلاموں کی بغاوتیں ہمیں کتنا نقصان پہنچاتی رہی ہیں؟.....''۔

''آپ اس بغاوت کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟'' گراکس نے پوچھا۔

'اس میں کتنے غلام شامل ہیں؟ وہ کون ہیں؟ کہاں چلے گئے؟''۔

کاپسی اَس نے ایک ایک کر کے اس کے سوالوں کا جواب دیا۔

''ہم نے مسلسل رابطہ قائم رکھا ہوا ہے۔ پہلے پہل تو صرف گلیڈیٹروں نے بغاوت کی۔ ایک رپورٹ یہ ہے کہ صرف سترہ زندہ بچ کر فرار ہو گئے ہیں۔ بعد کی ایک رپورٹ کے مطابق بچ کر فرار ہونے والوں کی تعداد دوسو ہے۔ جن میں تھریشین، گال اور ایک بڑی تعداد میں کالے افریقی شامل ہیں۔ بعد کی رپورٹوں کے مطابق ان کی تعداد زیادہ ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ خوف ہو، یا ہوسکتا ہے کہ علاقے میں گڑ بڑ زیادہ ہو۔ لگتا ہے کہ انہوں نے بہت تباہی مچادی ہے، مگر تفصیلات موجود نہیں ہیں۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ وہ کہاں گئے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ویسوویئس پہاڑ کی جانب بڑھ رہے ہیں''۔

''تو کاپؔوا والے اتنے احمق ہیں کہ انہیں اندازہ ہی نہیں کہ ان کے دیہات میں کیا واقعہ پیش آیا؟ ان کے پاس پورا گیریزن موجود ہے۔ پھر گیریزن نے اس بغاوت کو تیزی سے فرو کیوں نہیں کیا؟''۔

کاپسی اَس نے سرد مہری سے گراکس کی طرف دیکھا۔

''کاپؔوا میں صرف ایک دستہ تھا''۔

''ایک دستہ! چند بدبخت گلیڈیٹروں کے خاتمے کے لئے آپ کو کتنی بڑی فوج چاہیئے؟''۔

''آپ بھی جانتے ہیں اور مجھے بھی پتہ ہے کہ کاپؔوا میں کیا کچھ ہوا ہوگا!''۔

''مجھے معلوم نہیں مگر میں اندازہ کر سکتا ہوں۔ اور میرا اندازہ ہے کہ گیریزن کمانڈر کو وہاں پر ہر سکول کا مالک پیسے دیتا ہے۔ بیس سپاہی یہاں ہوں گے، ایک درجن وہاں۔ شہر میں کتنے بچ گئے ہوں گے؟''۔

''دوسو پچاس۔ گلیڈیٹرز نے فوجیوں کو شکست دی، گراکس! یہی بات پریشانی کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ شہر کے دستوں کو فوراً روانہ کیا جائے''۔

''کتنے دستے؟''۔

''کم از کم چھ دستے۔ تین ہزار آدمی''۔

''کب؟''۔

''فوراً''۔

گراکس نے سر ہلایا۔ اس نے جواب دینے کے لئے غور کیا۔ اس نے اپنے ذہن میں غلاموں کی نفسیات کے بارے میں اپنی ساری معلومات کو مجتمع کیا۔

''یہ نہ کریں''۔

مخالفت کرنا اس کی عادت تھی۔ ان سب نے پوچھا کہ کیوں؟۔

''کیونکہ مجھے شہری دستوں پر اعتبار نہیں۔ فی الحال غلاموں کو اپنے حال پہ چھوڑ دیں۔ ان کو تھوڑا سا سڑنے گلنے دیں۔ شہر کے دستوں کو نہ بھیجیں''۔

''پھر کس کو بھیجیں؟''۔

''باقاعدہ فوجوں میں سے کسی دستے کو واپس بلائیں''۔

''سپین سے؟ اور پومپی؟''۔

''دفع کریں اسے، اچھا۔ جہنم میں جائے سپین۔ سسلپائن گال سے تیسری رجمنٹ کو بلوائیں۔ جلدی نہ کریں۔ یہ غلام ہیں اور تعداد میں بھی مٹھی بھر ہیں۔ وہ اس وقت تک کوئی بڑی چیز نہیں بن سکتے جب تک کہ آپ انہیں بڑی چیز نہ بنائیں.....''۔

وہ اس طرح دلیل بازی کرتے رہے۔ گراکس نے پھر اپنی بات دُہرائی، مگر وہ ہار گیا اور ان کی طرف دیکھنے لگا جو غلاموں کی بغاوت سے خوفزدہ تھے، اور چھ شہری دستے بھیجنے کا عزم رکھتے تھے۔

گراکس بہت کم سویا۔ وہ حسبِ معلوم پو پھٹتے ہی جاگ گیا۔ اس نے کھانے کے لئے پھل اور پانی اٹھایا اور برآمدے میں چلا گیا۔

دن، انسانی خوف اور پریشانیوں کو ہلکا کرتا ہے اور مرہم کا کام دیتا ہے۔ ایسا اکثر ہوتا ہے مگر

ہمیشہ نہیں۔اس لئے کہ انسانوں کے کچھ گروہ دن کی روشنی کا خیر مقدم نہیں کرتے۔قیدی رات سے پیار کرتا ہے جو گرم کپڑے کی مانند اس کی سردی دُور کرتی ہے، اُس کی حفاظت کرتی ہے اور اسے آرام پہنچاتی ہے۔دن کی روشنی ایک سزا یافتہ شخص کے لئے خوشی کا پیغام نہیں لاتی۔مگر سورج کی شعاعیں رات کی کنفیوژن کو دھوڈالتی ہیں۔ بڑے لوگ ہر صبح اپنی عظمت کا لبادہ اوڑھتے ہیں۔اس لئے کہ رات کو بڑے آدمی دوسروں کی طرح ہو جاتے ہیں اور ان میں سے کچھ کمینگی کے کام کرتے ہیں اور ان کے دیگر لوگ رات کو موت اور تاریکی کے خوف سے تھر تھر کانپتے ہیں۔مگر صبح کو وہ پھر بڑے لوگ بن جاتے ہیں۔

گراکس سفید چوغہ پہنے برآمدے میں بیٹھا ہے۔اس کا چہرہ مسرور اور مطمئن ہے۔وہ بالکل ایک رومن سینیٹر لگ رہا ہے۔ری پبلکن روم کی سینٹ کے ممبروں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی اشرافیہ، عمدہ اور دانا شخص نہ تھا اور جو کوئی گراکس کو دیکھتا تو اسے اس بات پر یقین ہو جاتا تھا۔یہ درست تھا کہ وہ اشرافیہ میں پیدا نہیں ہوا تھا اور اس کی رگوں میں بہنے والا خُون گھٹیا نسل کا تھا۔مگر وہ بہت دولت مند تھا اور رُوم کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ لوگوں کو ان کے خاندان کے علاوہ ان کی دولت سے بھی ناپتا تھا۔یہ حقیقت تھی کہ دیوتا جس شخص کو دولت بخشتے تھے، تو ظاہر ہے کہ اُس شخص میں پیدائشی صلاحیتیں موجود ہیں۔اور اس کا ثبوت یہ تھا کہ صرف کچھ آدمی امیر تھے اور بے شمار لوگ غریب۔

چونکہ گراکس وہاں بیٹھا تھا اس لئے سلاریا محل میں رونق افروز باقی لوگ بھی وہیں آ کر بیٹھ گئے۔وہ بہت اہم شخصیتیں تھیں۔وہ بآسانی ایک دوسرے سے گھُل مِل سکتے تھے۔انتونیئس کائیس پر ان کا اعتماد قائم ہو گیا تھا، جو اپنے سبزہ زار میں غیر متناسب لوگوں کو خلط ملط کرنے کی غلطی کبھی نہیں کرتا تھا۔ان لوگوں میں دو امیر ترین لوگ موجود تھے۔ایک جوان عورت تھی جو مستقبل میں ایک بڑی حرافہ ثابت ہونے والی تھی۔ایک نوجوان آدمی تھا جو نپی تلی سازشوں کے ذریعے شہرت پانے والا تھا اور ایک دوسرا نوجوان تھا جس کی گندگی اس کے لئے باعثِ شہرت بننے والی تھی۔

اس صبح وہ گراکس کے گرد بیٹھے تھے.....وہ چوغہ پہنے ہوئے وہاں بیٹھا ایک سیب چھیل رہا تھا۔وہ کبھی اِس سے اور کبھی اُس سے باتیں کر رہا تھا۔

''یہ بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے''۔اُس نے دُلہا بنے ہوئے مردوں اور بناؤ سنگھار کر کے آئی ہوئی عورتوں کی طرف دیکھتے ہوئے خود سے کہا۔وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے اور ان کی گفتگو، عقل و دانش سے بھری ہوئی تھی۔وہ مورتیوں کے بارے میں باتیں کرنے لگے تو سائیسیرو بول پڑا۔

''میں یونانیوں کے بارے میں سُن سن کر تنگ آیا ہوں۔انہوں نے ایسا کونسا کمال کیا ہے جو مصریوں نے ایک ہزار سال قبل نہ کیا ہو؟ دونوں ایک ہی طرح کے گلے سڑے لوگ تھے۔دونوں نہ تو بڑھوتری کے قابل تھے اور نہ کمان کرنے کے اہل۔یہی بات ان کی مورتیاں ظاہر کرتی ہیں۔رومن آرٹسٹ کم از کم ویسا پورٹریٹ تو بناتا ہے جیسا کہ وہ ہے''۔

''مگر جو کچھ وہ ہے، وہ بہت اکتا دینے والا ہے''ہیلینا نے جوان ہونے، دانشور ہونے اور عورت ہونے کے اپنے حق کو استعمال کرتے ہوئے احتجاج کیا۔گراکس سے توقع تھی کہ وہ آرٹ کے بارے میں کچھ جاننے سے انکار کرے گا۔مگر وہ تو آرٹ کے بارے میں بہت معلومات رکھتا تھا۔وہ مصری آرٹ خریدتا تھا۔اس لئے کہ وہ آرٹ اس کے اندر کے کسی تار کو چھیڑتا تھا۔کراسس کو آرٹ کے بارے میں کوئی خاص علم نہ تھا۔پھر بھی اسے سائیسیرو کے بیان پر غصہ آیا۔اسے سٹراند کے بارے میں بات کرنا اُس وقت اچھا لگتا، جب اسے ان نام نہاد گلے سڑوں کے ساتھ جنگ نہ کرنا پڑتی۔

''میں یونانی مورتیوں کو پسند کرتا ہوں''۔انتونیئس کائیس نے کہا''یہ سستی بھی ہیں اور رنگ اترنے پر خوبصورت بھی لگتی ہیں۔بے شک آس پاس نظر آنے والی ساری مورتیاں وہی بے رنگ کی پُرانی مورتیاں ہیں۔یہ باغ میں ہی اچھی لگتی ہیں اور مَیں انہیں وہیں نصب کرتا ہوں''۔

''پھر تو آپ کو سپارٹیکس کے مجسّمے یہاں لانے چاہئیے تھے۔قبل اس کے کہ کراسس ان مجسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرواتا''۔سائیسیرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجسمے؟''۔ہیلینا نے پوچھا۔

''وہ تباہ کرنے پڑے''۔کراسس نے سرد مہری سے کہا۔

''کس چیز کے مجسمے؟''۔

''اگر میں غلطی پر نہ ہوں تو یہ گراکس ہی تھے جنہوں نے ان کے توڑنے کا حکم دیا تھا''۔ سائیسیرو نے کہا۔

''آپ کبھی غلط نہیں ہو سکتے نوجوان!'' گراکس بڑبڑایا۔ ''وہ آتش فشاں پتھر کی تراشی ہوئی دو یادگاریں تھیں جنہیں سپارٹیکس نے پہاڑ کی مشرقی ڈھلوان پر ایستادہ کروایا تھا۔ میں نے وہ نہیں دیکھے تھے مگر انہیں تباہ کرنے کے فرمان پر دستخط میں نے کیے تھے''۔

''آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟''۔ ہیلینا نے پوچھا۔

''میں ایسا کیسے نہیں کر سکتا؟ اگر کوئی غلیظ غلاظت کا نشان کھڑا کر دے تو اسے صاف کرنا پڑتا ہے''۔

''وہ تھے کس طرح کے؟'' کلاڈیا نے پوچھا۔

گراکس اپنا سر ہلاتے ہوئے غمگین انداز میں مُسکرایا۔

''میں نے نہیں دیکھے۔ کراسس سے پوچھئے، انہوں نے دیکھے تھے''۔

''میں آرٹسٹ کے انداز میں تو رائے نہیں دے سکتا، مگر وہ بہت شاندار طریقے سے گھڑے گئے تھے''۔ کراسس نے بتانا شروع کیا۔

''وہ دو مجسمے تھے۔ ایک تو غلام تھا جس کی لمبائی تقریباً پچاس فٹ تھی۔ وہ پاؤں پھیلائے کھڑا تھا، اُس نے اپنی زنجیریں توڑ رکھی تھیں جو ڈھیلے ڈھالے انداز میں اس کے ساتھ لٹک رہی تھیں۔ اس نے ایک ہاتھ سے ایک بچہ اپنے سینے سے لگا رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک ہسپانوی تلوار اُٹھا رکھی تھی۔ وہ بہت خوبصورت مجسّمہ تھا لیکن میں آرٹ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ مگر وہ مجسمہ بہت نفاست کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ آدمی اور بچہ اس قدر وضاحت کے ساتھ گھڑے گئے تھے کہ زنجیروں سے بنے ہوئے زخم اور نشان بھی واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ کائیس تانیریا نے مجھے غلام کے بازوؤں کی مضبوطی کے بارے میں بتایا تھا۔ ہاتھ کی رگیں بالکل اسی طرح پھُولی ہوئی نظر آ رہی تھیں، جس طرح ہل چلانے والے انسانوں کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سپارٹیکس کے ساتھ اچھی خاصی تعداد میں یونانی تھے اور یونانی، مجسمہ سازی میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ انہیں اس مجسّمے کو پینٹ کرنے کا موقع نہیں ملا، یا پھر انہیں کہیں سے رنگ میسر نہ ہوا۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ وہ مجسّمہ ایتھنز کی ایسی پُرانی مورتیوں کی طرح تھا، جن کے رنگ اُتر چکے ہوتے ہیں۔ اور مَیں کائیس کی اس بات سے متفق ہوں کہ وہ رنگ اترنے کے بعد بہت خُوبصورت بھی لگتے ہیں اور قیمت میں بھی سستے ہوتے ہیں''۔

''دوسرا مجسمہ اتنا اُونچا نہ تھا۔ یہ یادگار اونچائی میں بیس فٹ تھی مگر تھی وہ بھی بہت خوبصورت۔ اس یادگار میں تین گلیڈ یٹرز کے مجسمے تھے، ایک تھریشین، ایک گال اور ایک افریقن۔ افریقن کا مجسمہ کالے پتھر پر تراشا گیا تھا مگر دوسرے دونوں سفید پتھر پر تراشے گئے تھے۔ افریقن درمیان میں کھڑا تھا۔ وہ باقی دونوں سے قدرے لمبا تھا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سہ شاخہ تھام رکھا تھا۔ اس کے ایک طرف تھریشین چاقو لئے ایستادہ تھا اور دوسری جانب تلوار لئے گال کھڑا تھا۔ یہ یادگار بہت خوبصورت تھی۔ چونکہ وہ جنگ کرتے رہے تھے اس لئے ان کی ٹانگوں، اور بازوؤں پر بے شمار زخم تھے۔ ان کے پیچھے فخریہ انداز میں ایک عورت کھڑی تھی۔ کہتے ہیں کہ وربینا بالکل ویسی ہی تھی۔ عورت نے اپنے ایک ہاتھ میں رسی تھام رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں پھاوڑا۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا''۔

''وربینا؟''۔ گراکس نے آہستگی سے پوچھا۔

''آپ کو وہ کیوں تباہ کرنے پڑے تھے؟''۔ ہیلینا نے پوچھا۔

''کیا آپ اُن کے مجسّمے سلامت چھوڑ سکتے ہیں؟''۔

اُلٹا گراکس نے پوچھا۔

''تا کہ ہر ایک ان کی طرف اشارہ کر کے کہہ سکے کہ یہ ہیں وہ غلام جنہوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا؟''۔

''روم اتنا مضبوط ہے کہ وہ انہیں سلامت رکھ سکتا ہے اور ان کی طرف اشارہ کرنا سہہ سکتا ہے''۔ ہیلینا نے کہا۔

''بالکل سچ کہتی ہیں آپ''۔سائیسرو نے کہا۔مگر کراسس کو وہ وقت یاد آ رہا تھا جب اس کے دس ہزار بہترین سپاہی خونی میدان میں بکھرے پڑے تھے اور غلام اس شیر کی مانند پھر رہے تھے جسے زخمی تو نہ کیا گیا ہو مگر جسے بہت غصے میں لایا گیا ہو۔

''ورینیا کا مجسمہ کیسے لگتا تھا؟''۔گراکس نے پوچھا۔اس نے اپنے سوال کو عام گفتگو کے انداز میں بنانے کی کوشش کی۔

''مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔وہ جرمن یا گال لگتی تھی۔اس کے لمبے بال تھے۔ڈھیلی ڈھالی قمیض تھی اور بال بنے ہوئے،اس طرح بندھے تھے جس طرح جرمن یا گال عورتیں کرتی ہیں۔وہ بہت اچھی مورت تھی۔وہ مجسمہ ایک عمدہ اور مضبوط عورت کا تھا۔وہ منڈی میں بکنے والی ان جرمن رنڈیوں کی سی تھی جنہیں خریدنے کے لئے ہر شخص بے قرار رہتا ہے۔یہ تو کسی کو معلوم نہیں کہ وہ واقعی ورینیا کا مجسمہ تھا یا نہیں۔بس پروپیگنڈے ہیں،افواہیں ہیں۔ورینیا کے بارے میں مجھے صرف وہ باتیں معلوم ہیں جو غلیظ باتیاتس نے مجھے بتائی تھیں۔اور وہ باتیں بھی بہت کم ہیں،سوائے اس بات کے کہ اس کو یاد کرتے ہوئے باتیاتس کی رنگت بدل جاتی تھی اور منہ میں پانی آتا تھا۔یقیناً ورینیا بہت دلکش عورت رہی ہوگی''۔

''اور آپ نے اس کے مجسمے کو بھی تباہ کر دیا؟''۔ہیلینا نے کہا۔کراسس نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ آسانی سے پریشان ہونے والا شخص نہ تھا۔اس نے ہیلینا سے کہا۔

''میں ایک سپاہی تھا اور میں نے سینٹ کے احکامات پر عمل کیا۔آپ نے سنا ہوگا کہ جنگِ غلاماں بہت معمولی چیز تھی۔اس طرح کا تبصرہ کرنا فطری بات ہے۔اس لئے کہ روم کے لئے یہ سود مند بات ہے کہ غلاموں کے ساتھ لڑائی کو چھوٹا کر کے پیش کر دیا جائے۔لیکن ہم یہاں اپنے دوست کے محل کے برآمدے میں بیٹھے ہوئے آپس میں صحیح بات کریں گے۔روم کو تباہ کرنے کے جتنے قریب سپارٹیکس پہنچا تھا،دوسرا کوئی نہ پہنچا تھا۔کسی اور نے روم کو اس قدر دہشتناک طور پر زخمی نہ کیا ہوگا۔میں اپنی بڑائی بیان نہیں کرنا چاہتا۔پومپی کو ہیرو بننے دیں۔اور پھر غلاموں کو کچل دینے میں کوئی اتنی بڑائی ہے بھی نہیں۔مگر سچ سچ رہتا ہے اور اگر سزا کی علامتیں ناخوشگوار ہیں تو یہ بھی سوچئے کہ مجھ پر کیا گزری جب میں نے میدان کو روم کے بہترین سپاہیوں کی لاشوں سے بھرا ہوا دیکھا تھا۔اس لئے غلاموں کے پتھر پہ تراشے ہوئے مجسموں کو تباہ کرتے وقت مجھے ذرا بھی افسوس نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس مجھے انہیں تباہ کرتے ہوئے قدرے سکون ملا۔ہم نے ان شبیہوں کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔اسی طرح ہم ان کی ہر یاد کو مٹا دیں گے۔ان کے ہر عمل اور طرزِ عمل کی ہر یاد کو۔میں بہت سادہ آدمی ہوں مگر میں یہ بات جانتا ہوں کہ بہترین طریقہ یہ ہے کہ کچھ لوگ حکومت کریں اور باقی اطاعت کریں۔یہی دیوتاؤں کی مرضی ہے اور ہوگا بھی ایسا ہی''۔

کراسس کی خصوصیت تھی کہ وہ خود جذباتی ہوئے بغیر جذبات ابھار دیتا تھا۔اس کے مضبوط و عمدہ فوجی خدوخال نے اس کی گفتگو کو پرزور بنا دیا تھا۔وہ صحیح معنوں میں ری پبلک کا شہباز تھا۔گراکس اسے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔وہ ہر ایک کو تک رہا تھا،لاغر اور غارتگر سائیسیرو کو،بانکے کائیس کو،ہیلینا کو،خاموش،بیمار اور بے ہودہ جولیا کو،خوب صورت کلاڈیا کو،انتونیس کائیس اور کراسس کو۔وہ سب کو تک رہا تھا،اور سب کو سُن رہا تھا۔اسے دوبارہ یاد آیا کہ جب وہ سینٹ ہال میں سے ناراض ہو کر چلا گیا تھا تو کس طرح سینٹ کی کمیٹی اس کے پاس آئی تھی۔یقیناً وہ ابتدا تھی جب چھ دستے روانہ کر دیئے گئے تھے۔اور جیسے کہ کراسس نے کہا کہ ابتداء کو فراموش کرنا تھا اور انجام کو بھی،جب تک کہ (ہوسکتا ہے کہ) انجام ابھی آنا تھا۔

4

شروع میں سینٹ نے غلاموں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے چھ دستے کا پوا بھیجنے کا فیصلہ کیا۔گراکس نے اس فیصلے کی مخالفت کی تھی مگر اس فیصلے پر عملدرآمد کر کے اسے ذرا سی انکساری کا سبق دیا گیا۔بعد کے حالات کے پیشِ نظر گراکس اپنی اس تذلیل کو تلخ اطمینان کے ساتھ یاد کرنے لگا تھا۔

ہر شہری دستہ پانچ سو ساٹھ سپاہیوں پر مشتمل تھا۔اسے خوب مسلح رکھا جاتا تھا۔شہر رہائش کے لئے اچھی جگہ ہوتی ہے۔فوج کی رجمنٹیں دنیا کے دوسرے کونے تک جاتیں اور عموماً کبھی واپس نہ آتیں۔ان کی قبریں غیر ملکی سرزمین پر بنتیں۔جن سپاہیوں کو وطن واپس آنا نصیب ہوتا بھی تو وہ بھی پانچ،دس یا پندرہ سال بعد لوٹ پاتے۔ان فوجیوں کو سارا دن پیدل مارچ کرنا ہوتا تھا۔راشن محدود

ہوتا تھا۔انہیں مشقت کرنا پڑتی تھی۔اور وہ ویرانوں میں سڑکیں اور شہر تعمیر کرتے تھے۔

شہری دستے عیاشی کی زندگی گزار رہے تھے۔اُن کے لئے شراب اور لڑکیوں کی بہتات تھی۔ شہری دستوں کا عام سپاہی بھی سیاسی اہمیت رکھتا تھا اور اس کی مُٹھی ہمیشہ گرم رہتی تھی۔ان سپاہیوں کو شہر میں اچھے اچھے فلیٹ ملے ہوئے تھے اور کئی سپاہیوں کے پاس تو چھ چھ داشتائیں موجود رہتی تھیں۔ یہ قِصّہ مشہور تھا کہ روم کے ایک بڑے بنگلے میں ایک سپاہی نے چودہ داشتائیں رکھی تھیں اور اس کا کاروبار یہ تھا کہ جب ان چودہ عورتوں سے پیدا کردہ بچے چھ سال کے ہوجاتے تو وہ انہیں منڈی میں بیچ دیتا تھا اور ایک بڑی رقم کما لیتا تھا۔اس قسم کے کئی قِصّے مشہور تھے۔

شہری دستوں کے یونیفارم بہت خوبصورت ہوا کرتے تھے۔ان کے کمانڈر اونچے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔وہ فوج میں شامل ہوکر اپنا کیریئر بنانا چاہتے تھے۔مگر ایک ایسا کیریئر جو تھیٹر ،اکھاڑے اور بہترین ریسٹورانوں کے نزدیک ہو۔اُن میں سے بہت سے افسر کائیس کے دوست تھے۔ایک آدھ بار اسے بھی فوج میں جانے کا خیال آیا مگر چونکہ اس کا رجحان اور طرح کا تھا،اس لئے اس نے فوج میں جانے کا خیال ہمیشہ کے لئے دِل سے نکال دیا۔چونکہ اِن دستوں کو تقریباً ہر عوامی تقریب میں پریڈ کرنے کے لئے بلایا جاتا تھا اس لئے اشرافیہ کے نوجوانوں کو فِطری خواہش پیدا ہوتی تھی کہ وہ بہترین وردیوں میں ملبوس ان دستوں کی کمانڈ کریں۔شہری دستوں کو عام فوجیوں کے گندے چمڑے کی پتلونوں کی بجائے ہرن کے چمڑے کی نرم اور رنگی ہوئی پتلونیں دی جاتی تھیں۔ ہر رجمنٹ کا رنگ جُدا جُدا اور ٹوپیوں کی کلغیاں مختلف ہوتی تھیں۔کندھوں پر سونے اور چاندی کے بنے ہوئے فیتے لگے ہوتے تھے۔ہر رجمنٹ کے بُوٹ مختلف ہوا کرتے تھے۔یہ گھٹنوں تک لمبے ہوتے اور ان پر چاندی کے بیلٹ لگے ہوتے تھے۔ہر دستے کی ڈھال مختلف ساخت کی ہوتی تھی۔الغرض شہری دستوں کا اسلحہ اور بکتر پورے اٹلی میں نمایاں اور لاثانی تھا۔

ان دستوں کو ہر صبح مشق کرائی جاتی تھی اور جب یہ دستے موسیقی کی زوردار دُھنوں کے ساتھ ساتھ مارچ کرتے تو لوگ شوق و مسرت سے انہیں دیکھنے کے لئے جمع ہوجاتے تھے۔

مگر سچی بات یہ ہے کہ شہری دستے لڑنے والے فوجی نہ تھے۔یہ محض بے روزگار اور پریشان لوگوں کو دبانے یا پھر شہر کی تنگ گلیوں میں جھگڑوں سے نمٹنے کے کام آتے تھے۔ان دستوں کو ہسپانوی، گال، جرمن، تھریشین یا افریقیوں کے خلاف لڑنے کے لئے روانہ کرنا نامعقول بات تھی۔ مگر چونکہ یہ غلاموں کی بغاوت کا معاملہ تھا اس لئے گراکس تک نے بھی جزوی طور پر اِن دستوں کے بھیجنے کی منظوری دے دی۔اسے یقین تھا کہ ساڑھے تین ہزار کی تعداد میں ہونے کے باعث وہ غلاموں کی بغاوت کو بطریقِ احسن کچل سکیں گے۔اس نے محض اُن سیاسی دستوں سے خوف کی وجہ سے اس کی مخالفت کی تھی جو کسانوں پر نہیں بلکہ شہری سپاہیوں پر مشتمل تھے۔شہر میں پلے بڑے ہوئے، یہ بے کار، بے شعور اور روم کے فضول ترین لوگ تھے جو نہ تو حکمران طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور نہ غلام تھے بلکہ دونوں کے درمیان زندگی بسر کرتے تھے۔وہ اپنا سارا دِن گلیوں یا اکھاڑوں میں گزارتے تھے۔وہ جوا کھیلتے، گھڑ دوڑ میں پیسہ لگاتے، ہر الیکشن میں اپنے ووٹ فروخت کرتے، گھٹیا غسل خانوں میں رہتے اور شہر کی گنجان آبادی میں چھوٹے اور گندے فلیٹوں میں رہائش رکھتے تھے۔شہری دستے انہی لوگوں میں سے بھرتی کئے جاتے تھے۔

سینٹ کے فیصلے کے اگلے روز علی الصبح چھ دستے روانہ ہوگئے۔ان کی کمان ایک نوجوان سینیٹر وری نئیس گلابرس کو سونپی گئی۔یوں تو روم میں فوج کے تجربہ کار اور معمّر لوگ کم نہ تھے۔مگر روم کو کئی برسوں تک اقتدار کی خاطر جاری کشمکش نے کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا اور سینٹ اپنے ممبروں کے علاوہ کسی اور کو کمان سونپنے کے معاملے میں بہت حساس اور چوکنا تھا۔وری نئیس گلابرس ایک فضول اور احمق آدمی تھا۔وہ محض سیاسی فرمانبردار قسم کا شخص تھا۔

اس وقت اس کی عمر 39 سال تھی۔اس کی ماں کا خاندان اہم اور ممتاز تھا۔اسی تعلقات نے اسے فائدہ پہنچایا تھا۔وہ زیادہ لالچی نہ تھا۔اس نے اپنی اس تعیناتی کا اس لئے خیر مقدم کیا کہ اس میں اسے نقصان نظر نہ آیا بلکہ مُفت کی شان و شوکت اس کے حصّے میں آرہی تھی۔اشرافیہ کی پوری آبادی میں اس کی پوزیشن بھی مضبوط ہوتی تھی۔اس کے زیرِ کمان فوجی افسروں کو ملٹری کے قوانین کے مطابق چلنا تھا۔اِسے تو محض چند فیصلے کرنے تھے اور ان کے بارے میں بھی اسے سینٹ نے واضح ہدایات دے دیں۔اسے بیس میل یومیہ کی رفتار سے کاپوا تک جانا تھا۔یہ سارا سفر اسپین شاہراہ

سے کرنا تھا۔فوجیوں کو اپنی خوراک اور پانی خود نہیں اٹھانے تھے بلکہ انہیں چھکڑوں پر لادنے کی سہولت موجود تھی۔اسے کاپوا کی فصیل سے باہر پڑاؤ ڈالنا تھا۔مگر اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ وہاں ایک دِن سے زیادہ قیام نہ کرے۔وہاں رَہ کر اسے غلاموں کی بغاوت کی رفتار اور قوت کے بارے میں جاسوسوں سے اطلاعات وصول کرنا تھیں۔جس کے بعد اس بغاوت کو کچلنے کے منصوبے بنانے تھے۔ان منصوبوں کی رپورٹیں اسے سینٹ کو بھیجنا تھیں۔مگر سینٹ کی منظوری کی اطلاع کا انتظار کئے بغیر اسے اپنے منصوبوں کے مطابق کاروائی شروع کرنی تھی۔اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ حالات اور ضرورت کے مطابق غلاموں سے جو چاہے، برتاؤ کرے۔مگر یہ کوشش کرے کہ بغاوت کے سرغنے زندہ پکڑے جائیں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں رُوم بھیجے جائیں تاکہ ان پر مُقدّمہ چلایا جاسکے اور سزادی جاسکے۔اگر کاپوا کی کونسل صلیبیں سجانے کی درخواست کرے تو اسے کاپوا کے باہر دس غلاموں کو صلیب پر چڑھانے کا اختیار ہے۔بشرطیکہ یہ تعداد کل گرفتار شدگان کی تعداد کے نصف سے کم ہو۔

ابھی تک روم میں بغاوت کے سرغنہ کے بارے میں کسی کو معلوم نہ تھا۔سپارٹیکس کا نام ابھی تک عام نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ابھی تک یہ معلوم تھا کہ باتیاتس کے سکول میں بغاوت کس طرح بھڑکی تھی۔

شہری دستے صبح ہوتے ہی پریڈ کے لئے جمع ہوگئے۔جب انہوں نے مارچ کرنا شروع کیا تو سورج کافی اُونچا ہوگیا تھا۔ان کے ڈھول اور بگل کی آوازوں سے پورا شہر گونج رہا تھا اور انہیں دیکھنے کے لئے ایک بہت بڑا مجمع جمع ہوگیا تھا۔

گراکس کو وہ دن بخوبی یاد تھا۔اسے اچھی طرح یاد تھا کہ فوجیوں کے مارچ کا انداز بہت خوبصورت تھا، بینڈ بج رہا تھا، جھنڈے لہرا رہے تھے اور سپاہی کلغی دار ٹوپیاں پہنے فخریہ انداز میں مارچ کررہے تھے۔وری نیس سب سے آگے تھا۔وہ ایک عمدہ سفید گھوڑے پر سوار تھا اور مجمعے کی طرف ہاتھ ہلا رہا تھا۔دُنیا میں خوبصورت فوجی پریڈ سے زیادہ دلکش چیز کوئی نہیں ہوتی اور گراکس کو یہ خوبصورت پریڈ خوب یاد تھی۔

اس طرح سینٹ کو سپارٹیکس کے نام کا پتہ چلا اور گراکس نے پہلی بار یہ نام سنا۔اور روم میں شاید پہلی بار زور زور سے سپارٹیکس نام کی بازگشت سنائی دی۔یہ نام کاپوا سے وری نیس کی رپورٹ کے بعد لیا جانے لگا جو اس نے سینٹ کو ارسال کی تھی۔وری نیس کی یہ رپورٹ کوئی متاثر کن مسودہ نہ تھی۔اس کی ابتداء ''مقدس سینٹ کے حضور'' کے روایتی الفاظ سے کی گئی تھی۔اور پھر اس میں شاہراہ ایپین کے ساتھ ساتھ رونما ہونے والے کچھ واقعات کا ذکر تھا۔کاپوا میں جاسوسوں کی جمع کردہ اطلاعات تھیں۔فوجی مارچ کا احوال یہ تھا کہ جن تین دستوں نے اپنی ٹانگوں پر کانسی کے بنے ہوئے بکتر پہن رکھے تھے، اُن کی رانوں پر دانے نکل آئے۔وری نیئس نے فیصلہ کیا کہ وہ بکتر اتار دیں۔اس نے ان بکتروں کو ایک چھکڑے پر لاد کر واپس روم روانہ کردیا۔ان دستوں کے افسروں نے اس عمل کو پسند نہ کیا۔وہ ان بکتروں کو اپنی رجمنٹ کی شان سمجھتے تھے۔ان کی واپسی سپاہیوں کی بے عزّتی کے مترادف تھی۔ایک سو آدمیوں کو ڈیوٹی کے لئے اَن فٹ قرار دے کر کاپوا میں چھوڑ دیا گیا۔دوسرے سینکڑوں سپاہی لنگڑا کر چل رہے تھے۔مگر یہ محسوس کیا گیا کہ وہ غلاموں کے خلاف مہم میں حِصّہ لے سکتے ہیں (گراکس نے جب لفظ ''مہم'' سنا تو وہ چونکا)۔

بغاوت کے بارے میں وری نیس حقائق بتانے اور اپنی تعریف کرنے کی خواہش کے درمیان پھنسا ہوا معلوم ہوتا تھا۔اس نے بغاوت کے پس منظر کے بارے میں باتیاتس کی کہانی کو رپورٹ میں شامل کردیا۔اس نے لکھا:

'' لگتا ہے کہ اس کی قیادت سپارٹیکس نامی ایک تھریشین اور کرکسس نامی ایک گال کررہے ہیں''۔یہ دونوں گلیڈیئٹر تھے۔مگر رپورٹ سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کل کتنے گلیڈیئٹر بغاوت میں شامل ہیں۔وری نیس نے تفصیل سے تین باغات کے بارے میں بتایا جنہیں جلا کر خاکستر کردیا گیا تھا۔ان باغات میں محنت کرنے والے غلام بلاشبہ اپنے آقاؤں کے وفادار تھے مگر موت کی دھمکی دے کر انہیں باغی غلاموں کے ساتھ شامل کردیا گیا۔جن غلاموں نے انکار کردیا، انہیں موقع پر ہی قتل کردیا گیا۔

(گراکس نے سر ہلایا۔بیان میں ایسا ہی لکھا جاسکتا ہے)۔

جاگیروں کے دو مالکوں نے کاپوا میں پناہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی مگر گلیڈیٹرز نے انہیں آلیا، ان کی گردنیں اڑا ڈالیں اور ان کے غلاموں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس کے علاوہ علاقے کے غلاموں کے اندر موجود اَن گنت غلام فرار ہو کر بغاوت میں شامل ہو گئے۔ وری نئیس نے تخریب کاریوں کی ایک فہرست بھی بھیجی تھی، جو غلاموں نے کی تھیں۔

اس نے ان الفاظ پر رپورٹ ختم کر دی کہ جس حد تک اسے معلوم ہے، غلاموں نے ولیسوئیس پہاڑ کی ڈھلوان پر چٹانوں اور جنگلوں میں اپنے ہیڈ کوارٹر قائم کئے ہوئے ہیں اور یہ کہ وہ ان کی طرف فوراً مارچ کرنا چاہتا ہے اور ان باغیوں پر جلد از جلد سینٹ کی فرمانبرداری مُسلط کرنا چاہتا ہے۔ سینٹ نے رپورٹ کی منظوری دی، ایک قرارداد بھی منظور کی گئی جس میں کہا گیا کہ تقریباً اسی غلاموں کو (جنہیں کانوں میں کام کرنے کے لئے پکڑا گیا تھا) سزا کی علامت کے طور پر صلیب پر چڑھایا جائے'' تا کہ مضافات میں موجود سارے غلاموں کو انتباہ ہو، اور وہ اپنے انجام سے متعلق باخبر ہوں''۔ اُسی روز اِن بے چارے ''مردودوں'' کو گھڑ دوڑ کے میدان کے درمیان میں صلیبوں پر چڑھا دیا گیا۔

پھر چھ دن تک وری نئیس اور اس کی فوجوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملی۔ پھر ایک مختصر رپورٹ ملی۔ شہری دستے غلاموں سے شکست کھا گئے تھے۔ یہ ایک مختصر رپورٹ تھی اور چوبیس گھنٹوں تک سینٹ اور شہر کے باشندے اُمید اور کشیدگی کی حالت میں انتظار کرتے رہے۔ سارے شہر میں خوف و ہراس پھیل چکا تھا۔

6

بند دروازوں کے پیچھے سینٹ کا اجلاس جاری تھا۔ باہر لوگ جمع تھے۔ ہوتے ہوتے یہ مجمع اتنا بڑھا کہ سینٹ کی عمارت کی طرف سے آنے والی گلیاں بھر گئیں۔ ہر جگہ افواہیں گشت کر رہی تھیں۔ سینٹ کو شہری دستوں کا حشر معلوم ہو چکا تھا۔

ہال میں صرف ایک دو نشستیں خالی تھیں۔ گراکس نے وہ اجلاس یاد کرتے ہوئے یہ فیصلہ دے

دیا کہ بحران اور تلخ اطلاعات کے موقع پر سینٹ بڑی یکسوئی سے غور و فکر کرتی تھی۔ ایوان میں موجود معمر اراکین کی غور بھری آنکھیں کسی خوف کے بغیر نتائج نکالنے کی فکر میں تھیں جبکہ نوجوان چہرے غصے سے درشت نظر آ رہے تھے۔ مگر وہ سارے روم کے سینٹ کے وقار کے بارے میں بہت زیادہ حساس تھے اور اسی کے پیش نظر گراکس کو اپنی تلخی دبانی پڑی تھی۔ وہ ان لوگوں کو جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ انہوں نے کن سستے اور گرے ہوئے ہتھکنڈوں سے یہ نشستیں خریدی تھیں اور سیاست میں کس قدر گندا کھیل کھیل چکے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ ہر ممبر نے اپنے گھر اور پائیں باغ میں گندگی کے کنوئیں قائم کر رکھے تھے اور ہر ممبر کس قدر غلیظ اور پست تھا مگر پھر بھی اعلیٰ مقام اور جاہ و جلال انہی کو حاصل تھا۔

وہ اب اپنی ذاتی فتح پر نازاں نہ تھا۔ اس کی ذاتی فتح کو اس مشترک مسئلے سے جُدا نہیں کیا جا سکتا تھا، جو ان سب کو درپیش تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے بطور انکوائری کنندہ چُن لیا گیا۔ اُس نے ان کا غم لے لیا اور اپنی حقیر کامیابی پس پشت ڈال دی۔ وہ کھڑا ہو گیا اور اس سپاہی کی طرف دیکھنے لگا جو محاذ سے واپس آیا تھا۔ یہ سپاہی بھی شہر کی گلیوں میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا تھا۔ مگر آج زندگی میں پہلی بار وہ مقدس سینٹ کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ دُبلا پتلا تھا، اس کی سیاہ آنکھیں خوف زدہ اور دزدیدہ تھیں۔ وہ پریشانی کے عالم میں بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ وہ غیر مسلح تھا۔ اس کے ایک بازو پر خُون آلود پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ سخت تھکا ہوا تھا۔ گراکس نے انکوائری کا ایسا طرز اختیار کیا جو دوسروں سے مختلف تھا۔

اس نے سوال جواب کرنے سے پہلے ایک خدمت گار کو شراب لانے کو کہا۔ اور سپاہی کے آگے میز پر شراب رکھوا دیا۔ چونکہ وہ شخص بہت کمزور تھا، اس لئے گراکس نہیں چاہتا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ سپاہی نے اپنے ہاتھ میں اقتدار والی عصا تھام رکھی تھی۔ یہ عصا سینٹ کی طاقت، بازو اور اتھارٹی کی علامت تھی۔

''تم یہ مجھے دے دو''۔ گراکس نے ابتدا کی۔

سپاہی پہلے تو اس کی بات نہ سمجھ سکا۔ تب گراکس نے اس کے ہاتھ سے چھڑی لے کر میز پر رکھ

دی۔ گراکس اس وقت بہت تکلیف محسوس کر رہا تھا اور اس کے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو چکی تھی۔ اسے انسانوں کی بے عزتی تو گوارا ہو سکتی تھی مگر اس چھوٹی سی چھڑی کی بے حرمتی گوارا نہ تھی، جو اس کی زندگانی کی شان تھی، طاقت و وقار تھی۔ یہی چھڑی چند دن قبل وری نیئس کو دی گئی تھی۔

اُس نے سپاہی سے پوچھا۔

''پہلے پہل تم اپنا نام بتاؤ''۔

''آرالوس پورتھس''

''پورتھس؟''۔

''آرالوس پورتھس''۔ سپاہی نے دُہرایا۔

ایک سینیٹر نے اپنے کان پر ہاتھ رکھا اور بول پڑا۔

''زور سے بولو۔ تمہاری آواز سنائی نہیں دے رہی''۔

''بولو''۔ گراکس نے کہا۔

''یہاں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ تم اس وقت سینٹ کے مقدس ایوان میں ہو۔ لافانی دیوتاؤں کے نام پر سچ سچ بولو۔ بولو!''۔

سپاہی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تھوڑی سی شراب لے لو''۔ گراکس نے کہا۔

سپاہی نے سفید چوغوں میں ملبوس ٹھوس آدمیوں کی قطاروں کی طرف دیکھا۔ وہ پتھر کی نشستوں پر غمگین صورتیں بنائے بیٹھے تھے۔ اُس نے کانپتے ہاتھوں سے گلاس میں شراب انڈیلی، گلاس کو لبالب بھرا، غٹا غٹ پی لیا اور دوبارہ ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''تمہاری عُمر کیا ہے؟''۔ گراکس نے پوچھا۔

''25 سال''۔

''اور تم کہاں پیدا ہوئے؟''۔

''یہیں۔ شہر میں''۔

''کیا تم کوئی کاروبار کرتے ہو؟''۔

سپاہی نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم ہر سوال کا جواب کم از کم ''ہاں'' اور ''نہ'' میں دو۔ اگر وضاحت سے جواب دے سکو تو اور بھی اچھا ہے''۔

''نہیں میں جنگ کے علاوہ کوئی اور کاروبار نہیں کرتا''۔ سپاہی نے کہا۔

''تمہاری رجمنٹ کون سی تھی؟''۔

''شہری رجمنٹ نمبر 3''۔

''اور تمہیں فوج میں کتنا عرصہ ہوا؟''۔

''دو سال دو ماہ''۔

''اس سے پہلے؟''۔

''اس سے پہلے میں خیرات پر گزارہ کرتا تھا''۔

''اس رجمنٹ میں تمہارا کمانڈر کون تھا؟''۔

''سلوی اَس کائیس سالوے لَوی اَس''۔

''اور تمہارا سینکڑہ کمانڈر؟''۔

''ماریوس گراکس آلویو''۔

''بہت خوب، آرالوس پورتھس! اب میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اور معزز ممبران کو بتا دو کہ کاپوا سے جنوب کی طرف روانگی کے بعد کیا کیا واقعات پیش آئے۔ تم مجھے صاف اور واضح الفاظ میں بتا دو۔ تمہاری باتوں کو تمہارے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا اور اس مقدس ایوان میں تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گی''۔

پھر بھی سپاہی کے لئے وضاحت اور تسلسل سے بولنا آسان نہ تھا۔

کئی برس بعد موسم بہار کی اس صبح کو سلاریا محل کے برآمدے میں بیٹھے گراکس کو یاد آیا کہ جو تصویر کشی سپاہی نے کی تھی، وہ بہت واضح اور مفصل تھی۔ وری نیئس کی کمان میں کاپوا سے جنوب کی

طرف مارچ کرنے والی فوج ایک تسلی بخش فوج ہرگز نہ تھی۔ موسم بھی خلافِ توقع گرم ہوگیا تھا اور شہری دستے مسلسل مارچ کرتے رہنے کے عادی بھی نہ تھے۔ گو کہ ہر شخص فوج میں عام طور پر اٹھائے جانے والے وزن سے بیس پونڈ کم بوجھ اٹھائے ہوئے تھا پھر بھی ان پر ہیلمٹ، زرہ، ڈھال، تیر کمان اور تلوار بہت بڑے بوجھ تھے۔ جہاں جہاں گرم فولاد کا کنارہ ان کے گوشت سے رگڑتا تھا وہاں زخم ہوجاتے تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ پریڈ والے نرم، خوبصورت اور شاندار بوٹ سڑکوں اور کھیتوں میں چلنے کے لئے بالکل بیکار تھے۔ شام کو بارش نے ان کو بھگو دیا اور شام ڈھلتے ڈھلتے وہ تلخ مزاج اور چڑچڑے ہوگئے تھے۔

گراکس اس منظر کے بارے میں سوچ سکتا تھا۔ شاہراہ پر سے قطاروں میں چلتے ہوئے سپاہی، چھلّڑے کی پیدا کردہ گرد میں اٹے ہوئے، ہیلمٹوں پر بھیگی ہوئی کلغی لٹکتی ہوئی اور تھکاوٹ اس قدر کہ شکایت بھری آواز بھی نہ نکل سکے۔ تقریباً اسی وقت انہوں نے کھیت میں کام کرنے والے چار غلام پکڑ لئے اور اُنہیں قتل کردیا۔ ان میں سے تین مرد تھے اور ایک عورت۔

''تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟'' گراکس نے سپاہی سے پوچھا۔

''ہم نے محسوس کیا کہ اس علاقے میں ہر غلام ہمارے خلاف تھا''۔

''اگر وہ تمہارے خلاف تھے تو وہ پہاڑیوں سے نیچے اُتر کر سڑک پر مارچ کرتے ہوئے سپاہیوں کو دیکھنے کیوں آئے؟''۔

''مجھے معلوم نہیں۔ انہیں تو دوسری رجمنٹ کے لوگوں نے قتل کیا تھا۔ انہوں نے اپنی صفیں توڑ دیں اور عورت کو دبوچ لیا۔ مردوں نے اس کی حفاظت کرنا چاہی اسی لئے وہ قتل کردیئے گئے۔ ایک لمحے کے اندر اندر مرد قتل ہوچکے تھے جب میں وہاں پہنچا.....''۔

''تمہارا مطلب ہے کہ تمہاری رجمنٹ نے بھی صفیں توڑ دیں؟'' گراکس نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ ساری فوج نے۔ ہم سب نے قطاریں یہ دیکھنے کے لئے توڑ دیں کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔ انہوں نے عورت کے کپڑے اتار دیئے اور اسے زمین پر لٹا دیا پھر ایک کے بعد دوسرا اس پر .....''۔

''اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں''۔ گراکس نے مداخلت کی ''اس پُورے عمل میں تمہارے افسروں نے کوئی دخل نہ دیا؟''۔

''نہیں جناب! افسروں نے کوئی دخل نہیں دیا''۔

''عورت کو کس طرح قتل کیا گیا؟''۔

''وہ اسی فعل سے مرگئی، جو ہم اس کے ساتھ کررہے تھے''۔ سپاہی نے آہستگی سے جواب دیا۔

گراکس نے اُس سے اور سوال بھی پوچھے مگر اس کی آواز مکمل طور پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے انہیں بتایا تھا کہ رات کو کیمپ لگاتے ہوئے دستوں نے خیمے تک کھڑے نہ کئے۔ رات گرم تھی اور سپاہی کھلے میدان میں لیٹ گئے۔ اس سے پوچھا گیا۔

''کیا تمہارے کمانڈر نے کیمپ کے گرد حفاظتی دیوار کھڑی کرانے کی کوشش نہ کی؟''۔

رومن فوج کی شان یہ تھی کہ جب تک اس کے گرد حفاظتی دیوار کھڑی نہ کردی جاتی اور اس کے گرد خندق نہ کھودی جاتی تو وہ کہیں ایک رات کے لئے بھی کیمپ نہیں لگاتی تھی۔

''ویری نیئس ایسا کرنا چاہتا تھا مگر رجمنٹ کمانڈروں نے اس کی مخالفت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے پاس کوئی انجینئر نہیں ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ منصوبہ بندی سرے سے تھی ہی نہیں۔ افسروں نے دلیل دی تھی کہ مٹھی بھر غلاموں سے بھلا فوج کو کیا خطرہ ہوسکتا ہے۔

''رات پہلے ہی کافی ہوگئی تھی اور میں نے افسروں کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اگر ویری نیئس فصیل بنانا چاہتا تھا تو اس نے ہمیں اندھیرا ہونے تک کیوں مارچ کرایا؟ سپاہیوں کی دلیل بھی یہی تھی۔ ہمارے پُورے سفر میں اس دن کا مارچ بدترین تھا۔ سڑکیں گرد آلود تھیں جن پر اتنی مٹی اڑ رہی تھی کہ سانس لینا مشکل ہورہا تھا اور پھر اُوپر سے بارش ہورہی تھی۔ افسروں کے لئے تو کوئی مسئلہ نہ تھا وہ تو گھوڑوں پر سوار تھے مگر ہمیں تو پیدل چلنا تھا''۔

ہاں گراکس کے لئے اس سپاہی کے الفاظ یاد کرنے کی بہ نسبت وہ منظر یاد کرنا آسان تھا جس کی تصویر کشی سپاہی نے کی تھی۔ گرد آلود سڑک بہت تنگ تھی۔ سڑک کے آس پاس رومن اشرافیہ کی عمدہ چراگاہیں تھیں اور کھیت تھے جن پر گھنے درخت اُگے ہوئے تھے۔ چھ دستے ایک میل کی حد تک سڑک

پر چل رہے تھے۔سامان سے لدے ہوئے چھکڑے جھول کھاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ سپاہی تھک کر چُور ہو گئے تھے اور ان کے عین سامنے بڑی چٹان تھی جس کے دامن میں ایک چھوٹا سا قطعۂ زمین تھا۔ وہاں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔سبز گھاس تھی، جنگلی جڑی بوٹیاں تھیں، ہر طرف ڈیزی کے پھُول کھلے ہوئے تھے اور رات ہو رہی تھی۔

انہوں نے وہیں پر اپنا کیمپ لگایا اور ویری نیئس نے افسروں کے کہنے پر قلعہ بندی کا کام ترک کر دیا۔ یہ بات گراکس کی سمجھ میں آتی تھی۔ رجمنٹ کمانڈروں نے کہا ہوگا کہ حملے کا کوئی امکان نہیں اور نہ ہی خطرے کی کوئی بات ہے۔ بغاوت کی ابتداء ہی میں گلیڈیئٹرز کی تعداد کوئی دو سو تھی جن میں سے کئی ایک مارے گئے۔اور پھر سپاہی تھکے ہوئے تھے۔ان میں سے کچھ تو گھاس پر دراز ہوتے ہی سو گئے تھے۔صرف چند لوگوں نے خیمے لگائے اور ڈسپلن کا تھوڑا سا خیال رکھا۔کئی لوگوں نے کھانا پکانے کے لئے آگ جلائی۔مگر چونکہ چھکڑوں پر بہت زیادہ کھانا لدا ہوا تھا، اس لئے اکثر نے آگ جلانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ یہ تھا کیمپ کا نقشہ۔

ویری نیئس نے اپنا خیمہ کیمپ کے عین وسط میں لگا دیا اور وہیں پر اپنی کمانڈری والا جھنڈا گاڑ دیا۔ کاپوا کے لوگوں نے پکے ہوئے عمدہ کھانوں کی کئی دیگیں انہیں دی تھیں۔اس نے سینئر افسروں کے ساتھ بیٹھ کر یہ کھانا کھایا ہوگا۔ وہ یقیناً اس بات پر خوش ہوا ہوگا کہ قلعہ بندی کی مصیبت سے جان چھُوٹ گئی۔ یہ مہم بہر حال بہت سخت نہ تھی۔اس میں وقار تھا، شان و شوکت تھی اور پھر یہ سفر روم کے عظیم شہر سے صرف چند روز کا تو تھا۔

اس طرح گراکس نے اپنے ذہن میں اس منظر کو یاد کیا۔ ذہن جس نے اسے درندگی سے بلند کر دیا تھا۔ ذہن انسان کے لئے مُسّرت بھی ہے اور غم بھی۔ گراکس اپنے ہاتھ میں تھامے پانی کو دیکھتے ہوئے اور اس خستہ حال سپاہی کی آواز کی بازگشت کو سنتے ہوئے دھوپ میں پھیل کر بیٹھا ہوا تھا۔اس کے ذہن میں تصویریں آتی رہیں۔ وہ ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جنہیں چند گھنٹوں میں موت کا سامنا کرنا تھا مگر جس کا انہیں علم نہ تھا۔کیا ویری نیئس نے کبھی سپارٹیکس کا نام سُنا تھا؟ شاید کبھی نہیں۔

''مجھے یاد ہے کہ کس طرح رات ڈھلی اور پھر آسمان ستاروں سے بھر گیا''۔ سپاہی نے پتھر چہروں والے سینٹروں سے کہا۔

یہ تھی ایک احمق کی تقریر کی سادہ سی خوبصورتی۔ رات ڈھلی اور ویری نیئس اور اس کے افسر یقیناً خیمے کے احاطے میں بیٹھ کر شراب پیتے رہے ہوں گے اور لذیذ گوشت کے ٹکڑے چباتے رہے ہوں گے۔انہوں نے یقیناً اس رات کو اچھی اور عقل کی باتیں کی ہوں گی کیونکہ اس رات وہاں دُنیا کے سب سے اعلیٰ سماج کے نوجوان اشرافیہ کے افراد بیٹھے تھے۔انہوں نے کیا باتیں کی ہوں گی؟ اس وقت یعنی چار سال گزرنے کے بعد گراکس یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس وقت تھیٹر، اکھاڑے وغیرہ میں کون سی چیزیں مقبول تھیں؟ ہاں۔ یہ تو پیکو وئیس کی نئی پروڈکشن ''آرمورم انڈیشم'' کا وقت تھا اور فلیوئیس گلاس نمایاں کردار کو اس طرح گاتا جیسے یہ پہلے کبھی نہ گایا گیا ہو (یا کبھی گایا یا ادا نہ کیا گیا ہو)۔ ہوسکتا ہے کہ شہری دستوں نے شاید شراب پیتے ہوئے بلند آواز سے گانے گائے ہوں۔

یاد، تصوراتی چیز ہوتی ہے۔کیمپ میں ہر جگہ تھکاوٹ دور ہوگئی ہوگی۔شہری دستے کے فوجیوں نے لیٹے ہوئے، روٹی کے بڑے بڑے لقمے نگلتے ہوئے ستاروں کی طرف نظریں لگائی ہوں گی۔اور اس طرح نیند چھا گئی، نرم نیند رُوم کے تین ہزار سپاہیوں پر چھا گئی جنہوں نے جنوب میں ''واسو ویئس'' پہاڑ تک اس لئے مارچ کیا تھا کہ غلاموں کو یہ سبق پڑھایا جا سکے، کہ غلاموں کو اپنے آقاؤں کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھانے چاہئیں۔

سینٹ نے سوالات پوچھنے کے لئے گراکس کو مقرر کیا تھا۔ وہ سوالات کر رہا تھا اور سپاہی کے جوابات دینے کے دوران سینٹ کے ہال میں اس قدر خاموشی تھی کہ اڑتی ہوئی مکھّی کی آواز بھی سنائی دیتی تھی۔

''تم سوئے؟'' گراکس نے پوچھا۔

''جی ہاں میں سو گیا''۔اس واحد خوف زدہ سپاہی نے جواب دیا جو گواہی کے لئے وہاں سے واپس آیا تھا۔

''اور تم جاگے کیسے؟''۔

سپاہی سوچ میں پڑ گیا۔اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور گراکس کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ بے ہوش نہ ہو جائے۔مگر وہ بے ہوش نہ ہوا اور اس کی رپورٹ جامع اور واضح تر ہوگئی۔مگر وہ جذبات سے عاری تھا۔اس کی چشم دید گواہی یوں تھی:

''میں سو گیا تھا۔اچانک میری آنکھ کھلی اس لئے کہ ایک شخص زور زور سے خراٹے لے رہا تھا۔مگر جب میں نے غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ فضا کئی لوگوں کے خراٹوں سے گونج رہی تھی۔میں چونکہ پیٹ کے بل سویا ہوا تھا۔اسی لئے میں نے فوراً پہلو بدلا۔میرے پاس ہی کالیس سویا تھا جو میرا بہترین دوست تھا۔جب میں نے پہلو بدلا تو میرا دایاں ہاتھ کسی گیلی گرم اور نرم چیز پر پڑا اور جب میں نے غور سے دیکھا تو یہ کالیس کی گردن تھی۔خراٹے اسی کی مکمل طور پر کٹی ہوئی گردن سے آ رہے تھے۔پھر جب میں اُٹھ بیٹھا تو مجھے محسوس ہوا جیسے میں خُون کے ایک تالاب میں بیٹھا ہوں۔مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ خُون میرا ہے یا کسی اور کا۔مگر میرے چاروں طرف چاندنی میں لاشیں پڑی تھیں۔جو جہاں کہیں سویا تھا، وہیں مر گیا۔سارے کیمپ میں غلام ہی غلام تھے جن کے پاس تیز دھار چاقو تھے۔یہ چاقو اوپر نیچے چل رہے تھے۔چاند کی کرنوں سے اُن کے چاقو چمک رہے تھے،اس طرح ہم میں سے تقریباً نصف لوگ سوتے میں قتل کئے گئے اور جب ایک شخص اچھل کر کھڑا ہو گیا تو انہوں نے اسے بھی قتل کر دیا۔اِدھر اُدھر سے کچھ سپاہیوں نے ایک گروپ بھی بنا لیا،مگر وہ بھی دیر تک نہ لڑ سکے۔قتل و غارت کا ایسا دہشت ناک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔تب مَیں پاگل ہو گیا اور میں نے بھی خراٹے لینے شروع کر دیئے۔پھر میں نے اپنی تلوار سونت لی اور کیمپ میں سے بھاگنے لگا۔

''مَیں نے ایک غلام پر وار کیا اور میرا خیال ہے کہ وہ مر گیا۔مگر جب میں مرغزار کے کنارے پر پہنچا تو کیمپ کے چاروں طرف نیزہ بردار لوگوں کی ایک قطار نظر آئی۔ان نیزہ برداروں میں سے اکثر عورتیں تھیں۔مگر وہ ایسی عورتیں نہ تھیں جو میں نے دیکھی تھیں یا جن کے بارے میں مَیں نے خواب دیکھے تھے۔بلکہ وہ ایک خوفناک اور وحشی مخلوق تھی۔ہَوا سے ان کے بال اڑ رہے تھے اور نفرت سے غرّانے کی وجہ سے ان کے منہ کھلے ہوئے تھے۔یہ غراہٹ خراٹوں میں شامل ہو رہی تھی۔بھاگتا ہوا ایک سپاہی مجھ سے آگے بڑھا اور نیزوں پر سے پھلانگ گیا۔اس کے تصوّر میں بھی یہ بات نہ تھی کہ عورتیں اس پر نیزہ چلائیں گی۔مگر انہوں نے نیزے چلائے۔اس جگہ سے کوئی بھی بچ کر نکل نہ سکا۔جب زخمی گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے آتے تو وہ انہیں بھی نیزے گھونپ دیتیں۔

''مَیں دوڑتا ہوا اس قطار تک گیا، انہوں نے نیزہ میرے بازو میں پیوست کر دیا۔تب میں واپس کیمپ کی طرف بھاگا اور خون کے تالاب میں گر گیا اور وہیں لیٹ گیا۔

''خراٹوں کی صدائیں برابر آ رہی تھیں۔مجھے پتہ نہیں کہ میں کتنی دیر تک وہاں پڑا رہا۔مَیں نے اُٹھنے اور لڑنے کا فیصلہ تو کر لیا مگر کچھ دیر انتظار کیا۔پھر خراٹے کم ہوئے۔اچانک کئی ہاتھوں نے مجھے دبوچ لیا اور مجھے کھڑا کر دیا۔انہوں نے میری تلوار مجھ سے چھین لی۔زخم کی وجہ سے میرے بازو میں شدید درد تھا۔غلاموں نے مجھے تھاما اور ایک چاقو میرا گلا کاٹنے کے لئے بلند ہوا۔مجھے اندازہ ہو گیا کہ بس سب کچھ ختم۔اب میں مر جاؤں گا مگر کسی نے پُکارا۔

''ٹھہرو'' اور چاقو رُک گیا۔اس وقت چاقو اور میری گردن کے درمیان ایک اِنچ کا فاصلہ تھا۔تب ایک غلام آیا۔اس کے ہاتھ میں ایک تھریشین چاقو تھا۔اسی نے ان کو رُکنے کا حکم دیا تھا۔میری زندگی انتظار کر رہی تھی۔پھر ایک سُرخ بالوں والا غلام آیا اور وہ آپس میں گفتگو کرنے لگے۔میں تنہا رہ گیا تھا۔اس لئے انہوں نے مجھے قتل نہیں کیا۔میں تنہا رہ گیا تھا اور باقی سب قتل کر دیئے گئے تھے۔

''وہ مجھے کیمپ میں لائے۔ساری فوج قتل ہو چکی تھی۔سپاہی زیادہ تر وہیں مرے پڑے تھے جہاں پہ وہ سوئے تھے۔وہ پھر کبھی نہ جاگے۔وہ مجھے ویری نیئس کے خیمے کے احاطے میں لائے مگر وہ بھی مرا پڑا تھا۔وہ اپنے گدے پر ہی مارا جا چکا تھا۔کچھ آفیسر بھی احاطے میں مرے پڑے تھے۔ہر جگہ لاشیں ہی لاشیں تھیں۔پھر انہوں نے میرے بازو کے زخم کی مرہم پٹی کی اور مجھے کچھ غلاموں کی نگرانی میں وہیں رکھا۔اس وقت آسمان پر سفیدی نمودار ہو رہی تھی اور صبح ہونے کو تھی اور سارے سپاہی مر چکے تھے''۔

یہ بیان اس نے وضاحت کے ساتھ جذبات سے عاری انداز میں دیا مگر اس دوران اس کی آنکھ پھڑکتی رہی اور اس نے سینیٹروں کی قطاروں کی جانب نظر نہیں اٹھائی۔جو پتھر کے بنے ہوئے

معلوم ہوتے تھے۔

''تمہیں یہ کیسے معلوم ہے کہ سب کے سب مارے گئے؟'' گراکس نے پوچھا۔

''انہوں نے پو پھٹنے تک مجھے وہیں رکھا۔ خیمے کے اطراف اُوپر لپیٹ دیئے گئے اور مَیں ہر طرف دیکھ سکتا تھا۔ خراٹے بند ہو چکے تھے مگر یہ اب بھی مجھے اپنی کھوپڑی کے اندر سنائی دے رہے تھے۔ میں چاروں طرف دیکھ سکتا تھا۔ میں جہاں بھی نظر دوڑاتا، مجھے لاشیں ہی دکھائی دیتی تھیں۔ فضا میں موت اور خُون کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ نیزہ بردار عورتوں کی اکثریت اب گھیرا ڈالے نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ کہیں چلی گئی تھیں۔ مجھے پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گئی تھیں۔ مگر خُون کی بُو کے درمیان مجھے کباب پکنے کی بُو آ رہی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ عورتیں ناشتے کے لئے گوشت پکا رہی ہوں۔ مجھے یہ سوچ کر متلی آئی کہ لوگ ایسے موقع پر بھی کچھ کھا سکتے ہیں۔ مَیں نے اُلٹی کر دی۔ غلاموں نے مجھے احاطے کے باہر گھسیٹا۔ میں اس وقت تک باہر ہی رہا جب تک کہ میری قے بند نہ ہوئی۔ اب میں ذرا سا ہلکا ہو گیا تھا۔ میں نے غلاموں کے گروہوں کو کیمپ میں سے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ لاشوں کے کپڑے اتار رہے تھے۔ انہوں نے یہاں وہاں ہمارے خیموں کو پھیلا دیا تھا۔ مجھے سارے میدان میں سفید دھبے نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے لاشوں پر سے ہر چیز اُتار دی۔ بکتر، کپڑے اور جُوتے۔ یہ چیزیں انہوں نے زمین پر پھیلائے ہوئے خیموں پر ڈھیر کر دیں۔ انہوں نے تلواریں، نیزے اور بکتروں کو ندی پر دھو دیا۔ ندی بڑے خیمے کے احاطے کے قریب بہہ رہی تھی اور خُون آلود ہتھیاروں کے اس میں دھونے سے اس کا رنگ زنگ نما ہو گیا تھا۔ ایک خیمہ احاطے کے قریب بچھا دیا گیا تھا۔ انہوں نے تلواریں اس پر ڈال دیں، ہزاروں تلواریں.....''۔

''غلاموں کی تعداد کتنی تھی؟''۔ گراکس نے پوچھا۔

''سات آٹھ سو۔ یا ہوسکتا ہے ہزار ہو۔ مجھے صحیح اندازہ نہیں۔ وہ دس دس کے گروپوں میں کام کر رہے تھے۔ وہ خُوب جانفشانی سے کام کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ نے ہمارے چھکڑوں کو جوتا اور ان پر وہ تمام چیزیں رکھ دیں جو وہ لاشوں پر سے اتار چکے تھے۔ پھر وہ یہ چھکڑے لے گئے۔ جب وہ کام کر رہے تھے تو کچھ عورتیں اپنے ٹوکروں میں روسٹ کیا ہوا گوشت لے کر آئیں۔ ایک وقت

میں ایک گروپ رُکتا اور کھانا کھاتا۔ انہوں نے ہماری راشن والی روٹیاں بھی کھا لیں''۔

''انہوں نے لاشوں کا کیا کیا؟''۔

''کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے لاشیں اسی حال میں چھوڑ دیں۔ جس حالت میں وہ تھیں۔ ایک دفعہ لاشوں پر سے سب کچھ اتارنے کے بعد وہ اس طرح گھوم پھر رہے تھے جیسے وہاں لاشیں سرے سے ہوں ہی نہیں۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ زمین پر جگہ جگہ خون پڑا تھا۔ اب سُورج نکل آیا تھا۔ یہ میری زندگی کا بدترین منظر تھا۔ میدان کے ایک سرے پر کچھ غلام کھڑے سارا کام دیکھ رہے تھے۔ ان کی تعداد چھ تھی۔ ان میں سے ایک سیاہ فام افریقی تھا۔ وہ گلیڈیئیٹر تھے''۔

''وہ میری طرف آئے تو میں نے پہچان لیا کہ وہ گلیڈیئیٹر تھے۔ ان کے بال چھوٹے کئے ہوئے تھے۔ اور ان کے جسموں پر جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے اور یہی پہچان ہے گلیڈیئیٹر کی۔ ان میں سے ایک کا کان غائب تھا۔ ایک کے بال سرخ تھے۔ مگر گروپ کا لیڈر ایک تھریشین تھا۔ اس کی ناک ٹوٹ ہوئی تھی اور اس کی کالی آنکھیں اس طرح تکتی تھیں کہ نہ ان میں حرکت ہوتی تھی اور نہ یہ جھپکتی تھیں''۔

اب سینیٹروں کا رویّہ بدل چکا تھا۔ اب وہ ایک اور طرز سے سُن رہے تھے۔ کشیدگی، نفرت اور گہرے غور سے۔ گراکس کو یاد تھا کہ یہ تبدیلی اس وقت آئی جب سپارٹیکس نمودار ہوا۔ سپارٹیکس دنیا کو ہلا ڈالنے کے لئے عدم سے اُبھرا تھا۔ دوسرے انسانوں کی جڑیں ہوتی تھیں، ایک ماضی ہوتا ہے۔ ایک ابتداء، ایک مقام، ایک سرزمین، ایک ملک۔ مگر سپارٹیکس کے پاس ان چیزوں میں سے کچھ نہیں تھا۔ وہ ایک سپاہی کے ہونٹوں میں پیدا ہوا۔ وہ سپاہی جو موت سے بچ گیا تھا اور اس کے بچنے کا انتظام سپارٹیکس نے اسی مقصد سے کیا تھا کہ وہ واپس سینٹ جائے اور سپارٹیکس کے خدوخال وہاں بیان کرے۔ یہ کوئی دیوہیکل شخص نہ تھا، نہ ہی وحشی اور خوفناک تھا بلکہ وہ محض ایک غلام تھا۔ مگر سپاہی نے اس میں کچھ چیزیں ایسی دیکھی تھیں جو وضاحت کے ساتھ سینٹ میں بیان کرنا لازمی تھیں۔

''اور اس کا چہرہ مجھے ایک بھیڑ کے چہرے سے مشابہ لگا۔ اس نے ایک چوغہ پہن رکھا تھا۔ اُونچے بوٹ پہن رکھے تھے۔ مگر کوئی زرہ بکتر اور ہیلمٹ نہ تھا۔ اس کے بیلٹ میں ایک چاقو تھا۔

صرف یہی اسلحہ اس کے پاس تھا۔ اس کا چوغہ خُون آلود تھا۔ اس کا چہرہ ایسا تھا جسے آپ بھول نہیں سکتے۔ میں اس سے خوف زدہ ہو کر رہ گیا''۔

سپاہی شاید یہ بھی بتاتا کہ اسے اس کی ٹوٹی ہوئی ناک اور کالی آنکھوں والا چہرہ خوابوں میں جب نظر آتا ہے، تو وہ ٹھنڈے پسینے سے شرابور ہو کر جاگ جاتا ہے۔ مگر سینٹ کو اس کے خوابوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

''تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ تھریشین ہے؟''۔

''میں اسے اس کے لہجے سے پہچان گیا۔ وہ اسی طرح بھدّے انداز میں لاطینی بول رہا تھا جیسے میں نے اکثر تھریشینوں کو بولتے ہوئے سُنا تھا۔ وہاں ایک تھریشین اور بھی تھا اور باقی ممکن ہے گال ہوں۔ وہ مجھے محض تکتے تھے، گھورتے تھے۔ جس سے مجھے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے میں دوسروں کے ساتھ ہی مر گیا ہوں۔ وہ مجھے گھورتے ہوئے احاطے کے دوسرے سرے تک جاتے تھے۔ احاطے سے اب لاشیں باہر لے جائی جا چکی تھیں اور دوسرے سپاہیوں کی لاشوں کے ساتھ میدان میں پھینک دی گئی تھیں۔ مگر انہوں نے ویری نیئس کی لاش پر سے پہلے ساری چیزیں اتاریں۔ اس کا سارا اسلحہ اور ساری چیزیں اس کے گدّے پر ڈھیر کر دی گئیں۔ اس کے پاس موجود سینٹ کی چھڑی بھی گدّے پر ڈالی گئی۔ غلام واپس آئے اور گدّے پر پڑے اسلحہ اور دوسری چیزوں کا نظارہ کرنے لگے۔ انہوں نے کمانڈر کی تلوار اٹھائی، اس کا معائنہ کیا اور دوسروں کو دکھائی۔ اس کی نیام ہاتھی دانت کی بنی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے دیکھا اور واپس گدّے پر پھینک دیا۔ پھر انہوں نے سینٹ کی چھڑی کا معائنہ کیا۔

شکستہ ناک والا شخص جس کا نام سپارٹیکس تھا۔ میری طرف مڑا۔ اس نے چھڑی اُوپر اٹھاتے ہوئے مُجھ سے پوچھا۔

''رومن! تمہیں معلوم ہے یہ کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا۔

''یہ مقدس سینٹ کا نشان ہے''۔ مگر انہیں اس کے بارے میں معلُومات نہ تھیں۔ مجھے تشریح کرنی پڑی۔ سپارٹیکس اور سُرخ بالوں والا گال گدّے پر بیٹھ گئے۔ باقی اسی طرح کھڑے رہے۔

سپارٹیکس نے اپنی ٹھوڑی ہاتھوں میں لی ہوئی تھی۔ اس کی کہنیاں رانوں پر تھیں اور اس کی آنکھیں مُجھ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ جیسے سانپ آنکھیں ٹکا کر دیکھتا ہے۔ جب میں نے بولنا ختم کر دیا تو وہ خاموش رہے۔ سپارٹیکس بدستور مجھے گھورتا رہا۔ میرے جسم سے پسینہ رواں تھا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنے والے ہیں۔ تب اس نے مجھے اپنا نام بتایا۔

''میرا نام سپارٹیکس ہے''۔ وہ بولا ''میرے نام کو یاد رکھو رومن!''۔ وہ سب مجھے دیکھنے لگے۔ پھر سپارٹیکس بولا۔

''تم نے کل تین غلاموں کو کیوں قتل کیا تھا؟ اُن غلاموں نے تو تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ وہ سپاہیوں کو مارچ کرتا ہوا دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ کیا رومن عورتیں اتنی پاک دامن ہیں کہ ایک پورا دستہ ایک بے چاری غلام عورت کی عصمت لوٹے؟ تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟''۔

''مَیں نے اُسے بتایا کہ دُوسرے دَستے نے اس کی عصمت دَری کی اور غلاموں کو قتل کر دیا۔ میں تو تیسرے دستے میں تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ مَیں نے ان غلاموں کے قتل میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی اس عورت کی عصمت کو لوٹا۔ مجھے معلوم نہیں کہ انہیں یہ سب کچھ کس طرح معلوم تھا۔ حالانکہ جب ان غلاموں کو قتل کیا گیا تھا تو اس وقت آس پاس کوئی نہیں تھا۔ مگر ہم نے جو کچھ بھی کیا تھا۔ وہ اس سے اچھی طرح باخبر تھے، انہیں ہمارے کاپُوا آنے کا علم تھا۔ کاپُوا سے ہماری روانگی کا بھی انہیں پتہ تھا۔ یہ سب خبریں اس کی سانپ نما آنکھوں میں تھیں جو کبھی بھی نہ جھپکتی تھیں۔ اس نے اپنی آواز بلند نہ کی۔ وہ مجھ سے اس طرح باتیں کرتا رہا جس طرح ایک بچے سے بولا جاتا ہو۔ وہ ایک قاتل تھا۔ اس کی آنکھیں قاتلوں کی آنکھوں جیسی تھیں۔ ان سب کی آنکھیں قاتلوں کی سی تھیں۔ وہ سب کے سب قاتل تھے۔ مَیں جانتا ہوں کہ سارے گلیڈیٹر قاتل ہوتے ہیں۔ جس طرح کے قتل اس رات ہوئے، ایسے قتل گلیڈیٹر کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ میں گلیڈیٹرز کو جانتا ہوں جو.....''۔

گراکس نے مداخلت کی۔

''ہمیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تم کیا جانتے ہو۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تمہارے اور

غلاموں کے درمیان اور کیا باتیں ہوئیں؟''۔

''یہی ہوا''۔ سپاہی نے کہنا شروع کر دیا مگر پھر وہ رُک گیا۔ گویا بیدار ہو گیا ہو۔ اس نے طاقتور روم کے مقدس سینٹ کے ایک ایک رکن کے چہرے کو دیکھا اور کانپ کر کہنے لگا۔

''پھر میں نے انتظار کیا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ سپارٹیکس وہیں بیٹھا رہا اور چھڑی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اس پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے چھڑی میری طرف اچھال دی۔ پہلے تو مجھے معلوم نہ ہوا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ پھر اس نے کہا۔

''اسے اٹھالو سپاہی! اٹھالو اسے رومن۔ اٹھالو''۔ مَیں نے چھڑی اٹھالی۔

''اب تم مقدس سینٹ کے نشان ہو، اس کے ایلچی ہو''۔ اس نے کہا۔ وہ ناراض یا غصّے میں نہیں لگتا تھا۔ اس نے اپنی آواز اُونچی نہ کی۔ وہ محض ایک حقیقت بیان کر رہا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ اس کے نزدیک یہ بات حقیقت تھی۔ میں نے چھڑی اٹھالی۔ میں اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں کچھ کرتا تو مقدس چھڑی کو چھُونے سے پہلے ہی قتل کر دیا جاتا۔ میں ایک رومن ہوں' ایک سٹیزن ہوں.....''۔

''تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اپنا بیان جاری رکھو''۔ گراکس نے کہا۔

''اب تم مقدس سینٹ کی علامت ہو''۔ سپارٹیکس نے پھر کہا۔ ''مُقدّس سینٹ کا بازو بہت لمبا ہے جس کا آخری سرا تم خود ہو''۔ میں چھڑی تھامے ہوئے تھا اور وہ مجھ پر آنکھیں جمائے بیٹھا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا۔

''رومن! کیا تم سٹیزن ہو''۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے سر ہلایا اور ہلکا سا مُسکرا دیا اور بولا۔

''اب تم کمانڈر رہو۔ میں تمہیں ایک پیغام دیتا ہوں۔ تم یہ پیغام مقدس سینٹ کے پاس لے جاؤ اور لفظ بہ لفظ سینٹ کو سنا دو''۔

پھر وہ رُکا اور سینٹ انتظار کرنے لگا۔ گراکس انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اسے غلام کا پیغام سنانے کا نہیں کہا۔ سپارٹیکس عدم سے نکل آیا تھا اور اب وہ سینٹ کے ایوان کے عین وسط میں کھڑا تھا اور

گراکس نے اسے دیکھا، جس طرح اس نے سپارٹیکس کو بعد میں بھی کئی بار دیکھا، حالانکہ اس نے سپارٹیکس کو جسمانی طور پر کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اور پھر بالآخر گراکس نے سپاہی سے بیان جاری رکھنے کو کہا۔

''میں وہ الفاظ نہیں کہہ سکتا''۔

''سینٹ تمہیں وہ الفاظ کہنے کا حکم دیتا ہے''۔

''یہ ایک غلام کے الفاظ تھے۔ خدا کرے، میری زبان سُوکھ جائے''۔

''بس کافی ہو چکا''۔ گراکس نے کہا۔ ''ہمیں بتاؤ کہ اس غلام نے تمہیں ہمارے لئے کیا پیغام دیا؟''۔

تب سپاہی نے سپارٹیکس کے الفاظ کہے اور کئی سال بعد گراکس اس پیغام کو قریب قریب لفظ بہ لفظ یاد رکھ سکا تھا۔ اس نے سوچا ایک رومن کمانڈر کے دھاری دار خیمے کے احاطے کا منظر تھا۔ سپاہی ننگی لاشوں کے درمیان کھڑا تھا۔ سپارٹیکس کمانڈر کے گدّے پر بیٹھا تھا۔ گلیڈیٹرز پر مشتمل اس کا جنرل اسٹاف اس کے اردگرد جمع تھا۔ اس کے سامنے زندہ بچ جانے والا رومن سپاہی زخموں سے چُور اور خوف زدہ حالت میں کھڑا تھا۔ جسے دو سپاہی پکڑے ہوئے تھے اور جس کے ہاتھ میں سینٹ کی شان اور اقتدار والی چھڑی تھی۔

''سینٹ کے پاس جاؤ اور انہیں یہ چھڑی دے دو''۔ سپارٹیکس نے کہا۔ ''میں تمہیں مقتدر بناتا ہوں''۔ تم واپس جاؤ اور جو کچھ تم نے دیکھا' انہیں بتا دو۔ انہیں بتا دو کہ انہوں نے ہمارے خلاف فوج بھیجی اور ہم نے اسے تباہ کر دیا۔ انہیں بتا دو کہ ہم غلام ہیں۔ جنہیں وہ بولنے والا اوزار کہتے ہیں۔ ایک ایسا آلہ جس کی آواز ہوتی ہے۔ انہیں بتا دو کہ ہماری آواز کیا کہتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دُنیا تم سے بیزار ہو چکی ہے۔ دُنیا تمہارے گلے سڑے سینٹ سے بیزار ہو چکی ہے اور تمہارے گلے سڑے رُوم سے بیزار ہو چکی ہے۔ ان مال وزر اور جاہ وجلال سے بیزار ہو چکی ہے جو تم نے ہمارا خُون چوس کر حاصل کئے ہیں۔ دُنیا کوڑوں کے نغموں سے بیزار ہو چکی ہے۔ کوڑوں کا نغمہ وہ واحد نغمہ ہے جسے رومن جانتے ہیں مگر ہم اب یہ نغمہ کبھی سننا نہیں چاہیں گے۔ ابتدا میں سارے انسان ایک سے تھے۔

وہ امن سے رہتے تھے اور ان کی ساری چیزیں مشترک ہوا کرتی تھیں۔ مگر اب دو قسم کے انسان ہیں۔ آقا اور غلام۔ مگر تمہاری نسبت ہم غلاموں کی تعداد زیادہ ہے۔ بہت زیادہ اور ہم تم سے زیادہ مضبوط ہیں، تم سے زیادہ بہتر انسان ہیں۔ بنی نوع انسان کے پاس جو بھی اچھی چیزیں ہیں وہ ہمارے پاس ہیں۔

''ہم اپنی بیویوں سے پیار کرتے ہیں اور ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ ان کے پہلو بہ پہلو لڑتے ہیں۔ مگر تم اپنی بیویوں کو رنڈی اور ہماری عورتوں کو مویشی بناتے ہو۔ جب ہمارے بچے ہم سے چھینے جاتے ہیں تو ہم روتے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو بھیڑ بکریوں کے درمیان چھپاتے ہیں تاکہ وہ کچھ عرصہ مزید ہمارے ساتھ رہ سکیں۔ مگر تم اپنے بچوں کی پرورش مویشیوں کی طرح کرتے ہو۔ تم اپنے بچے ہماری عورتوں سے پیدا کرتے ہو اور انہیں غلاموں کی منڈی میں سب سے بڑی بولی لگانے والے کے ہاتھ فروخت کرتے ہو۔ تم انسانوں کو کتوں میں بدل دیتے ہو اور پھر انہیں مُسرت کے لئے ایک دوسرے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے اکھاڑے میں بھیج دیتے ہو۔ تمہاری پاک دامن عورتیں ہمیں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہوئے دیکھتی ہیں۔ ان کی گود میں ناز و ادا سے پالے ہوئے کُتّے ہوتے ہیں جنہیں وہ گوشت کھلاتی ہیں۔ تم کیسے گندے لوگ ہو اور تم نے زندگی کو کس قدر متعفن بنا دیا ہے۔ تم نے انسان کے سارے خوابوں، انسانی ہاتھوں کے سارے کام اور انسانی ماتھے کے پسینے کی تضحیک کی ہے۔

''تمہارے اپنے شہریوں کا گزارا جوا کھیلنے پر ہوتا ہے اور وہ اپنا سارا دِن اکھاڑوں اور سرکسوں میں گزارتے ہیں۔ تم نے انسانی حیات کو چھلنی چھلنی کر کے رکھ دیا ہے۔ تم نے زندگی کی ساری قدر، ساری قیمت چھین لی ہے۔ تم قتل برائے قتل کرتے ہو۔ بہتے ہوئے خون کا نظارہ تمہاری تفریح ہوتی ہے۔ تم ننھے بچوں کو معدنی کانوں میں جھونک دیتے ہو اور مشقت کروا کر چند ماہ میں ہی انہیں مار دیتے ہو۔

''تم نے ساری دُنیا کا مُجرم بن کر اپنی شان و شوکت تعمیر کی۔ یہ شان، یہ شوکت اب ختم ہو گئی۔ اپنے سینٹ کو بتا دو کہ یہ سب کچھ اب ختم ہو گیا۔ یہ ہے آلے کی آواز۔ اپنے سینٹ کو بتا دو کہ ہمارے خلاف اپنی فوجیں بھیج دے۔ ہم ان فوجوں کو اسی طرح تباہ کر دیں گے جس طرح ہم نے اس فوج کو برباد کر دیا ہے۔ ہم خود کو انہی فوجوں کے ہتھیاروں سے مسلح کریں گے، جنہیں تم ہمارے خلاف بھیجو گے۔ اب ساری دُنیا آلے کی آواز سنے گی۔ ہم دنیا بھر کے غلاموں کو صدا دیں گے کہ اُٹھو اور اپنی زنجیریں اتار پھینکو۔ ہم پورا اٹلی گھومیں گے اور ہم جہاں جائیں گے، غلام ہم سے آن ملیں گے، اور پھر..... پھر ایک دن ہم تمہارے ابدی اور لافانی شہر پر حملہ آور ہوں گے۔

''اپنے سینٹ کو بتا دو کہ ان کا وقت ابدی نہیں رہے گا، انہیں بتا دو کہ ہم انہیں بتا دیں گے کہ ہم کب آ رہے ہیں۔ تب ہم روم کی دیواریں پھاڑ ڈالیں گے۔ پھر ہم اس ایوان کی طرف آئیں گے جہاں تمہارا سینٹ بیٹھتا ہے اور ہم انہیں ان کی اُونچی اور عظیم الشان نشستوں پر سے گھسیٹ کر نیچے گرا دیں گے۔ ہم ان کی خلعتیں پھاڑ ڈالیں گے تاکہ وہ ننگے ہو جائیں۔ ہم اُن کا اسی طرح فیصلہ کریں گے جس طرح ہمیشہ سے ہمارا فیصلہ کیا جاتا رہا ہے۔ مگر ہم ان کا فیصلہ منصفانہ طور پر کریں گے۔ ہم ان سے ان کے کئے گئے ہر ہر جرم کا حساب لیں گے۔ انہیں بتا دو تاکہ انہیں تیاری کے لئے وقت مِل سکے گا۔ انہیں گواہی کے لئے طلب کیا جائے گا۔ ہماری یادداشتیں بہت لمبی ہوتی ہیں اور جب انصاف ہو جائے گا تب ہم بہتر شہر تعمیر کریں گے۔ صاف اور خوبصورت شہر جن کے گرد فصیلیں نہیں ہوں گی۔ جہاں انسان امن و مسرت کی فضا میں اکٹھے رہ سکیں گے۔ یہ ہے سینٹ کے نام ہمارا پیغام۔ یہ پیغام انہیں پہنچاؤ۔ انہیں بتا دو کہ یہ پیغام ایک غلام کی طرف سے ہے جسے سپارٹیکس کہا جاتا ہے.....''۔

سپاہی نے یہ پیغام سنایا اور پتھر جیسے چہرے والوں نے یہ کہانی سنی۔ مگر اسے بہت عرصہ گزر گیا تھا۔ یہ اس قدر پُرانی بات تھی کہ کئی لوگوں کو اب بھُول چکی تھی اور سپارٹیکس کے الفاظ لکھے نہیں گئے اور چند افراد کے ذہنوں کے علاوہ کہیں وجود نہیں رکھتے تھے حتیٰ کہ وہ الفاظ سینٹ کے ریکارڈ سے بھی خارج کر دیئے گئے۔ گراکس نے سوچا کہ سینٹ نے اچھا کیا کہ یہ الفاظ خارج کر دیئے۔ یہ عمل درست تھا، بالکل اسی طرح جیسے غلاموں کی بنائی ہوئی یادگاروں کو تباہ کرنا درست عمل تھا۔ گراکس نے یہ سمجھ لیا تھا۔ حالانکہ وہ کچھ بے وقوف سا تھا۔ کسی شخص کو عظیم بننے کے لئے تھوڑا سا بے وقوف ہونا پڑتا

ہے جب تک کہ وہ سپارٹیکس نہ ہو۔اس لئے کہ سپارٹیکس ایک عظیم شخص تھا۔کیا وہ بھی بے وقوف تھا؟ کیا وہ الفاظ ایک بے وقوف شخص کے تھے؟ پھر کس طرح ایک بے وقوف شخص چار سال تک روم کی طاقت کی مزاحمت کرسکتا ہے؟ کس طرح وہ ایک کے بعد دوسری رومن فوج کا صفایا کرسکتا ہے اور اٹلی کو اٹلی ہی کی فوجوں کا قبرستان بنا سکتا ہے؟ کیسے؟۔لوگ کہتے ہیں کہ وہ مر گیا مگر دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ مرے ہوئے لوگ بھی زندہ رہتے ہیں۔کیا یہ اس کا زندہ عکس ہے جو گراکس کی طرف چلا آ رہا ہے۔حجم میں دیو، عظیم الجثہ شخص اور پھر بھی نہ بدلا ہوا۔ٹوٹی ہوئی ناک، کالی آنکھیں، کھوپڑی پر مضبوطی سے جڑے ہوئے گھنگریالے بال؟ کیا مرے ہوئے لوگ چل سکتے ہیں؟

7

''بڈھے گراکس کو دیکھو تو'' انتونیس کائیس نے آگے کی طرف اس کے ڈھلکتے ہوئے سر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس کا مذاق نہ اُڑاؤ'' جولیا نے کہا۔

''گراکس پہ کون ہنسے گا؟ جولیا، جان من، گراکس پہ کوئی نہیں ہنس سکتا''۔سائیسیرو نے کہا۔'' میں اس جیسی عزت کے لئے تو ساری زندگی جدوجہد کرتا رہوں گا''۔

''اور ہمیشہ ناکام رہوں گا''۔ہیلینا نے سوچا

گراکس آنکھیں جھپکاتے ہوئے جاگ پڑا۔

''کیا میں سو گیا تھا؟''۔وہ جولیا کی طرف متوجہ ہوا۔''معافی چاہتا ہوں۔میں دن کو خواب دیکھ رہا ہوں''۔

''اچھی چیزوں کا''۔

''پرانی چیزوں کا۔میں نہیں مانتا کہ یادداشت انسان کے لئے کوئی نعمت ہے۔اس کے برعکس اکثر وہ اس سے عذاب میں پڑ جاتا ہے۔میرے پاس کئی یادیں ہیں''۔

''ساتھ والے شخص سے زیادہ نہیں''۔گراکس نے کہا۔''ہم سب کے پاس اپنی اپنی یادیں ہیں، اور اسی طرح تلخ و بے لطف یادیں ہیں''۔

''آپ کے پاس کبھی بھی خوشگوار یادیں نہیں ہیں؟''۔کلاڈیا نے پوچھا۔

''جانِ من۔تمہارے بارے میں میری یادداشت مرتے دم تک دمکتے سورج کی طرح ہوگی۔ ایک بوڑھے شخص کو یہ کہنے کی اجازت دیجئے''۔گراکس بڑبڑایا۔

''یہ تو ایک نوجوان شخص کو بھی اجازت دے گی'' انتونیئس کائیس ہنس پڑا۔''جب آپ سو رہے تھے تو کراسس ہمیں بتا رہا تھا کہ.....''۔

''کیا ہم سپارٹیکس کے علاوہ کوئی اور موضوع تلاش نہیں کر سکتے؟''۔جولیا چیخ پڑی۔''کیا سیاست اور جنگ کے علاوہ ہمیں کوئی بات کرنی نہیں آتی؟ مجھے اس گفتگو سے گھِن آتی ہے.....''۔

''جولیا!''۔انتونیئس کائیس نے مداخلت کی۔

وہ رُک گئی۔جلدی سے تھوک نگلا اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔

اس نے جولیا سے اس طرح بات کی جیسے کسی ضدی بچے سے کی جاتی ہے۔''جولیا۔کراسس ہمارے مہمان ہیں۔محفل انہیں سننا چاہتی ہے تاکہ وہ ہمیں وہ باتیں بتا دیں جو کسی اور طریقے سے ہم نہیں جانتے۔میرا خیال ہے جولیا۔اگر تم بھی سُنو تو تمہیں بھی اچھی لگیں گی''۔

جولیا کا منہ اکڑ گیا اور اس کی آنکھیں سُرخ و آبدیدہ ہوگئیں۔اُس نے گردن جھکا لی اور کراسس نے اپنی باوقار معذرت پیش کرنے میں دیر نہ لگائی۔

''پیاری جولیا! یہ موضوع مجھے بھی اس قدر اُکتا دیتا ہے جس قدر تمہیں۔مُجھے معاف کیجئے''۔

''میرا خیال ہے جولیا سُننا پسند کرے گی، ہیں ناں جولیا؟''۔انتونیئس کائیس نے پوچھا۔

''ہاں''۔وہ سرگوشی کے لہجے میں بولی''کراسس براہِ کرم اپنی گفتگو رکھیے''۔

''نہیں نہیں۔قطعاً نہیں''۔

''مَیں احمق ہوں، میرا رویہ ٹھیک نہ تھا''۔جولیا نے اس طرح کہا جیسے وہ ایک سبق دُہرا رہی ہو۔''براہِ کرم اپنی بات جاری رکھیئے''۔

گراکس فوراً بے لطف ہوتے ہوئے اس محفل میں داخل ہوگیا۔ اس نے بات جولیا سے کراسس کی طرف موڑ دی اور کہا۔

''میں جنرل کے تھیسس کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ وہ آپ کو بتا رہا تھا کہ غلام لڑائیاں اس لئے جیتے کہ انہیں انسانی زندگی کی کوئی قدر نہ تھی۔ ان کے غول ہم پر ٹوٹ پڑے اور ہمیں قابو کرلیا۔ کیا میں درست کہہ رہا ہوں، کراسس؟''۔

''آپ کبھی غلط نہیں ہوتے''۔ ہیلینا ہنس پڑی۔

گراکس نے خود کو نشانہ بننے دیا اور حتیٰ کہ سائیسیر و کو بھی برداشت کیا، جب اس نے کہا'' گراکس مَیں نے ہمیشہ اندازہ لگایا کہ جس شخص کا پروپیگنڈہ آپ کی طرح بہترین ہو، اس پہ اعتبار آ ہی جاتا ہے''۔

گراکس نے برداشت کرتے ہوئے کہا۔

''روم اس لئے عظیم ہے کہ روم کا وجود ہے۔ سپارٹیکس اس لئے قابلِ حقارت ہے کہ وہ سزا کی ان لاشوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہی بات یاد رکھنے کی ہے۔ آپ متفق ہیں نا کراسس؟''۔

جنرل نے سَر ہلایا۔

''پھر بھی'' سائیسر و بولا۔'' پانچ عظیم لڑائیاں سپارٹیکس جیت چکا۔ وہ لڑائیاں نہیں جہاں اس نے شہری دستوں کو پسپا کیا۔ حتیٰ کہ وہ بھی نہیں جہاں اس نے انہیں لڑنے پہ مجبور کیا۔ میرا اشارہ ان پانچ لڑائیوں کی طرف ہے جہاں اس نے روم کی فوجوں کو تباہ کر دیا، انہیں روئے زمین سے مٹا ڈالا اور ان کے ہتھیار لے لئے۔ کراسس اس نقطے کو بیان کر رہا تھا کہ سپارٹیکس داؤ پیچ کی صلاحیت رکھنے والے سے زیادہ، مخصوص قسم کے لوگوں کا خوش قسمت ..... یا بدقسمت لیڈر رتھا۔ وہ اس لئے ناقابلِ شکست تھے کہ وہ شکست کی فضول خرچی کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ کراسس آپ یہی نکتہ پیش کر رہے تھے ناں؟''۔

''کسی حد تک'' جنرل نے کہا۔ وہ جولیا کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''جولیا! مجھے ایک ایسی کہانی بیان کرنے دیجئے جو آپ کو پسند آئے گی۔ کچھ جنگ، کچھ سیاست

اور کچھ وریناسے متعلق۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ وہ سپارٹیکس کی بیوی تھی''۔

''میں جانتی ہوں''۔ جولیا نے نرمی سے جواب دیا۔ وہ گراکس کی طرف احسان مندی سے دیکھ رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں''۔ گراکس نے خود سے کہا۔''میں جانتا ہوں، میری پیاری جولیا! ہم دونوں کسی حد تک دُکھی اور کسی حد تک مضحکہ خیز ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مَیں ایک مرد ہوں اور تم عورت ہو۔ تم کروفر والی نہیں بن سکتیں۔ باقی ہم دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ہماری زندگیوں میں ایک جیسی خالی ٹریجڈی ہے۔ ہم دونوں ارواح سے محبت کرتے ہیں اس لئے کہ ہم نے زندہ انسانوں کے ساتھ محبت کرنا کبھی نہیں سیکھا''۔

''مَیں نے ہمیشہ سوچا ہے''۔ کلاڈیا غیر متوقع طور پر بولی'' کہ اُس عورت کو کسی نے ایسے ہی فرضی طور پر گھڑ لیا ہے۔ وریناایک تصوّر ہے''۔

''کیوں؟''۔

''اس طرح کی عورتوں کا وجود نہیں ہوتا''۔ کلاڈیا نے برجستہ کہا۔

''نہیں ہوتا؟ شاید۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ میں نے ایک ایسی جنگ کے بارے میں ایک کہانی پڑھی جو مَیں خود لڑا تھا۔ مگر جو کچھ مَیں نے پڑھا اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اسی طرح ہوتا ہے۔ میرے پاس وریناکے قِصّے کے درست ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لیکن میرے پاس اس کہانی کے درست ہونے کی کئی وجوہات ہیں اور میں اس کا اعتبار کرتا ہوں''۔

اس کی آواز میں ایک خاص قسم کا احساس تھا اور اس پر نظر ڈالتے ہی ہیلینا کو احساس ہوا کہ وہ بہت خوبصورت ہے۔ سورج کی تمازت میں بیٹھے ہوئے اس کا عُمدہ اور مضبوط چہرہ، نئی جمہوریہ کے شاندار ماضی کا عکس لگ رہا تھا۔ مگر کسی وجہ سے یہ خیال پُر لطف نہ تھا اور اُس نے ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے بھائی پر نظریں جمائیں۔ کائیس نے سرمست عبادت کے انداز میں جنرل پر اپنی نگاہیں مرکوز کر رکھی تھیں۔ باقی لوگوں نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ کراسس سب کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے تھا۔ اس کی نرم اور مخلصانہ آواز نے سب کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا حتیٰ کہ سائیسیر و بھی ایک نئے

ادراک کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کراسس نے کہنا شروع کر دیا۔

''پہلے میں کچھ اور بات شروع کروں گا۔ جب میں نے کمان سنبھالی اُس وقت جنگ کو شروع ہوئے کافی سال ہو گئے تھے۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ ایک شکست خوردہ کاز میں داخل ہونا کس قدر پیچیدہ ہے۔ جب جنگ بھی غلاموں کے ساتھ ہو تو فتح حاصل کرنے میں کوئی خاص وقار حاصل نہیں ہوتا اور شکست کی حالت میں شرم سے گردن اُٹھ نہیں سکتی۔ سائیسیرو ٹھیک کہتا ہے۔ پانچ فوجیں سپارٹیکس کے ہاتھوں میں تباہ ہو چکی تھیں۔ ان کا مکمل طور پر صفایا ہو چکا تھا''۔

اس نے گراکس کی طرف اشارہ کیا۔''آپ کا پروپیگنڈہ بہت زوردار ہے۔ مگر آپ تسلیم کریں گے کہ مجھے صورت حال کو اس طرح دیکھنا پڑتا تھا۔ جس طرح کہ وہ تھی''۔

''یقیناً''۔

''میں نے وہاں غلاموں کے کوئی جمِ غفیر نہیں دیکھے۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ ان کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ جمِ غفیر والی بات شروع میں تو سچ تھی۔ اگر سپارٹیکس کی کمان میں لوگوں کے بقول واقعی تین لاکھ آدمی ہوتے تو ہم آج اس سہانی صبح کو اٹلی کے اس عالی شان محل میں نہ بیٹھے ہوتے۔ روم تو کیا سپارٹیکس پُوری دنیا کو فتح کر چکا ہوتا۔ دوسروں کو تو اس پر شبہ ہو سکتا ہے مگر سپارٹیکس کے خلاف کئی بار لڑتے ہوئے مجھے اس بات پر شبہ نہیں ہو سکتا۔ اصل حقیقت یہ ہے اٹلی کے غلاموں کی واضح اکثریت کبھی بھی سپارٹیکس سے نہ ملی۔ بے شک بہت سے غلام اس کے ساتھ مِل گئے تھے مگر اس نے کبھی بھی 45 ہزار لڑاکا آدمیوں سے زیادہ کی فوج کو کمان نہیں کیا اور یہ تعداد بھی اس کی قوت کے عروج کے وقت تھی۔ بینی بال کے برعکس وہ روم کو شکست کے قریب لا چکا تھا۔ روم بھی ایسا کہ جو ایک ہی ہلے میں ہینی بال کو کچل ڈالنے پہ قادر تھا۔ صرف وہی غلام سپارٹیکس کے ساتھ مِل گئے جو سب سے زیادہ عمدہ، سب سے زیادہ وحشی اور غضب ناک تھے۔ مجھے یہ جان کر روم پر شرمندگی محسوس ہوئی کہ ان غلاموں نے کِس قدر خوف اور اضطراب برپا کر دیا تھا۔ مجھے سچ کی تلاش تھی۔ میں جامع طور پر یہ جاننا چاہتا تھا کہ دُنیا کی بہترین فوج، وہ فوج جس نے جرمنوں سے لے کر ہسپانویوں تک

اور ہسپانویوں سے لے کر یہودیوں تک سے لڑ کر انہیں تباہ و برباد کیا تھا، اس فوج کے سپاہی ان غلاموں کو دیکھتے ہی اپنے ہتھیار کیوں پھینک کر بھاگ جاتے ہیں۔ اس وقت مَیں نے سسلپائن گال میں کیمپ لگا رکھا تھا۔ یہ ایک ایسا کیمپ تھا جس پر حملہ کرنے سے پہلے سپارٹیکس کو کئی بار سوچنا پڑتا۔ مَیں نے معاملات پر غور کرنا شروع کیا۔ میں کچھ اوصاف رکھتا ہوں۔ ان میں سے ایک ''مکمل تفصیل'' جمع کرنا ہے اور لازم تھا کہ میں سینکڑوں لوگوں سے پوچھ گچھ کروں اور ہزاروں دستاویزات پڑھوں۔ ان میں سے ایک باتیاتس تھا۔ اس کے علاوہ سپارٹیکس کے ساتھ پچھلی لڑائیوں میں لڑے ہوئے کئی سپاہی اور آفیسر تھے اور ان میں سے ایک نے مجھے یہ کہانی سُنائی جس پہ میں اعتبار کرتا ہوں''۔

''اگر کہانی بھی پیش لفظ کی طرح طویل ہے تو میرا خیال ہے ہمیں دوپہر کا کھانا کھانا چاہیئے''۔ انتونیئس کائیس نے کہا۔ غلام پہلے ہی انگور، مصری خربوزے اور شراب لا رہے تھے۔ برآمدے میں موسم بہت خوشگوار تھا۔ جن لوگوں کو آج سفر پر جانا تھا، وہ بھی حرکت کرنے میں کوئی جلدی نہیں کر رہے تھے۔

''قدرے طویل تو ہے۔ مگر اس کا سننا اچھا.....!''۔

''جاری رکھیں''۔ گراکس نے روکھے پن سے کہا

''ہاں، میرا خیال ہے کہ مجھے یہ کہانی سنانی چاہیئے۔ یہ کہانی جولیا کے لئے ہے، جولیا تمہاری اجازت سے!''۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور گراکس نے سوچا۔

''تم اس کے اندر کے شیطان کو نہیں بھانپ سکتی ہو''۔

''یہ وہ وقت تھا جب سپارٹیکس نے روم کی فوج کو دوسری بار شکست دی تھی۔ پہلی بار تو میرے دوست گراکس اور آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ شہری دستوں کا صفایا کیا گیا تھا''۔ کراسس نے حسد بھرے لہجے میں کہا۔

''اس کے بعد سینٹ نے پبلیئس کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ ایک پوری ڈویژن اور میرا

خیال ہے کہ یہ بہترین فوج تھی۔شاید یہ تیسری ڈویژن تھی۔ ہیں نا گراکس؟''۔

''تفصیل آپ کی صفت ہے، میری نہیں''۔

''اور اگر مَیں غلطی پر نہیں ہوں تو فوج کے ساتھ شہری گھڑسوار دستہ بھی گیا تھا۔کل مِلا کر یہ سات ہزار افراد پہ مشتمل فوج تھی۔ جولیا! آپ یقین کریں کہ جنگی اُمور میں کوئی خاص تجسّس کی باتیں نہیں ہوتیں۔ایک اچھے جنرل کے لئے جس دماغ کی ضرورت ہوتی ہے، اس سے زیادہ تو پیسہ کمانے یا کپڑے کا ایک ٹکڑا بُننے کے لئے درکار ہوتا ہے۔اسی لئے جنگ پہ مامور لوگ اتنے عقلمند نہیں ہوتے۔ سپارٹیکس بہت عقلمند تھا۔ وہ جنگ کے چند سادہ اُصول جانتا تھا۔وہ رومن افواج کی طاقت اور کمزوریوں کے بارے میں جانتا تھا۔ یہ بات اور لوگ کم ہی جانتے تھے۔ ہینی بال جانتا تھا مگر شاید ہمارا ہمعصر پومپی نہیں جانتا!''۔

''کیا ہمیں یہ ارفع راز بھی سننا پڑیں گے؟''۔سائیسیرو نے پوچھا۔

''یہ نہ تو اس قدر اہم بات ہے اور نہ راز کی بات۔ میں یہ باتیں جولیا کے لئے دُہرا رہا ہوں۔ یہ چیزیں کوئی مرد سیکھ نہیں سکتا۔ پہلا اصول یہ ہے کہ جب تک بقاء کے لئے ضروری نہ ہو، کبھی اپنی فوجوں کو بانٹ نہ دو۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ لڑائی میں ہر وقت حملہ کرو۔ اگر حملہ نہیں کر سکتے تو لڑائی سے پرہیز کرو۔ دُشمن کو کبھی موقع نہ دو کہ وہ جگہ اور وقت کا انتخاب کرے۔ چوتھا اُصول یہ ہے کہ کسی قیمت پر گھیرے میں نہ آؤ۔ اور آخری اصول یہ ہے کہ دُشمن پر اس جگہ حملہ کر کے تباہ کرو جہاں پر وہ سب سے زیادہ کمزور ہو''۔

'اس طرح کی الف۔ب تو کسی بھی جنگی کتاب سے مِل سکتی ہے کراسس!''۔سائیسیرو نے کہا''یہ تو بہت سادہ سی باتیں ہیں''۔

''شاید۔مگر مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس طرح کی کوئی بھی سادہ چیز کم گہری نہیں ہوتی''۔

''اور صرف بات مکمل کرنے کی خاطر رومی افواج کی طاقت اور کمزوریاں بھی بیان کیجئے۔'' گراکس نے کہا۔

''یہ بھی سادہ سی باتیں ہیں اور مجھے یقین ہے کہ سائیسیرو پھر مجھ سے اتفاق نہیں کریں گے''۔

''میں ایک عظیم جنرل کے سامنے خود کو حقیر سا طالب علم سمجھتا ہوں''۔سائیسیرو نے آہستگی سے کہا۔

کراسس نے سَر ہلایا۔''نہیں۔ ایسا نہ کہیئے۔ آپ سب مجھ سے اتفاق کریں گے کہ دو صلاحیتیں کسی مطالعہ اور تیاری کے بغیر ہر کوئی رکھتا ہے۔ایک کتاب لکھنا۔اور دُوسرا کسی فوج کی قیادت کرنا۔اس لئے بہت سے احمق لوگ یہ دونوں کام کرتے نظر آتے ہیں۔ میرا اشارہ یقیناً خود اپنی طرف ہے''۔اس نے انکساری سے کہا۔

''یہ تو صاف ظاہر ہے''۔ہیلینا نے کہا۔

کراسس نے اس کی جانب سَر جھکا کر تعظیم پیش کی اور کہنا شروع کیا۔

جہاں تک ہماری اپنی فوج کا تعلق ہے اس کے لئے ایک لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے اور وہ لفظ ہے''ڈسپلن''۔ہماری فوج دنیا کی بہترین ڈسپلن والی فوج ہے۔شاید یہ واحد فوج ہے جس کے پاس ڈسپلن موجود ہے۔ایک اچھا جرنیل اپنی فوجوں کو روزانہ پانچ گھنٹے تک ڈرل کراتا ہے۔اس کے علاوہ ہماری فوج بہترین حملہ آور فوج ہے۔اس کی برتری کا راز اس کی اچھی حملہ آوری میں ہے اور اس کے بہترین ہتھیار حملے کے ہتھیار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری فوج جہاں بھی رات گزارتی ہے، وہاں فصیل تعمیر کرتی ہے۔ میدانِ جنگ کا انتخاب ہماری فوج کی پہلی حکمت عملی ہے۔مگر سپارٹیکس نے ہمیں اس عیاشی کی اجازت کبھی نہ دی۔ پبلئیس جب تیسری ڈویژن کو جنوب کی طرف لے جا رہا تھا، تو اس نے یہ سارے سادہ ترین اُصول بھلا دیئے۔اس بے چارے کے پلّے سپارٹیکس سے نفرت کے علاوہ کچھ نہ تھا''۔

اب انتوئیس کائیس کی دو بیٹیاں بھی محفل میں شامل ہوگئیں۔ وہ ہنستی دوڑتی ہوئی جولیا کی بانہوں میں آ گئیں۔کراسس کے آخری الفاظ نہیں سنائی دیتے۔

''کیا آپ سپارٹیکس کو جانتے تھے؟''۔بڑی لڑکی نے پوچھا''کیا آپ نے اُسے دیکھا تھا؟''۔

''مَیں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا''۔کراسس مسکرایا''مگر عزیزی! میں اس کی عزّت کرتا تھا''۔

گراکس ایک سیب چھیل رہا تھا۔اس نے گہری نظر سے کراسس کی طرف دیکھا۔کراسس اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔اس نے سیب کے چھلکے کو ایک ہی ٹکڑے کی صورت میں چھیل لیا۔بچیوں نے یہ دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجائیں۔وہ اس کی طرف دوڑی ہوئی آئیں۔اس نے ان سے اصرار کیا کہ وہ ایک خواہش کریں۔''پھر اس چھلکے کو اس خواہش کے گرد لپیٹیں۔سیب کے اندر سارا علم موجود ہے''۔

''اور کبھی کبھی ایک کیڑا بھی''۔جولیا نے فقرہ کسا۔''کراسس' آپ ورینیا کی کہانی سُنا رہے تھے!''۔

''اُس پہ ابھی آتا ہوں۔پہلے ذرا پس منظر بتادوں۔اس وقت تک سپارٹیکس وسوئیس کے علاقے میں تھا۔پبلیئس نے بے وقوفی کر کے اپنی فوج کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ہر حصّہ جو تقریباً دو ہزار سے زائد افراد پر مشتمل تھا، سپارٹیکس کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔سپارٹیکس نے تین الگ الگ معرکوں میں اس کی فوجوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا۔اس نے ہر بار پبلیئس کی فوجوں کو ایسی تنگ جگہوں پر گھیرے میں لے لیا جہاں ان کی مدد نہیں کی جا سکتی تھی۔صرف ایک موقع ایسا مِلا کہ گھڑ سواروں کا دستہ اور پیدل فوج کا بہترین حِصّہ گھیرے سے نکل گیا۔پیدل دستہ گھوڑوں کی دُموں سے لپٹ گیا۔اور گھوڑوں پر چابکوں کی بارش برسنے لگی۔آپ کو تو معلوم ہے کہ چابک گھوڑوں کو کس طرح بھگا دیتی ہے۔اگر آپ نے غلاموں کی جنگی حکمتِ عملی پر غور کیا ہو تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ ایسے موقعوں پر ان کے اوسان خطا نہیں ہوتے۔وہ اسی چیز پر توجہ مرکوز کرتے ہیں جو موجود ہوتی ہے۔اس بار بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔اس طرح پیدل فوج اور گھڑ سوار دستے کے تقریباً آٹھ نو سو افراد جنگل میں پسپا ہو گئے۔وہ اپنا راستہ بھول گئے اور غلاموں کے کیمپ پہنچ گئے جہاں عورتیں اور بچے تھے۔یہ ایک قسم کا گاؤں تھا۔اس کے چاروں طرف خندق کھودی گئی تھی، فصیل نما دیوار تھی، اور اس پر نوکدار لکڑیوں سے مورچہ بندی کی گئی تھی۔

سپارٹیکس کے پاس بہت سے بھگوڑے فوجی ہوں گے، اس لئے کہ اس گاؤں کو ایک فوجی کیمپ کی طرح تعمیر کیا گیا تھا۔اس کے اندر جھونپڑے اس ترتیب سے بنائے گئے تھے کہ ان کے درمیان باقاعدہ گلیاں تھیں۔دروازے کھلے تھے۔بچوں کی ایک بڑی تعداد باہر کھیل رہی تھی اور کچھ عورتیں

انہیں کھیلتے دیکھ رہی تھیں۔آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب فوجوں کو شکست ہوتی ہے اور وہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں تو ان کا ڈسپلن نہیں رہتا۔اُن پر کوئی فیصلہ لاگو نہیں ہو سکتا۔وہ غلاموں کو قتل کرتے ہیں خواہ وہ بچے ہوں یا عورتیں۔ہمارے پاس غلاظت سے نفرت کرنے کا جواز موجود ہے اور سپاہی اس نفرت سے بھرے ہوئے تھے۔وہ ان پر شہد کی مکھیوں کی طرح جھپٹ پڑے۔گھڑ سواروں نے بچوں کو اس طرح نیزوں پر لیا جس طرح آپ خرگوش کا شکار کرتے ہیں۔پہلے پہل انہوں نے کچھ عورتیں بھی قتل کر دیں۔مگر باقی عورتوں نے لڑنا شروع کر دیا اور پھر گاؤں کی عورتیں دروازوں سے باہر اُبل پڑیں۔وہ چاقوؤں، نیزوں اور تلواروں سے مسلح تھیں۔میرا اندازہ ہے کہ فوجیوں کے دماغ میں سوائے نفرت کے کچھ نہ تھا۔انہوں نے کچھ عورتوں کو قتل کیا ہو گا اور بقیہ کی عصمت دری کی ہو گی۔آپ کو تو معلوم ہے کہ اس وقت پُورے مُلک میں غلاموں کے بارے میں نفرت کے احساسات پھیلے ہوئے تھے۔سپارٹیکس سے قبل اگر کوئی مرد اپنی کسی غلام عورت کو قتل کر دیتا تو اس کے لئے گلی میں سَر اٹھا کر چلنا مشکل ہو جاتا۔ایسے اقدام کو نیچ حرکت سمجھا جاتا تھا۔اور اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ اس نے ایسا بغیر کسی وجہ کے کیا ہے تو اُسے بھاری جُرمانہ ادا کرنا ہوتا تھا۔یہ اُصول تین سال قبل بدل چکا تھا۔ہیں ناں گراکس؟''۔

''ہاں''گراکس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔''مگر آپ اپنی کہانی جاری رکھیئے۔آپ نے کہا تھا کہ یہ کہانی ورینیا کے بارے میں ہو گی''۔

''اچھا؟''۔ایسا لگتا تھا جیسے کراسس ایک لمحے کے لئے یہ بھُول چکا تھا۔جولیا لان کی طرف اشارہ کر کے اپنی بچیوں کو کہہ رہی تھی۔''اب دوڑ جاؤ اور جا کے کھیلو''۔

''آپ کا مطلب ہے کہ عورتیں سپاہیوں سے لڑی تھیں؟''۔کلاڈیا نے پوچھا۔

''جی ہاں۔وہاں خوفناک لڑائی ہوئی۔عورتیں سپاہیوں سے لڑیں۔سپاہی پاگل ہو گئے تھے اور یہ فراموش کر چکے تھے کہ وہ لڑا کا عورتیں تھیں۔لڑائی تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ عورتوں کی قیادت ایک وحشی عورت کر رہی تھی، اس کے بال سُرخ رنگ کے تھے۔یہی عورت ورینیا تھی۔وہ ہر جگہ پر موجود ہوتی۔اس کے کپڑے پھٹ کر تار تار ہو چکے تھے۔اور وہ ننگ دھڑنگ،

ایک نیزے کی مدد سے لڑ رہی تھی۔ وہ سراسر وحشت تھی.....''۔

''میں اس کہانی پر ذرا بھی یقین نہیں کرتا''۔ گراکس نے مداخلت کی۔

.....''اگر آپ نہیں چاہتے تو نہ کیجئے''۔ کراسس نے کہا۔''میں نے تو یہ صرف جولیا کے لئے بیان کی ہے''۔

''میرے لئے کیوں؟''۔ جولیا نے پوچھا۔

ہیلینا نے کراسس کی طرف گھورتے ہوئے کہا۔''براہِ کرم قصّہ مکمل کیجئے۔ خواہ یہ سچ ہے یا نہیں۔ اس کا آخر کوئی اختتام ہے کہ نہیں؟''۔

''عام سا اختتام ہے۔ ہر لڑائی کا ایک ہی اختتام ہوتا ہے۔ فتح یا شکست۔ ہمیں اس لڑائی میں شکست ہوگئی۔ کچھ غلام واپس آئے اور پھر عورتوں کے اجتماعی حملے میں سے محض چند گھڑ سوار زندہ بچے تھے۔ انہوں نے یہ رپورٹ پیش کی تھی''۔

''کیا ورینیا قتل نہیں ہوئی تھی؟''۔

''اگر وہی ورینیا تھی تو یقیناً قتل نہ ہوئی تھی۔ وہ بار بار پلٹ جاتی ہے''۔

''تو کیا وہ اب تک زندہ ہے؟''۔ کلاڈیا نے پوچھا۔

''اب اگر وہ زندہ ہے یا نہیں، اس کی کوئی اہمیت نہیں''۔ کراسس نے کہا۔

اب گراکس اٹھا اور چل دیا۔ ایک لمحہ خاموشی میں گزرا۔ تب سائیسیرو نے پوچھا۔

''بوڑھے شخص کو کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟''۔

''خدا جانتا ہے''۔

''آپ ایسا کیوں کہتے ہیں کہ ورینیا اگر آج زندہ ہے تو اس بات کی کوئی اہمیت نہیں؟''۔ ہیلینا نے پوچھا۔

''اب مسئلہ ختم ہو چکا ہے''۔ کراسس نے جواب دیا۔''سپارٹیکس مر گیا ہے۔ ورینیا ایک غلام عورت ہے۔ روم کی منڈی ایسی عورتوں سے بھری پڑی ہے۔ ورینیا جیسی ہزاروں غلام عورتیں فروخت ہو رہی ہوتی ہیں''۔ غصّہ سے اس کی آواز بھرا گئی.....

انتونیئس کائیس نے معذرت چاہی اور گراکس کے پیچھے چل پڑا۔ اسے تکلیف پہنچی کہ گراکس اور کراسس جیسے آدمی ایک دوسرے سے سرد مہری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اس نے گراکس کو پہلی بار ایسا رویّہ اختیار کرتے ہوئے دیکھا۔ کیا یہ جولیا کی وجہ سے تھا؟ اس نے سوچا نہیں نہیں۔ گراکس اس کی خاطر ایسا نہیں کر سکتا۔ موٹا، بوڑھا اور رنڈوا گراکس ایسا نہیں ہو سکتا۔ گراکس سب کچھ کر سکتا تھا مگر کائیس کے خیال میں وہ خصّی تھا۔ اور پھر کراسس کیوں قابلِ رحم جولیا میں دلچسپی لے رہا تھا۔ حالانکہ وہ روم میں کسی بھی عورت کو حاصل کر سکتا ہے۔ خواہ وہ غلام ہو یا آزاد؟ ان دونوں کو جولیا سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے جس کا جسم اور بستر ہر وقت اِن لوگوں کے لئے تیار ہیں۔

اس نے گراکس کو ایک چبوترے پر مغموم حالت میں بیٹھا پایا۔ وہ اپنے اِس بوڑھے دوست کے پاس چلا گیا اور آہستہ سے اُسے کہنی ماری۔

''سب ٹھیک ہے، بوڑھے آدمی۔ سب ٹھیک ہے!''۔

''کسی روز''، گراکس نے کہا''دُنیا مجھے اور کراسس دونوں کو بہت ہی حقیر ثابت کر دے گی''۔

باب ششم

1

اسی دن سائیسیر واور گراکس روم کی طرف روانہ ہوئے۔ کراسس اور نوجوان کائیس کی پارٹی انتوئیس کے اصرار پر سلاریا محل میں ایک دن مزید ٹھہر گئی۔ انہوں نے اگلے روز علی الصبح روانگی کا پروگرام بنایا۔ کراسس نے پہلے ہی کائیس کو تجویز پیش کی تھی کہ وہ اکٹھے سفر کریں گے۔ ہیلینا اور کلاڈیا تو اس عظیم جنرل کی رفاقت میں سفر کرنے کے تصور ہی سے بہت خوش ہوئیں۔

وہ صبح سویرے روانہ ہوگئے۔ چار پالکیوں، کئی نوکروں اور سامان اٹھانے والوں نے سڑک پر ایک جلوس کی صورت اختیار کی تھی۔ جب وہ ایپین شاہراہ پر پہنچے تو کراسس نے اعزازی گارڈ کی حیثیت سے دس سپاہی بھی ساتھ لئے۔ کراسس کو کاپوا میں غلاموں کی بغاوت کچلنے کی آخری تقریبات میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ تقریب بالکل اسی جگہ پر ہوئی تھی جہاں سے غلاموں کی بغاوت شروع ہوتی تھی۔

سپارٹیکس کی شکست اور موت کے بعد گرفتار کئے جانے والوں میں سے 100 گلیڈیٹرز چنے گئے تھے اور کئی ہفتوں سے کھیلیں شروع ہو چکی تھیں۔ ان کھیلوں کی خاصیت یہ تھی کہ آپسی مقابلوں کے بعد صرف ایک غلام کو زندہ بچنا تھا۔ ہر جوڑا لڑتا تھا اور جیتنے والا یعنی زندہ رہنے والا غلام کسی اور سے لڑتا۔ موت کا یہ رقص تقریباً بے انت تھا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ ہی اس کھیل کو دیکھنا چاہتے تھے''۔ کائیس نے کہا۔ چاروں پالکیاں ساتھ ساتھ تھیں تاکہ وہ آپس میں گپ شپ کر سکیں۔ مخالف سمت سے آنے والی ٹریفک کو سپاہی کنارے کی طرف دھکیل دیتے۔ لوگ بھی ان کی دولت اور تعداد دیکھ کر سڑک پر ان کی اجارہ داری کو تسلیم کرتے تھے۔

کائیس اور کراسس ساتھ ساتھ تھے، کلاڈیا کراسس کے دوسرے جانب تھی اور ہیلینا اپنے بھائی کی دوسری جانب۔ اپنی عُمر اور ان کی طرف اپنے چند خاص جذبات کی وجہ سے میزبانی کے فرائض کراسس نے اپنے سر لئے۔ اس کے پاس اعلیٰ تربیت یافتہ غلام تھے۔ حالانکہ وہ لوگ پالکیوں میں بیٹھے اس عظیم شاہراہ پر سفر کر رہے تھے، کراسس نے اپنے ہم سفروں کی خواہشات اور ضروریات کا اندازہ کر لیا تھا خواہ وہ جوڈیا کی برف زدہ پُر لطف شراب ہو یا مصر کے میٹھے انگور ہوں یا پھر ہَوا کو مُعطّر رکھنے والا عطر ہو۔

دوسرے بڑے امیروں کی طرح وہ بھی اپنے طبقے کے ان لوگوں کی طرف بہت متوجہ تھا۔ وہ اب میزبان، ساتھی اور گائیڈ تینوں فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ کائیس کے سوال کے جواب میں اس نے کہا۔

''نہیں۔ مجھے اب کھیلوں سے کوئی رغبت نہیں رہی۔ میں کبھی کبھار لڑائی دیکھ لیتا ہوں، وہ بھی اس وقت جب جوڑا بہت اچھا ہو۔ مجھے خدشہ ہے کہ یہ لڑائی مجھے بور کر دے گی۔ لیکن اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم اسے دیکھنا چاہتے ہو تو.....''۔

''اس کی کوئی اہمیت نہیں''۔

''مگر اس لڑائی میں کوئی زندہ بھی بچتا ہے؟''۔ کلاڈیا نے پوچھا۔

''ضروری نہیں۔ دونوں بُری طرح زخمی بھی ہو سکتے ہیں اور اگر ایک بچ جائے تو اسے گیٹ کے سامنے علامت کے طور پر مصلوب کیا جاتا ہے۔ وہاں سات گیٹ ہیں۔ جب سزا کی علامتیں کھڑی کی گئی تھیں تو اس کی ابتدا سات صلیبوں سے کی گئی تھی۔ یعنی ہر گیٹ پر ایک صلیب کھڑی کر دی گئی۔ اب جو بھی زندہ بچے گا، اسے مصلوب کیا جائے گا۔ کیا تم کبھی کاپوا گئی ہو؟''۔ اس نے کلاڈیا سے پوچھا۔

''نہیں مَیں نے کاپوا نہیں دیکھا''۔

''تب تو تمہاری ایک دعوت مُجھ پر قرض ٹھہری۔ یہ اتنا خوبصورت شہر ہے کہ دُنیا میں اس کا ثانی

نہیں۔ میں نے اس جیسا خوبصورت شہر آج تک نہیں دیکھا۔ وہاں میری ایک کوٹھی ہے۔ اگر آپ سب لوگ میرے ہاں ٹھہریں تو مجھے بہت خوشی ہوگی''۔

کائیس نے اسے بتایا کہ اس کا ایک بزرگ عزیز وہاں اُن کا انتظار کر رہا ہے' اور وہ اب اپنے پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔

''بہر کیف۔ وہاں مُلاقات تو رہے گی، پہلے کچھ روز تو بور گزریں گے مگر جب سرکاری آؤ بھگت ،تقاریر اور دیگر تقریبات ختم ہو جائیں گی تو ہم ساحل پر کچھ گھنٹے گزار سکیں گے، کشتی رانی کریں گے یا کوئی دوسرا کھیل کھیلیں گے۔ کاپوآ کو اُس کی خوشبوؤں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جس قسم کی خوشبو آپ کو اچھی لگے آپ کو پیش کرتے ہوئے مجھے بہت مُسّرت ہوگی''۔

''آپ بہت مہربان ہیں!''۔ ہیلینا نے کہا۔

''میرے خیال میں میری یہ مہربانی مجھے کم قیمت پر پڑتی ہے۔ اور اس کا عوض میرے لئے بہت بڑا ہوگا۔ بہر حال مجھے کاپوآ سے عشق ہے اور اُس پر ہمیشہ سے فخر رہا ہے۔ یہ بہت پُرانا شہر ہے۔ روایت مشہور ہے کہ ایک ہزار سال قبل ایطرسکان لوگوں نے اٹلی کے اس حصے میں بارہ شہر تعمیر کئے تھے۔ انہیں سنہرے ہار میں پروئے ہوئے بارہ ہیرے کہا جاتا تھا۔ ایک کا نام والٹرنم تھا اور خیال ہے کہ وہی شہر آج کاپوآ ہے۔ پھر سامیوں نے ساڑھے تین سو برس قبل اسے ایطرسکان لوگوں سے چھین لیا اور دوبارہ اس کی تعمیر کی۔ اور جب یہ شہر اُن سے ہم نے چھین لیا تو ہم نے ہر جگہ نئی گلیاں اور نئی دیواریں تعمیر کیں۔ یہ شہر رُوم سے کئی گنا خوبصورت ہے''۔

یوں انہوں نے اپیئن شاہراہ پر سفر کیا۔ انہوں نے سزا کی علامتوں پر بہت کم توجہ دی۔ جب ہَوا چلتی اور سڑے ہوئے گوشت کی بَدبُو آتی تو عطر چھڑک کر فضا مُعطّر بنالی جاتی۔ انہوں نے دو راتیں راستے کے ڈاک بنگلوں میں بسر کیں اور ایک رات ایک پرآسائش بنگلے میں۔ اس طرح آرام کرتے ہوئے وہ کاپوآ پہنچ گئے۔

کاپوآ میں جشن کا سماں تھا۔ یہ شہر آج شان و شوکت اور مُسرت کی معراج پر تھا۔ جنگِ غلاماں کے تمام داغ دھوڈالے گئے تھے۔ شہر کی سفید دیواروں پر بارہ سو جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ساتوں مشہورِ زمانہ گیٹ کھلے ہوئے تھے اس لئے کہ امن وامان تھا، کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ ان کی آمد کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی اور شہر کے معززین کا ایک عظیم اجتماع ان کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ ایک سو دس آلاتِ موسیقی پر مشتمل بینڈ' اپنی دُھنیں نچھاور کر کے انہیں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ شہری دستہ چاندی کے چمکتے ہوئے ہتھیاروں سے مرصع ہو کر اپیئن گیٹ کے ساتھ ساتھ ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ لڑکیوں کے لئے یہ سب کچھ تعجب خیز تھا۔ اور کائیس گو کہ خود کو لاتعلق ظاہر کر رہا تھا مگر وہ بھی اپنے مشہور ہم سفر کے ساتھ اپنے رنگین اور غیر معمولی خیر مقدم کے سلسلے میں پُر جوش تھا۔ شہر میں ایک بار وہ لوگ کراسس سے جُدا ہو گئے۔ اور اپنے رشتہ داروں کے گھر گئے مگر چند گھنٹوں کے بعد انہیں کراسس کا قاصد رات کے عشائیے میں شرکت کی دعوت دے گیا۔ جنرل کی توجہ کا مرکز بن کر کائیس فخر محسوس کر رہا تھا۔

یہ دعوت اُن تینوں اور ان کے میزبان عزیز کے سارے گھرانے کے لئے تھی۔ طویل اور شاندار عشائیے کے دوران کراسس غیر معمولی طور پر ان پر عنائتیں کرتا رہا۔ کائیس' کلاڈیا اور ہیلینا نے کراسس کے اعزاز میں پیش کردہ پچپن ڈشوں میں سے محض چند چکھیں۔ کاپوآ کیڑوں کی خوشبودار ڈشتیں تیار کرنے کی قدیم ایطرسکائی رسم کو مہارت سے جاری رکھے ہوئے تھا۔ مگر کائیس کیڑوں سے پکی ہوئی ڈشوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ خواہ یہ کیڑے شہد میں گھول دیئے گئے ہوتے یا قیمہ کئے جھینگا مچھلی کے ساتھ ملا کر اس کے لذیذ کیک تیار کئے گئے ہوتے۔

اُس شام کی ایک خاص بات وہ نیا رقص تھی جسے خصوصی طور پر کراسس کے اعزاز میں تخلیق کیا گیا تھا۔ اس میں خون آشام غلاموں کی طرف سے غیر شادی شدہ رومن لڑکیوں کی عصمت دری دکھائی گئی تھی۔ اس طویل رقص کے مناظر کو خطیر رقم خرچ کر کے بہت خوبصورتی سے پیش کیا گیا۔ رقص میں جب بالآخر غلام تہہِ تیغ کر دیئے گئے تو چھت پر سے خوبصورت سفید پھول برف کی طرح گرنے لگے۔

ہیلینا نے دیکھا کہ جُوں جُوں شام بڑھتی گئی، ضیافت میں موجود سینکڑوں مہمان شراب کے نشے میں دُھت ہوتے گئے۔ مگر کراسس کم سے کم پی رہا تھا۔ وہ صرف شراب کو چکھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے وہ بہترین برانڈی چکھی بھی نہیں جس کے لئے کاپوآ مشہور تھا۔ کراسس درشتگی اور حساسیت کا حیران کن مجموعہ تھا۔ اب ان کی آنکھیں چار ہوئیں اور یہ دونوں خوبیاں اس کی آنکھوں میں چھلک رہی تھیں۔ دوسری طرف کلاڈیا اور کائیس خوب پیئے ہوئے تھے۔

ضیافت رات گئے جا کر ختم ہوئی۔ ہیلینا کو باتیاتس کا سکول دیکھنے کی زبردست خواہش ہو رہی تھی۔ اُس سکول کو دیکھنے کی خواہش، جہاں سے غلاموں کی بغاوت شروع ہوئی تھی۔ اس نے کراسس سے درخواست کی کہ وہ انہیں وہاں لے جائے۔ یہ عظیم الشان رات تھی۔ خنک اور مُطّر رات۔ یہ رات موسم بہار کے کھلے ہوئے پھُولوں کی بھینی بھینی خوشبُو سے بھرپُور طور پر مُعطّر تھی۔ آسمان پر بڑا اور زرد چاند ابھی ابھی نمودار ہوا تھا اور اس طرح انہیں راستے میں روشنی کے مسئلے کا سامنا بھی نہ تھا۔

کراسس کے گرد اچھا خاصا مجمع بھی تھا اور پھر ہیلینا کے پُورے خاندان سے دو لڑکیوں کو علیحدہ کرنے کا سفارتی مسئلہ بھی تھا مگر ہیلینا نے کائیس پر زور دیا کہ وہ بطور اتالیق اداکاری کرے۔ وہ جھُومتا ہوا کھڑا ہو گیا اور کراسس کو عبادت کرنے والی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ رومن جنرل نے رسُومات پوری کیں اور پھر کچھ دیر بعد وہ پالکیوں میں بیٹھے، اپیئن گیٹ میں سے گزر رہے تھے۔ گیٹ پر موجود گارڈر نے اسے سیلوٹ کیا۔ کراسس نے ان کے ساتھ ہلکا سا مذاق کیا اور مٹھی بھر چاندی کے سکے ان میں تقسیم کئے۔ اس نے ان سے راستہ بھی پوچھ لیا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ وہاں کبھی نہیں گئے؟''۔ ہیلینا نے پوچھا۔

''نہیں، مَیں اُس جگہ کبھی نہیں گیا''۔

''حیرت ہے۔ اگر آپ کی جگہ میں ہوتی تو ضرور وہ جگہ دیکھتی۔ وہ جگہ جہاں آپ کی زندگی سپارٹیکس کی زندگی سے جا ملی''۔

''میری زندگی اور سپارٹیکس کی موت''۔ کراسس نے پیار سے اس کا فقرہ درست کیا۔ ''وہ جگہ اب رہی کہاں؟''۔ گیٹ کے کپتان نے انہیں بتایا۔ ''باتیاتس نے اس پر بہت بڑی سرمایہ کاری کر رکھی تھی۔ اور وہ بہت جلد کروڑ پتی بننے والا تھا۔ مگر بغاوت کے بعد تو بدقسمتی نے اس پر بسیرا کر لیا۔ جب وہ اپنے غلام کے ہاتھوں قتل ہوا تو سکول مقدمہ بازی کی نذر ہو گیا۔ یہ اُس وقت سے بند پڑا ہے۔ شہر میں کئی اور بڑے بڑے سکول قائم ہو گئے''۔

کلاڈیا نے جمائی لی۔ کائیس اپنی پالکی میں سو گیا تھا۔

''فلیشیئس موتایا کی لکھی ہوئی تاریخِ بغاوت میں بیان ہے''۔ گارڈ کا کپتان بتا رہا تھا۔ ''کہ باتیاتس کا سکول شہر کے وسط میں تھا۔ اب وہاں سیاح جاتے ہیں۔ میرے لفظ ایک مورّخ کے الفاظ کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتے مگر باتیاتس کی جگہ آسانی سے تلاش کی جا سکتی ہے۔ آپ اس نالے کے ساتھ ساتھ پگڈنڈی پر چلتے جایئے۔ اس چاندنی میں ہر چیز صاف اور روشن دکھائی دے رہی ہے۔ آپ کو اکھاڑہ نظر آئے گا، لکڑی والا عظیم الشان سٹینڈ اسی اکھاڑے کا ہے''۔

جب وہ باتیں کر رہے تھے تو غلاموں کا ایک گروپ کدالیں اور بیلچے لئے گیٹ میں سے گزر گیا۔ ان کے پاس ایک سیڑھی اور ایک ٹوکری تھی۔ وہ گیٹ پر لگی ہوئی صلیب کی طرف گئے۔ یہ صلیب سزا کی ساری علامتوں کا اوّلین نمونہ تھی اور رُوم کی طرف جانے والی سڑک پر موجود چھ ہزار صلیبوں میں سے پہلی تھی۔ جب انہوں نے صلیب کے ساتھ زینہ لگایا تو کوؤں کی ایک ڈار ناراض ہو کر اُڑ گئی۔

''وہ کیا کر رہے ہیں.....؟''۔ کلاڈیا نے اچانک پوچھا۔

''ایک کتے کو کاٹ رہے ہیں تاکہ اس کی جگہ ہم ایک اور کتّا لٹکا سکیں''۔ کپتان نے جواب دیا۔ ''کل صبح جنگ میں زندہ بچنے والا آخری غلام اپنا مقام سنبھالے گا۔ یہاں وہ آخری غلام مرے گا جو سپارٹیکس کا ساتھی تھا''۔

کلاڈیا کانپ اُٹھی۔ ''میں آپ کے ساتھ نہیں جاتی''! اس نے کراسس سے کہا۔

''آپ گھر جانا چاہتی ہیں تو جایئے''۔ ''کیپٹن! اپنے دو آدمی ان کے ساتھ کر دیں''۔ اس نے کہا۔

خرّاٹے لیتا ہوا کائیس ان کے ساتھ تھا۔ ہیلینا پیدل چلنا چاہتی تھی۔ کراسس بھی راضی ہو گیا

اور اپنی پالکی سے اُتر کر اس کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے لگا۔ پالکیاں آگے بڑھیں اور عظیم کراسس نوجوان لڑکی کے ساتھ چاندنی رات میں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جب وہ مصلوب لاش کے پاس سے گزرے تو غلام اس آدمی کے سُورج سے کباب شدہ، پرندوں کے چُگی ہوئی اور بدبُودار باقیات کو نیچے اتار رہے تھے جو اس صلیب پر مر گیا تھا۔ دوسرے غلام صلیب کے ساتھ زمین کھود کر صلیب کو مزید مضبوط اور سیدھا کر رہے تھے۔

''تمہیں کوئی بھی چیز پریشان نہیں کر رہی؟''۔ کراسس نے ہیلینا سے پوچھا۔

''مجھے اس طرح کی کوئی چیز بھلا کیوں پریشان کرے گی؟''۔

''میرا مطلب تنقید کرنا نہیں تھا۔ میرے خیال میں یہ بات تو قابل تعریف ہے''۔

''کہ ایک عورت کو عورت نہیں رہنا چاہئے''۔

''میں اسی دُنیا کو تسلیم کرتا ہوں جہاں ہم رہتے ہیں''۔ کراسس نے کہا۔ ''مُجھے کسی اور دُنیا کے بارے میں معلوم نہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے؟''۔

ہیلینا نے کچھ کہے بغیر اپنا سر نفی میں ہلایا۔ وہ آگے چلتے رہے۔ سکول کا فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ چاند کی چاندنی نے آس پاس کے منظر کو واقعی پرستان بنا رکھا تھا۔ انہیں اکھاڑے کی چار دیواری نظر آئی۔ کراسس نے پالکی والوں سے پالکیاں رکھنے اور واپس آنے تک پالکیوں کے پاس کھڑا رہنے کو کہا۔ پھر وہ ہیلنیا کے ساتھ آگے بڑھا۔

یہ جگہ اب ویران تھی اور بہت بھدی لگ رہی تھی۔ ورزش کے میدان کے چاروں طرف لگا ہوا تقریباً سارا لوہا چوری ہو گیا تھا۔ لکڑی کے جھونپڑے پہلے ہی گل سڑ چکے تھے اور اکھاڑے کی دیوار کا نصف حِصّہ گر چکا تھا۔ کراسس اور ہیلینا کھڑے ہو کر بڑے سٹینڈ کو دیکھنے لگے۔ اکھاڑا چھوٹا لگ رہا تھا مگر ریت چاندنی میں چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔

''مَیں نے اپنے بھائی سے اس سکول کے بارے میں بہت کچھ سُنا تھا''۔ ہیلینا نے کہا۔ ''اس نے تو اس کے متعلق بہت کچھ کہا جبکہ یہ بہت حقیر نظر آ رہا ہے؟''۔

کراسس نے اس بھدّے اور چھوٹے سکول کے ساتھ جنگ کے میدانوں' خون آشام لڑائیوں اور جان لیوا مہارت کو جوڑنے کی کوشش کی مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ یہ اس کے لئے بے معنی تھا۔ اس کے بارے میں اس کے اندر کسی قسم کے احساسات نہ تھے۔

''میں سٹینڈ پر جانا چاہتی ہوں''۔ ہیلینا نے کہا۔

''جیسے تمہاری مرضی۔ مگر احتیاط سے، لکڑی سڑی ہوئی ہے''۔

وہ باکس تک گئے جو باتیاتس کے لئے مقامِ افتخار تھا۔ دھاری دار شامیانہ چیتھڑا بن چکا تھا اور قدیم تکیوں کی باقیات میں سے چوہے آہٹ سن کر کھسک رہے تھے۔ ہیلینا ایک نشست پر بیٹھ گئی اور کراسس اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر ہیلینا بولی۔

''میرے بارے میں آپ کے احساسات کیا ہیں؟''۔

''مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آپ بہت خوبصورت ہیں، ذہین ہیں اور نوجوان ہیں''۔ کراسس نے جواب دیا۔

''اور اے عظیم جنرل!'' اس نے آہستگی سے کہا۔ ''میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم ایک بے غیرت خنزیر ہو''۔ وہ اس کی طرف جھکا اور ہیلینا نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ اس مدّھم روشنی میں بھی ہیلینا نے دیکھا کہ کراسس کی آنکھیں غصّے سے چمک رہی تھیں۔ یہ تھا جرنیل، یہ تھا وہ واقعہ جس کو وہ الفاظ سے بیان نہیں کر سکتا ہے۔ اس نے ہیلینا کو دھکا دیا جس سے وہ کوچ سے نیچے سڑے ہوئے جنگلے پر گری جو اس کے وزن سے ٹوٹ گئی۔ وہ وہاں کنارے پر گر پڑی تھی جہاں سے نیچے اکھاڑے کا فرش بیس فٹ گہرائی میں تھا۔ مگر اس نے خود پر قابو پایا اور کھسک کر سٹینڈ پر آئی۔ جنرل نے کوئی حرکت نہ کی۔ تب ہیلینا ایک جنگلی بلّی کی طرح اس پر حملہ آور ہوئی۔ وہ ناخنوں سے اُسے چیرتی پھاڑتی جا رہی تھی۔ مگر کراسس نے اس کی دونوں کلائیاں پکڑ لیں اور اُسے خود سے دُور رکھا۔ وہ اب اس پر سرد مہری سے مُسکرا رہا تھا اور اسے بتا رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ اصل بات کچھ اور ہے میری جان''۔

ہیلینا کے غصّہ کا دورہ گزر گیا اور اُس نے رونا شروع کر دیا۔ وُہ ایک چھوٹی لڑکی کی طرح رو رہی تھی۔ اور جب وہ رو رہی تھی تو کراسس نے اس سے مباشرت کر لی۔ ہیلینا نے نہ تو مزاحمت کی

اور نہ ہی اس عمل کا خیر مقدم کیا اور جب اس نے بغیر کسی خواہش یا ضرورت کے اپنا فعل مکمل کر لیا تو ہیلینا سے کہا۔ ''جانی۔ تمہیں یہی چیز چاہیئے تھی، ناں؟''۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنے کپڑے اور بال درست کرنے لگی۔ پھر اس نے گالوں پہ بہہ نکلنے والے سُرمے کو صاف کیا۔ وہ واپس پالکیوں تک آئی اور چُپ چاپ اپنی پالکی میں دبک گئی۔ کراسس پیدل چلتا رہا۔ پالکی بان اس چھوٹی سی سڑک پر واپس کا پوآ روانہ ہوئے۔ کائیس ابھی تک سویا ہوا تھا۔ اب رات تقریباً ختم ہو چکی تھی، چاندنی اپنی آب و تاب کھو رہی تھی۔ کراسس نے اپنے اندر کسی وجہ سے زندگی اور قوت کی ایک نئی رمق محسوس کی۔

اپیئن گیٹ پر وہ کیپٹن کے پاس گیا اور روکھے پن سے کہا۔

''اسے بحفاظت گھر پہنچانے کے لئے کچھ فوجی اس کے ساتھ بھیج دو''۔ کپتان نے تعمیل کی اور خدا حافظ تک کہے بغیر ہیلینا کو ہانک دیا گیا۔ کراسس گیٹ کے گہرے سائے میں کھڑا جھوم رہا تھا۔ کپتان اور سپاہی اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ پھر کراسس سے پوچھا۔

''آخری گھنٹہ ختم ہونے کو ہے سر! کیا آپ تھک نہیں گئے؟''۔

''نہیں''۔ کراسس نے کہا۔ ''میں بالکل نہیں تھکا کیپٹن!''۔ اس کی آواز قدرے نرم ہو گئی۔ ''بہت عرصہ بعد پُوری رات جاگا ہوں''۔

''راتیں بہت لمبی ہیں''۔ کیپٹن نے کہا۔ ''اب سے آدھ گھنٹہ بعد یہ جگہ بہت مختلف ہو گی۔ سبزی والے، گوالے اور مچھیرے اندر آ رہے ہوں گے۔ یہ ایک مصروف گیٹ ہے۔ اور آج کی صبح گلیڈیٹر اسی صلیب پر چڑھے گا''۔ اس نے صلیب کی طرف اشارہ کیا جو صبحِ کاذب میں مدھم سا ہیولا نظر آ رہا تھا۔

''کیا یہاں بہت بڑا مجمع لگتا ہے؟''۔ کراسس نے پوچھا۔

''سر، شروع میں تو مجمع بڑا نہیں ہوتا مگر جُوں جُوں سورج چڑھتا جاتا ہے، لوگ جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک آدمی کو صلیب پر چڑھاتے دیکھ کر ایک خاص قسم کا ہیجان ہوتا ہے۔ دوپہر کے وقت تک گیٹ اور آس پاس کی دیواریں بھر جائیں گی۔ شاید آپ کا خیال ہو کہ ایک دفعہ دیکھ کر لوگ چلے جاتے ہوں گے، مگر ایسا نہیں ہے''۔

''صلیب پر چڑھائے جانے والا شخص کون ہے؟''۔

''مجھے معلوم نہیں۔ مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ وہ محض ایک گلیڈیٹر ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ایک اچھا گلیڈیٹر ہے اور مجھے اس بے چارے شیطان کی حالت پر افسوس ہو رہا ہے''۔

''کیپٹن! اپنی ہمدردی اپنے پاس رکھو''۔ کراسس نے کہا۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا سر! میرا مطلب صرف یہ تھا کہ کسی آخری زندہ بچ جانے والے کے بارے میں ہمیشہ کچھ احساسات پیدا ہوتے ہیں''۔

''ان کا انجام شروع ہوئے تو عرصہ بیت چکا ہے، انجام کا انجام کہیں تو ہونا تھا۔ کسی نے تو آخری شخص بننا ہی تھا''۔

''ہاں یہ تو ہے''۔

آخری گھنٹہ ختم ہو چکا تھا۔ سورج کی روشنی میں پہلا گھنٹہ شروع ہو چکا تھا۔ چاند ماند پڑ چکا تھا اور آسمان دودھیا ہو گیا تھا۔ روشنی کے سامنے صلیب کھڑی تھی اور مشرق کی طرف سے دکھائی دینے والی ایک زرد گلابی شعاع اُبھرتے سُورج کی نقیب تھی۔ کراسس جاگ کر بہت مسرور تھا۔ اس نے ترسا دینے والی تلخ صبح کا خیر مقدم کیا۔ صبح صادق ہمیشہ غم اور خوشی کا ملغوبہ ہوتی ہے۔

اب گیارہ سال کا ایک چھوٹا لڑکا آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک جگ تھا۔ گیٹ کپتان نے اس سے مصافحہ کیا اور اس کے ہاتھ سے جگ لے لیا۔

''میرا بیٹا ہے''۔ اس نے کراسس سے کہا۔ ''یہ ہر صبح میرے لئے گرم شراب لاتا ہے سر! کیا آپ اس سے ہاتھ ملائیں گے؟ یہ اس کے لئے فخر کی بات ہو گی اور وہ بعد میں اسے یاد رکھے گا۔ اس کا نام ماریوس ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ فرمائش کر کے میں گستاخی کر رہا ہوں مگر یہ میرے اور اس کے لئے بہت فخر کی بات ہو گی''۔

''ہیلو مسٹر ماریوس!''۔ کراسس نے کہا۔

''میں آپ کو پہچانتا ہوں''۔ لڑکے نے اسے بتایا۔ ''میں نے آپ کو کل دیکھا تھا۔ آپ کے

سینے پر لگی ہوئی سونے کی پلیٹ کہاں ہے؟''۔

''وہ پلیٹ سونے کی نہیں کانسی کی ہے۔ وہ آرام دِہ نہ تھی اس لئے میں نے اسے اُتار دیا''۔

''جب میرے پاس ہوگی تو میں اُسے نہیں اُتاروں گا''۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رُوم زندہ رہے گا۔ رُوم کی روایات اور رُوم کی شان ہمیشہ زندہ رہے گی''۔ کراسس نے سوچا۔ وہ اس گفتگو سے بہت متاثر تھا۔ کیپٹن نے اسے جگ پیش کیا۔

''شراب پئیں گے، سر؟''۔

کراسس نے انکار میں سر ہلایا۔ اب دُور سے ڈھول بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ کیپٹن نے جگ لڑکے کو تھما دی اور گیٹ کے سپاہیوں کو چیخ کر احکامات دیئے۔ سپاہیوں نے گیٹ کے دونوں اطراف قطاریں بنالیں۔ ان کے ڈھال ان کے پہلو میں جھول رہے تھے اور نیزوں کا رُخ آسمان کی طرف تھا۔ اس پوزیشن میں کھڑے رہنا تکلیف دِہ تھا اور کراسس کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ وہاں موجود نہ ہوتا تو ہتھیاروں کی یہ خوبصورت نمائش نہ کی جاتی۔ ڈھول کی آواز نزدیک آ گئی تھی اور فوجی بینڈ کی پہلی قطار نمودار ہوگئی۔ اُبھرتے سورج نے بلند عمارتوں کو چھُونا شروع کیا تھا۔ لوگوں کی ایک دھار گلیوں میں سے ظاہر ہونا شروع ہوگئی۔ وہ گیٹ کی جانب فوجی بینڈ کی طرف آ رہے تھے۔

فوجی بینڈ کے پیچھے گلیڈیٹر فوجی دستے کے گھیرے میں آ رہا تھا۔ وہ برہنہ تھا اور اس کے ہاتھ پشت پر مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔ ایک تنہا شخص کے لئے اتنے بڑے حفاظتی اقدامات! وُہ اتنا خطرناک تو نہ تھا۔ مگر جب وہ قریب آیا تو کراسس نے اپنی رائے بدل دی۔ ''یہ خطرناک ہے۔ اس جیسے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ اس کے چہرے سے لگ رہا ہے۔ اس کے چہرے پر وہ حدت، وہ چمک نہ تھی جو کسی رومن کے چہرے پر ہوتا ہے۔ اس کا چہرہ شِکرے جیسا تھا، ناک باہر کو نکلی ہوئی، ہونٹ پتلے اور آنکھیں بلی کی طرح سبز اور نفرت انگیز تھیں۔ اس کا چہرہ نفرت سے بھرا ہوا تھا۔ مگر یہ نفرت ایک جانور کی نفرت کی طرح غیر واضح تھی۔ قد کاٹھ میں وہ بڑا نہ تھا مگر اس کے پٹھے سخت تھے۔ اس کے بدن پر تلوار کے محض دو تازہ زخم تھے۔ ایک چھاتی کے بالائی حصّے پر اور دوسرا پہلو پر۔ مگر

دونوں زخم گہرے نہ تھے اور ان پہ خُون جم گیا ہوا تھا۔ مگر اس کے جسم پر پُرانے زخم بے شمار تھے۔ اس کے ایک ہاتھ کی ایک اگلی غائب تھی اور ایک کان کھوپڑی کے قریب ہی سے کٹ چکی تھی۔

دستے کے افسر نے کراسس کو دیکھ کر اپنے دستے کو رُک جانے کا حکم دیا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور جنرل کو سلیوٹ کیا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس لمحے کی اہمیت کو جانتا تھا۔

''آپ کو یہاں دیکھ کر جو فخر مُجھے ہو رہا ہے، اس کے بارے میں مَیں نے کبھی سوچا تک نہ تھا''۔ اس نے کہا۔ ''قسمت سے ایسا ہوا''۔ کراسس نے کہا۔ اسے خود بھی افواجِ غلاماں کے اس آخری سپاہی سے آمنا سامنے ہونے پر بہت فخر محسوس ہو رہا تھا۔

''کیا تم اسے اِسی وقت صلیب پر چڑھا دو گے؟''۔

''جی سر، یہی حکم ملا ہے''۔

''وہ ہے کون؟ میرا مطلب ہے، گلیڈیٹر کون ہے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ اکھاڑے کا ایک کہنہ مشق گلیڈیٹر ہے۔ تلوار کے نشان اس کے سارے جسم پر موجود ہیں۔ مگر یہ ہے کون؟''۔

''ہمیں بہت کم علم ہے۔ وہ ایک افسر تھا اور اس نے ایک دستہ یا اس سے بھی زیادہ غلاموں کو کمان کیا ہے۔ وہ ایک یہودی لگتا ہے۔ باتیاتس کے پاس بہت سارے یہودی تھے جو کبھی کبھی تھریشین سے بھی اچھا لڑتے تھے۔ باتیاتس کے پاس ڈیوڈ نامی ایک یہودی بھی تھا۔ جو سپارٹیکس کے ساتھ رہا اور بغاوت کے اولین لیڈروں میں سے ایک تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ وہی ڈیوڈ ہو۔ یا شاید وہ نہ ہو۔ جب سے اِسے یہاں لایا گیا ہے، اُس وقت سے خاموش ہے۔ وہ بہت اچھا لڑا۔ اوہ میرے خُدا۔ میں نے چاقو سے ایسی لڑائی کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہم نے اُسے پانچ بار لڑوایا مگر پھر بھی اس کے جسم پر صرف دو زخم آئے ہیں۔ اسے معلوم تھا کہ وہ آخر میں صلیب پہ چڑھ جائے گا مگر وہ اس طرح لڑا جیسے کہ اسے آزادی مِل گئی ہو۔ میں حیران ہوں''۔

''زندگی ایک عجیب قسم کا کاروبار ہے، نوجوان''۔

''جی سر، مَیں مانتا ہوں''۔

''اگر یہ یہودی ڈیوڈ ہے''۔ کراسس نے سوچتے ہوئے کہا ''یہ تو بہرحال طنزیہ انصاف ہے۔ کیا

میں اس سے بات کرسکتا ہوں؟''۔

''یقیناً یقیناً۔ گو کہ مجھے گمان نہیں ہے کہ وہ آپ سے بات کرے گا۔ وہ ایک تیرہ و تاریک، اُداس اور خاموش وحشی ہے''۔

''میں کوشش کروں گا''۔

وہ اُس جگہ گئے جہاں گلیڈیئیٹر کھڑا تھا۔ اب اس کے گرد لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو چکا تھا جنہیں سپاہی پیچھے دھکیل رہے تھے۔ افسر نے سٹائل بنا کر اعلان کیا۔

''گلیڈیئیٹر۔ تم بہت خوش قسمت ہو۔ یہ مارکوس لی سی نیئس کراسس ہیں اور تم سے بات کرنا چاہتے ہیں''۔

جب اس کا نام لوگوں نے سُنا تو وہ خوشی سے اُچھلنے لگے۔ مگر غلام تو جیسے بہرہ ہو۔ اُس نے کوئی حرکت نہ کی اور بدستور سامنے دیکھتا رہا۔ اُس کی آنکھیں سبز پتھر کے ٹکڑے لگتی تھیں۔ مگر اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہ تھے۔

''گلیڈیئیٹر، کیا تم مجھے جانتے ہو؟''۔ کراسس نے کہا۔ ''میری طرف دیکھو''۔

برہنہ گلیڈیئیٹر پھر بھی نہ ہلا۔ تب دستے کا آفیسر آگے بڑھا اور اُس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کی۔

''سؤر، تم سے کون مخاطب ہے؟''۔ وہ چیخا۔

اس نے اُسے دوبارہ تھپڑ ماردی۔ گلیڈیئیٹر نے تھپڑ سے بچنے کی کوشش نہ کی اور کراسس کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اس سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکتا۔

''بس، بہت ہو گیا''۔ کراسس نے افسر سے کہا۔ ''اُسے نہ مارو اور تمہیں جن فرائض کی بجا آوری کا حکم ہے، وہ انجام دو''۔

''مجھے بہت افسوس ہے کہ وہ کچھ نہ بولا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بول ہی نہ سکتا ہو۔ اسے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھی بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا''۔

''اس بات کی کوئی اہمیت نہیں''۔ کراسس نے کہا۔

اس نے اُنہیں گیٹ سے صلیب تک مارچ کرتے ہوئے دیکھا۔ اب گیٹ میں سے لوگوں کا ایک جمِ غفیر داخل ہو کر پھیل رہا تھا۔ لوگ بغیر کسی رکاوٹ کے نظارہ کرنے کے لئے اُونچی جگہوں پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ کراسس ہجوم میں سے ہوتا ہوا صلیب کے پاس پہنچا۔ اسے یہ دیکھنا تھا کہ غلام کس قسم کا ردِّعمل دکھاتا ہے۔ اس شخص کی پتھر جیسی خاموشی ایک چیلنج بن گئی تھی۔ کراسس کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا تھا جو صلیب پہ خاموشی سے چڑھے۔ خواہ وہ کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو۔

سپاہی صلیب پر چڑھانے کے ماہر تھے۔ وہ تیزی اور مہارت سے اپنے کام میں لگ گئے۔ غلام کے بازوؤں کے نیچے سے ایک رسّی گزاری گئی جس کی مشکیں ابھی تک کسی ہوئی تھیں۔ رسّی کھینچ کر اس کے دونوں سرے برابر کر دیئے گئے۔ رات سے رکھی ہوئی سیڑھی صلیب کی پشت پر لگائی گئی۔ رسّی کے دونوں سرے صلیب کے بازوؤں پر اچھالے گئے اور دو دو سپاہیوں نے ہر سرے کو پکڑ لیا۔ پھر چابکدستی سے گلیڈیئیٹر کو اوپر کھینچا گیا۔ اب ایک اور سپاہی سیڑھی پر چڑھا اور گلیڈیئیٹر کو تھوڑا نیچے کر دیا جبکہ نیچے والے سپاہی رسّی کے سروں کو اسی طرح پکڑے ہوئے تھے۔ اب وُہ اس جگہ پر لٹکا ہوا تھا جہاں لکڑی کی دونوں بلّیاں ملتیں تھیں۔ سیڑھی والا سپاہی اچھل کر ملانے والی پٹی پر چڑھا۔ ایک اور سپاہی ایک ہتھوڑا اور کئی لمبی میخیں لئے سیڑھی پر چڑھ گیا اور پٹی کے دوسرے بازو پر چڑھ گیا۔

اس دوران کراسس غور سے گلیڈیئیٹر کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ جب اس کے جسم کو صلیب کی کھردری لکڑی پر گھسیٹ کر اُوپر کھینچا گیا تو اس کا برہنہ جسم بل کھا گیا مگر اس کا چہرہ بالکل تبدیل نہ ہوا۔ وہ بلا حرکت لٹک رہا تھا کہ پہلے سپاہی نے رسّی اس کی چھاتی سے بازوؤں کے نیچے گزار دی، اور اسے پٹی کے اُوپر گرہ لگا دی۔ پھر پہلی رسّی کو پشت کی جانب سے نیچے کھینچا گیا۔ پھر اس سخت ڈور کو کاٹ دیا گیا جس سے اُس کے ہاتھ پشت کی جانب بندھے ہوئے تھے۔ ہر سپاہی نے ایک بازو کھینچا اور پٹی کے ساتھ رسّی سے باندھ دیا۔ ایک سپاہی نے زور سے اس کی مٹھی کھول دی، اُس پر میخ رکھا اور ایک سخت ضرب سے میخ کو لکڑی میں گاڑ دیا۔ وہ نہ تو کچھ بولا اور نہ ہی اُس نے چیخ ماری۔ مگر اس کا چہرہ بل کھا گیا اور اس کا جسم تشنج کی طرح اکڑ گیا۔ تین اور ضربات نے کیل کو لکڑی میں تین اِنچ کے اندر گاڑ دیا

اورایک آخری ضرب نے اس کا سر اموڑ دیا تا کہ ہاتھ سلپ نہ کر جائے۔ پھر دوسرے ہاتھ کے ساتھ بھی یہی عمل کیا گیا۔اور جب میخ اس کے ہاتھ کے پٹھوں اور نسوں کو چھید کر گزری تو ایک بار پھر درد کے ہاتھوں گلیڈ ئیٹر اکڑ گیا اور ایک بار پھر اس کا چہرہ بل کھا گیا۔مگر پھر بھی اس نے چیخ نہیں ماری، حالانکہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔اور کھلے منہ سے لعاب بہہ رہا تھا۔

اب اس کے سینے کے گرد والی رسّی کاٹ دی گئی تا کہ وہ مکمل طور پر اپنے ہاتھوں پر لٹک سکے جہاں میخوں پر دباؤ کم رکھنے کے لئے ہر کلائی پر باندھی ہوئی رسّی واحد سہارا تھی۔ سپاہی سیڑھی سے نیچے اتر گئے۔ پھر سیڑھی کو ہٹا دیا گیا اور مجمع (جو اَب سینکڑوں تک پہنچ گیا تھا) نے اس مہارت پر تالیاں بجا دیں جس نے چند منٹ میں ایک آدمی کو مصلوب کر دیا تھا.....

پھر گلیڈ ئیٹر بے ہوش ہو گیا۔

''وہ عموماً بے ہوش ہوتے ہیں''۔افسر نے کراسس سے وضاحت کی۔''میخوں کا صدمہ ایسا کرتا ہے۔مگر وہ ہمیشہ دوبارہ ہوش میں آتے ہیں۔اور کبھی کبھار وہ بیس یا تیس گھنٹوں بعد دوبارہ بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ہم نے ایک گال کو صلیب پر چڑھا دیا تھا جو چار دن تک ہوش میں رہا۔اس کی آواز ختم ہو گئی، وُہ مزید خرّ خرّ نہیں کر سکتا تھا مگر وہ ہوش میں رہا۔اس کا ثانی نہیں تھا مگر میخیں ٹھونکتے وقت اس کی آواز بھی نکلی تھی۔۔۔۔۔خُدایا مجھے سخت پیاس لگ رہی ہے''۔اس نے ایک بوتل کا منہ کھولا، پیا اور کراسس کو پیش کیا۔''گلاب کا پانی؟''۔

''شکریہ'' کراسس نے کہا۔وہ اچانک سوکھ سا گیا، تھک کر چور ہو گیا تھا۔بوتل میں جو کچھ تھا ،اس نے پی ڈالا۔ہجوم میں ابھی تک اضافہ ہو رہا تھا اور ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کراسس نے پوچھا۔''کیا یہ سارا دِن یہیں رہیں گے؟''۔

''اِن میں سے اکثر اس وقت تک یہیں رہیں گے جب تک کہ یہ ہوش میں نہیں آ جاتا۔وہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہوش میں آنے کے بعد وہ کیا کرتا ہے۔وہ عجب حرکتیں کرتے ہیں۔ان میں سے کئی اپنی ماؤں کو یاد کرتے ہیں۔آپ نے کبھی سوچا بھی نہ ہو گا کہ غلام ''ماں'' کی صدائیں بلند کرتے ہوں گے۔ہیں ناں؟''۔

کراسس نے شانے اچکائے۔

''مجھے اس سڑک کو صاف کرنا ہے''۔افسر کہتا رہا۔''وہ ٹریفک بند کر دیتے ہیں۔آپ کا خیال ہو گا کہ وہ سڑک میں آمدورفت کی راہ کھلا رکھنے کا احساس رکھتے ہیں۔مگر نہیں۔کبھی نہیں۔وہ سب ایک طرح کے ہیں۔مجمع کو کوئی احساس بھی نہیں ہوتا''۔اس نے دو سپاہیوں کو سڑک پر سے آدمیوں کو ہٹانے اور ٹریفک کو راستہ دینے کے لئے بھیجا۔

''میں سوچ رہا ہوں سَر.....''۔اس نے کراسس سے کہا۔''میں سوچ رہا ہوں کہ آیا میں آپ کو ایک تکلیف دوں۔یہ میرا مسئلہ تو نہیں مگر میں بے چینی سے جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے کیوں کہا کہ اگر یہ یہودی ڈیوڈ ہے تو یہ انصاف طنز آمیز ہے۔آپ نے اسی طرح کہا تھا.....''۔

''کیا مَیں نے ایسے کہا تھا؟'' کراسس نے پوچھا۔''مجھے نہیں معلوم کہ میرا کیا مطلب تھا' یا میرا کیا ارادہ تھا''۔انصاف تو ہو چکا تھا۔اور ماضی کا بہت کچھ خاموشی کے ساتھ سُلا دیا گیا تھا۔غلاموں کی جنگ میں مُسّرت وفخر بھی کم تھا۔فتوحات اور عظیم الشان فتوحات دوسروں کے لئے تھیں۔اُس کی قسمت میں تو صلیب کے حقیر قصائیوں کا سا اطمینان تھا۔قتل، موت اور تشدد سے وہ کتنا تھک گیا تھا۔پھر بھی کوئی اس سے فرار حاصل کر کے کہاں جا سکتا تھا؟ وہ روز بروز ایک ایسا سماج تخلیق کر رہے تھے جہاں زندگی موت پر کھڑی تھی۔اس سے قبل دُنیا بھر کی تاریخ میں کبھی بھی قصاب اس قدر بہتات میں نہیں ہوئے تھے اور اس کی انتہا کہاں ہو گی اور یہ سلسلہ کب ختم ہو گا۔اب اسے ایک واقعہ یاد آ گیا جو اس کے رُوم کی شکست خوردہ اور مایوس فوجوں کی کمان سنبھالنے کے فوراً بعد رونما ہوا تھا۔اس نے اپنے دوست اور بچپن کے ساتھی پلیکو ممی ئیس کو ہدایت کی تھی کہ وہ سپارٹیکس کو ہراساں کرے مگر یہ احتیاط کرے کہ اپنی فوجوں کے کسی حصے کو اصل فوج سے کاٹ نہ دے۔اُس کے برعکس ممی ئیس نے فاش غلطی کرتے ہوئے خود کو جال میں پھنسا لیا۔اور اس کے تین دستے اچانک غلاموں سے مُڈبھیڑ ہوتے ہی باجماعت بھاگ گئے اور رومن افواج کے ماتھے پر شرم وندامت کا داغ لگا دیا۔اسے یاد تھا کہ اس نے ممی ئیس کو کتنا بُرا بھلا کہا تھا، اسے یاد تھا کہ اُس نے اسے کتنی گالیاں دی تھیں۔اُس نے اسے بزدلی کے طعنے دیئے۔مگر ممی ئیس جیسے شخص کا مزید کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا تھا۔فوجیوں کا معاملہ اور

تھا۔ساتویں فوج کے پانچ ہزار آدمیوں کو قطار میں کھڑا کیا گیا تھا اور ہر دسویں آدمی کو قطار سے باہر نکال کر بزدلی کے جُرم پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔''تمہیں مجھے قتل کر دینا چاہیئے تھا'' ممی ئیس نے بعد میں اس سے کہا تھا۔

وہ واقعہ اسے صاف طور پر یاد آ رہا تھا۔اس لئے کہ یہ ممی ئیس اور مارکوس سروئیس ہی تھے جو غلاموں کے خلاف اس کی گہری نفرت کا نمونہ تھے۔یہ قصہ بعد میں اس نے سنا اور غلاموں کے کیمپ سے متعلق تمام قِصّوں کی طرح سچ اور جھوٹ کا الگ الگ کرنا ناممکن تھا۔مارکوس سروئیس کسی حد تک سپارٹیکس کے ایک محبوب ساتھی کرکسس نامی ایک گال کی موت کا ذمہ دار تھا۔اسے گھیرا گیا اور اُس کی فوج کو تباہ کیا گیا۔تب بہت بعد میں جب سپارٹیکس نے سروئیس اور ممی ئیس کو گرفتار کرلیا اور غلاموں کی عدالت میں ان پہ مقدمہ چلا۔کہا جاتا ہے کہ ڈیوڈ نے ہی اُن کی سزائے موت کے طریقے کے بارے میں دلائل دیئے۔یا شاید ڈیوڈ نے اس طریقے کے خلاف دلائل دیئے۔کراسس کو ٹھیک طور پر معلوم نہ تھا۔اُن دونوں کو گلیڈ ئیٹر بنا کر، انہیں ننگا کر کے اِن دونوں کو ایک ایک چاقو تھمایا گیا اور ایک عارضی اکھاڑے میں کھڑا کر کے رومن افواج کے ان دونوں معّمر کمانڈروں کو موت تک لڑوا دیا گیا۔یہی وہ واحد بار تھی جب سپارٹیکس نے کسی کو اس طرح کی سزا دی ہو مگر کراسس کو یہ واقعہ نہ تو کبھی بھولا اور نہ ہی اس نے اس حرکت کو معاف کیا۔

پھر بھی یہ کوئی ایسی بات نہ تھی کہ وہ اِسے صلیب کے نیچے کھڑے ہوئے اس افسر کو بتا سکتا۔''مجھے معلوم نہیں کہ میرا مطلب کیا تھا''۔کراسس نے کہا۔''یہ اتنا اہم نہیں''۔

وہ بہت تھک چکا تھا اور اُس نے واپس کوٹھی جانے اور سونے کا فیصلہ کرلیا۔

3

اصل بات یہ تھی کہ کراسس کو اِس بات کی چنداں پرواہ نہ تھی کہ ان خاص حقائق کی روشنی میں گلیڈ ئیٹروں کی فوج کے اس زندہ بچ جانے والے آخری شخص کو صلیب پر چڑھا دینے کی سزا، مبنی بہ

انصاف تھی یا نہیں۔انصاف کے لئے اس کے جذبات مدھم پڑ چکے تھے۔انتقام کا اس کا احساس مدھم پڑ چکا تھا اور موت میں کسی قسم کی شائستگی قائم نہ رہ سکی تھی۔بچپن میں دیگر اشرافیہ کے خاندانوں کے بچوں کی طرح اسے بھی ماضی کی بہادری اور شجاعت کے قصّے سنائے گئے تھے۔اسے مکمل طور پر یقین تھا کہ ریاست اور قانون سارے انسانوں کی خدمت کرتے ہیں اور قانون مبنی بہ انصاف ہوتا ہے۔وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس بات پہ اُس کا پختہ یقین کب ختم ہو گیا۔مگر ابھی تک قانون اور ریاست پر اس کا عتماد مکمل طور پر ختم نہ ہوا تھا۔اُس کے اندر کسی جگہ ہلکا سا واہمہ زندہ رہا مگر پھر بھی وہ ایک زمانے میں انصاف کی جس قدر واضح تعریف کیا کرتا تھا، آج نہیں کر سکتا تھا۔دس سال قبل اس نے اپنے بھائی اور باپ کو حزب اختلاف کے ہاتھوں مرتے ہوئے دیکھا۔مگر انصاف نے اُن کا بدلہ کبھی نہ لیا۔اُس بارے میں اُس کا کنفیوژن کم ہونے کی بجائے بڑھ گیا کہ انصاف کیا ہے اور بے انصافی کیا ہے۔یہ دولت وطاقت ہی کی برکت تھی کہ وہ زندہ تھا۔بہر طور انصاف کا یہ مطلب ٹھہرا کہ دولت اور طاقت کو نہ چھیڑا جائے۔اس معاملے میں اخلاقیات کی اہمیت بتدریج کم ہوتی گئی۔یہی وجہ تھی کہ جب اس نے آخری گلیڈ ئیٹر کو مصلوب ہوتے دیکھا تو اُس نے اس میں خدائی احکام کی کوئی تعمیل نہ پائی۔درحقیقت اُسے کچھ احساس ہی نہ ہوا۔

مگر گلیڈ ئیٹر کے ذہن میں انصاف اور بے انصافی کے سوالات موجود تھے اور وہ سوالات اُسی بے ہوشی کے ساتھ خلط ملط ہو گئے تھے جو درد اور صدمے نے اس پر طاری کی تھی۔وہ سوالات اس کی یادداشت کے لاتعداد دھاگوں کے ساتھ خلط ملط ہو گئے۔اس کے دماغ کے کسی گوشے میں اُس واقعے کی یاد صاف اور جامع طور پر زندہ تھی جس کا اشارہ کراسس نے کیا تھا۔

گلیڈ ئیٹرز کے ہاں یہ منصفانہ بات تھی۔خواہ یہ کراسس ہو یا اس کے بعد (جب غلاموں کے کارناموں کی تاریخ اُن لوگوں کے ہاتھوں لکھی جاتی تھی جو غلاموں سے بے انتہا نفرت کرتے تھے اور اُن لوگوں کے ہاتھوں جنہیں اس بات کا پتہ ہی نہ تھا کہ غلاموں نے کیا کیا)۔یہ کہا جاتا ہے کہ وہ رومن قیدیوں کو ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ گلیڈ ئیٹروں کی لڑائی کا بدلہ لیا جا سکے۔چنانچہ یہ بات حتمی تھی (جس طرح کہ آقا اس بات کو ہمیشہ حتمی لیتے تھے) کہ جب اقتدار

استحصال شدہ لوگوں کے ہاتھوں میں آیا، انہوں نے اُسے اسی طرح استعمال کیا جس طرح کہ استحصالی کیا کرتے تھے۔اور یہ اُس شخص کی یادداشت تھی جو صلیب پر لٹک رہا تھا۔اس طرح کا بیہمانہ قتلِ عام دُنیا میں کبھی نہیں ہوا تھا جس طرح کہ گلیڈیئٹروں کا ہوا۔.....سپارٹیکس نے تو صرف ایک بار غصے اور نفرت میں آ کر ان دو رومن فوجی افسروں کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

''تم ویسا ہی کرو گے' جیسے ہم نے کیا۔ برہنہ ہو کر چاقو سنبھالو۔اور ریت پہ جاؤ تا کہ تمہیں پتہ چلے کہ ہم رُوم کی سربلندی اور اس کے شہریوں کی مُسرت کی خاطر کس طرح مرے''۔

یہودی اُس وقت وہاں خاموشی سے بیٹھا سُن رہا تھا۔ جب دونوں رومن لے جائے گئے، تو سپارٹیکس اُس کی طرف متوجہ ہوا مگر یہودی پھر بھی کچھ نہ بولا۔ان کے درمیان ایک عظیم تعلق پیدا ہو گیا تھا۔کئی برسوں میں کئی جنگوں کے دوران کاپوآ سے فرار ہونے والا گلیڈیئٹروں کا یہ چھوٹا سا گروہ گھٹتے گھٹتے کم رہ گیا تھا اور غلاموں کی عظیم فوج کے لیڈروں کی حیثیت سے جو مٹھی بھر لوگ زندہ بچ گئے تھے، وہ آپس میں مکمل طور پر متحد تھے۔

اب سپارٹیکس نے یہودی کی جانب آنکھیں مرکوز کیں اور اس سے پوچھا۔''میں صحیح کر رہا ہوں یا غلط؟''۔

''جس چیز کو یہ درست سمجھتے ہوں، وہ ہمارے لئے کسی بھی طور درست نہیں''۔

''انہیں لڑنے دو''۔

''ہاں۔اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو انہیں ایک دوسرے کو قتل کرنے دو۔مگر یہ سزا ہمیں زیادہ دُکھ پہنچائے گی۔ یہ فعل ہمیں دیمک کی طرح اندر سے کھائے گا۔ میں اور تم گلیڈیئٹر ہیں۔ہم نے بہت عرصہ پہلے یہ کہا تھا کہ ہم جوڑوں کی لڑائی کی یاد تک کو دُنیا سے ختم کر ڈالیں گے''۔

''اور یقیناً ہم ختم کر ڈالیں گے مگر اِن دونوں کو لڑنے دو.....''۔

تو یہ تھی یادوں کی وہ ٹکڑی جو صلیب پر لٹکے ہوئے شخص کے دماغ کے کسی گوشے میں زندہ تھی۔ کراسس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور اسے مصلوب ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔دائرہ مکمل ہو گیا تھا۔کراسس سونے کے لئے گھر چلا گیا اور گلیڈیئٹر میخوں کی وجہ سے بے ہوش ٹنگا ہوا تھا۔

ٹھیک ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد گلیڈیئٹر کو ہوش آیا۔درد ایک سڑک کی مانند تھا اور ہوش درد کی شاہراہ پر رواں دواں تھا۔اگر اس کے تمام حواس کو ڈھول کے اُوپر چمڑے کی طرح پھیلا دیا جاتا تو اب وہ ڈھول بجایا بھی جا رہا تھا۔موسیقی نا قابلِ برداشت تھی۔اور وہ محض درد کے علم پہ جاگا۔درد کی دُنیا میں وہ کوئی اور بات نہیں جانتا تھا۔اور دَرد پوری دُنیا تھا۔وہ اپنے چھ ہزار ساتھیوں میں سے آخری آدمی تھا۔اور اُن کا درد اُس کے درد جیسا تھا۔مگر اس کا اپنا دَرد اتنا زیادہ تھا کہ اس کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔اس نے اپنی آنکھیں کھولیں مگر درد ایک سُرخ پردہ تھا جو اُسے دُنیا سے الگ رکھے ہوئے تھا۔

اس کی بیداری بالکل یک دم نہ آئی بلکہ یہ موجوں کی صورت آئی تھی۔جس گاڑی کو وُہ بہت اچھی طرح جانتا تھا وہ چھکڑا تھا۔وہ ایک گھسٹتے اچھلتے چھکڑے میں سوار ہو کر واپس ہوش میں آ رہا تھا۔ وہ پہاڑی گاؤں میں ایک چھوٹا لڑکا تھا۔اور بڑے لوگ، دُور سے آئے ہوئے لاٹ صاحبان، مہذب لوگ' اجلے لوگ کبھی کبھار چھکڑوں میں سواری کرتے تھے اور وہ پہاڑی راستے کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے اُن سے سواری کی بھیک مانگتا تھا۔''اے مالک! اے آقا، مجھے سوار ہونے دو''۔کوئی بھی اس کی زبان میں بات نہ کرتا تھا۔مگر کبھی کبھی وہ اسے اور اس کے دوستوں کو مٹھائی دے دیتے۔آقا اُس وقت بہت ہنستے تھے جب چھوٹے، سورج زدہ، سیاہ بالوں والے لڑکے چھکڑے کے آخری سرے سے چمٹ جاتے تھے۔مگر بسا اوقات وہ گھوڑوں کو چابک لگاتے اور چھکڑے کی اچانک تیز حرکت بچوں کو ہَوا میں لہرا دیتی۔مغرب سے آئے ہوئے عظیم لوگ نا قابلِ فہم لوگ تھے۔ مگر جب آدمی چھکڑے سے گر جاتا ہے تو بہت درد ہوتا ہے۔

پھر اُسے احساس ہو جاتا کہ وہ پہاڑی علاقے کا ایک بچہ نہیں بلکہ صلیب پر لٹکا ہوا ایک مرد تھا۔ وہ اس بات کا احساس اپنے بازوؤں میں کرتا تھا جہاں نسیں گرم سفید تاریں بن چکی تھیں اور اس کے بازوؤں اور شانوں کے ساتھ ساتھ گرم خون رواں تھا۔ وہ اس کا احساس اپنے پیٹ میں کر سکتا تھا

جہاں اس کا معدہ اور اس کی آنتیں درد اور کھچاؤ کی غضبناک گرہیں بن چکی تھیں۔

اور جو لوگ اُس کا تماشا دیکھ رہے تھے وہ اپنے ارتعاش میں اسے حقیقی اور غیر حقیقی لہریں لگ رہے تھے۔ اس کی نظر اُن پر مکمل طور پر مرکوز نہ تھی۔ وہ صحیح طور پر نظر ٹکا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور تماش بین لوگوں کو اس نے تہہ شدہ اور غیر تہہ شدہ صورت میں دیکھا جیسے ایک ٹیڑھے شیشے کے نیچے کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ اس کے برعکس لوگوں نے دیکھا کہ گلیڈیئٹر ہوش میں آ رہا تھا۔ وہ اُسے دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ اگر یہ مصلوب کرنے کا کوئی اور موقع ہوتا تو اس قدر جشن کا سماں نہ ہوتا۔ اس لئے کہ مصلوب کرنا رُوم میں عام ہو گیا تھا۔ چار سال قبل جب روم نے کارتھیج کو فتح کر لیا تو اس نے تمام مفتوحہ چیزوں سے بہترین چیزیں اٹھالی، وہ چیز تھی نظامِ شجر کاری۔ اِسی طرح دھتکارے لوگوں کو صلیب پر چڑھانا عام ہو گیا تھا۔ صلیب اور اس پہ ٹنگا ہوا آدمی رُوم کا محبوب ترین مشغلہ بن گیا۔ اور اب دُنیا بھول چکی تھی کہ اس کی ابتدا کارتھیج کی تھی۔ چنانچہ صلیب پر چڑھانا عالمی طور پر تہذیب کی علامت بن گیا۔ جہاں رومن سڑکیں جاتیں، صلیب اور شجر کاری کا نظام بھی ساتھ جاتا۔ جوڑوں کی لڑائی میں، اور غلامی میں انسانی زندگی کی بے پناہ بے عزتی کی جاتی، اور انسانیت کے خُون پسینے سے سونے کو نچوڑنے کا شغل وہاں وہاں جاتا۔

مگر وقت کے ساتھ ساتھ بہترین چیزیں بھی مدھم پڑ جاتی ہیں۔ جب شراب میں زیادہ پانی ڈالا جائے تو بہترین شراب بھی اُکتا دینے والا مائع بن جاتا ہے۔ اور ایک شخص کا جذبہ ہزاروں لوگوں کے جذبوں میں گم ہو جاتا ہے۔ کوئی دوسری صلیب مجمع کو اکٹھا نہیں کر سکتی تھی۔ مگر یہ موت ایک ہیرو کی موت تھی، ایک گلیڈیئٹر کی، سپارٹیکس کے ایک ساتھی کی موت تھی۔ گلیڈیئٹر کے رول میں ہمیشہ سے ایک تضاد رہا ہے۔ وہ تو غلام ہوتا ہے جو کہ موت کے لئے بنا ہے، لڑنے والی کٹھ پتلی ہے، بے عزتوں میں بے عزت ترین ہے مگر پھر بھی بہ یک وقت وہ جنگ کے خُونی میدان کا زندہ رہنے والا غازی بھی ہے۔

چنانچہ وہ اس گلیڈیئٹر کو مرتا دیکھنے کے لئے یہاں آئے تھے۔ وہ یہ دیکھنے آئے تھے کہ وہ کس طرح اس تجسّس کا خیر مقدم کرتا ہے جو ساری انسانیت کا مشترک تجسّس ہے اور یہ دیکھنے کہ جب اس

کے ہاتھوں میں میخیں ٹھونک دی جائیں گی تو وہ خود کو کس طرح ہدایات دیتا ہے۔ وہ ایک عجیب شخص تھا جس نے خود پر خاموشی مُسلّط کر رکھی تھی۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے آئے تھے کہ آیا یہ خامشی توڑی جا سکتی ہے۔ اور جب میخیں ٹھونکنے کے دوران یہ خاموشی نہ ٹوٹی تو وہ یہ دیکھنے کے لئے انتظار میں کھڑے رہے کہ جب وہ دوبارہ دُنیا میں آنکھیں کھولے گا تو یہ خاموشی ٹوٹے گی یا نہیں۔

اور یہ ٹوٹ چکی۔ جب اس نے بالآخر انہیں دیکھ لیا، جب نظر کی لہریں تیرنا بند ہو گئیں تو وہ چیخ پڑا۔ وہ دَرد اور تکلیف کی ایک وحشت ناک چیخ تھی۔

اس کے الفاظ بہ ظاہر کسی کے سمجھ میں نہ آئے۔ البتہ اس بارے میں افواہیں بہت تھیں کہ اس نے پُر درد آواز کی بوچھاڑ میں کیا کہا۔ کچھ نے اس کے بولنے یا نہ بولنے کے بارے میں شرطیں لگائی تھیں۔ اور شرط کی رقم اس بات پہ ادا کی گئی یا نہیں کی گئی کہ آیا اس نے الفاظ کہے تھے یا یہ محض ماتم تھا، یا ایک غیر ملکی زبان میں بات کی تھی۔ کچھ نے کہا کہ اس نے خداؤں کو پُکارا تھا۔ دوسروں نے کہا کہ اس نے اپنی ماں کو پُکارنے کی کُھسر پھُسر کی تھی۔

لیکن دراصل دونوں میں سے کوئی بات درست نہ تھی۔ حقیقت میں وہ چیخا تھا۔ ''سپارٹیکس۔ سپارٹیکس۔ ہم کیوں ناکام ہوئے؟''۔

5

جب سپارٹیکس کا کاز تاریخ کے کوڑے میں گر گیا تھا تو معجزاتی طور پر اُن چھ ہزار گرفتار شدہ آدمیوں کے دِل و دماغ نکال کر اور باہر بچھا کر، ناپے گئے۔ تاکہ صلیب سے لے کر اُن تاروں اور گُچھوں کو تلاش کیا جائے جو انہیں یہاں تک لائے تھے۔ اگر چھ ہزار آدمیوں کی زندگیوں کے نقشے کھینچے جا سکتے تو یہ دیکھا جا سکتا تھا کہ کئی لوگوں کے ماضی ایک جیسے تھے۔ اس لحاظ سے شاید آخر میں ان کے مصائب بھی مختلف نہ ہوں۔ یہ مصیبت ایک مشترک مصیبت تھی۔ اور اگر آسمانوں میں کئی دیوتا موجود ہوتے یا واحد دیوتا کا وجود ہوتا اور اگر اُن کے آنسو بارش ہوتے تو یقیناً یہ بارش کئی دنوں

تک جاری رہتی ۔مگر اس کے برعکس سُورج نے تکلیف کو سُکھا ڈالا اور پرندوں نے رِستے ہوئے گوشت کو نوچ ڈالا اور وہ آدمی مر گئے۔

موت کے حوالے کئے جانے والا یہ آخری شخص تھا۔ وہ دوسروں کا حاصلِ جمع تھا۔اس کا دماغ انسانی زندگی کے مجموعے سے بھرا ہوا تھا۔مگر ایک ایسے درد کے درمیان آدمی سوچتا نہیں ہے اور یادیں دہشت ناک وقوعہ بن جاتی ہیں۔اُس کی یادوں میں تسلسل نہ تھا۔اس لئے کہ ان کے معانی سوائے درد کے عکس کے کچھ نہ تھے۔مگر اس کی یادوں سے ایک کہانی تلاش کی جاسکتی تھی۔اور یادوں کو ترتیب دے کر ایک طرز کا بنایا جاسکتا ہے اور اس صورت میں یہ طرز اُن دوسروں کے طرز سے مختلف نہ ہوگا۔

اُس کی زندگی کے چار دَور تھے۔ پہلا دَور لاعلمی کا تھا۔ دوسرا دَور جانکاری کا تھا۔ یہ نفرت سے بھرا ہوا دَور تھا جس میں وہ مجسم نفرت بن گیا تھا۔ تیسرا دور اُمید کا تھا جس میں اُس کی نفرت ختم ہوگئی اور اُسے اپنے ساتھی انسانوں کے لئے محبت اور رفاقت کے جذبات نصیب ہوئے۔ چوتھا عہد مایوسی کا عہد تھا۔

لاعلمی کے دَور میں وہ ایک چھوٹا سا لڑکا تھا اور اُس وقت اس کے چاروں طرف خوشی اور ابھرتے سُورج کی شعاعیں بکھری تھیں۔ جب صلیب پر اس کے دردناک دماغ نے ٹھنڈک تلاش کی اور دَرد سے فرار چاہا تو اُسے یہ ٹھنڈک بچپن کو یاد کر کے ملی۔اس کے بچپن والے سرسبز پہاڑ خنک وخوبصورت تھے۔ پہاڑی نالے چمکدار اور رُوح پرور تھے اور کالی بکریاں پہاڑوں کے دامن میں چرتی تھیں۔ پہاڑوں کو محبت بھرے ہاتھوں نے سجا اور سنبھال کر رکھا تھا۔اور جَو موتیوں کی طرح اور انگور ہیروں کی طرح اگتے تھے۔ وہ پہاڑوں کے دامنوں میں کھیلتا تھا،نرم اور ریتلی چوٹیوں کی پھسلنوں میں پھسلتا تھا اور عظیم خوبصورت گیلیلی کی جھیل میں تیرتا تھا۔ وہ ایک آزاد، جنگلی اور صحت مند جانور کی طرح دوڑتا تھا اور اس کے بہن بھائی اور دوست ایک ایسی محفل عطا کئے ہوئے تھے جس میں وہ آزاد تھا، محفوظ تھا اور خوش تھا۔

اُس دَور میں بھی وہ دیوتا کے بارے میں جانتا تھا۔اس کے بچپن کے تصور میں دیوتا کا ایک صاف، حتمی اور واضح خاکہ موجود تھا۔ وہ چونکہ پہاڑی لوگوں میں سے تھا اس لئے انہوں نے دیوتا کو ایک ایسی چوٹی پر بٹھا دیا تھا جہاں کوئی انسان نہیں چڑھ سکتا تھا۔ پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی پر دیوتا رہائش پذیر تھا جہاں آج تک کوئی انسان نہ جا سکا تھا۔ دیوتا وہاں بالکل اکیلا بیٹھتا تھا۔اس وقت دیوتا واحد ہوتا تھا اور اس کا کوئی شریک نہ تھا۔ دیوتا ایک بوڑھا آدمی تھا جو مزید بوڑھا نہیں ہوسکتا تھا۔اس کی داڑھی اس کے سینے سے ہوتی ہوئی نیچے تک اس طرح پھیلی ہوتی تھی کہ بادل بن جاتے اور آناً فاناً آسمان کو ڈھانپ دیتے۔ وہ ایک برحق دیوتا تھا۔ وہ کبھی کبھی رحمدل بھی ہوجاتا تھا مگر ہمیشہ ایک کینہ پرور اور انتقام پرور دیوتا تھا اور وہ چھوٹا لڑکا یہ جانتا تھا۔لڑکا صبح شام دیوتا کی نظر میں تھا۔ وہ جو کچھ کرتا، دیوتا اسے دیکھتا۔ جو کچھ وہ سوچتا، دیوتا کو اس کا علم تھا۔

وہ پارسا لوگوں کے بیچ پیدا ہوا تھا، اور دیوتا اُن کی زندگیوں کے اندر باہر اس طرح پیوست تھا جس طرح ایک دھاگہ چوغے کے اندر اور باہر سلا ہوا ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے ریوڑ چراتے تو دھاری دار لمبے چوغے پہنتے تھے۔اس چوغے کا ہر جھالر اُن کے دِلوں میں دیوتا کے جلال واحترام کا مظہر تھا۔ وہ صبح وشام دیوتا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جب وہ کھانے پر بیٹھ جاتے تو دیوتا کا شکر ادا کرتے، جب وہ شراب کا ایک گلاس پیتے تو دیوتا کا شکر ادا کرتے۔حتیٰ کہ جب ان پہ کوئی آفت نازل ہوتی تب بھی وہ دیوتا کا شکر ادا کرتے تھے تاکہ دیوتا یہ نہ سمجھے کہ وہ اس مصیبت سے ناراض ہیں اور چنانچہ تکبر کے مرتکب ہوئے۔

اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ وہ لڑکا جواب ایک آدمی بن چکا تھا اور صلیب سے ٹنگا ہوا تھا، دیوتا کے وجُود اور اس کے متعلق معلُومات سے بھرا ہوا تھا۔ یہ لڑکا دیوتا سے ڈرتا تھا، اور اس کا دیوتا ایسا تھا بھی جس سے ڈرا جاتا۔مگر یہ خوف سورج کی فراواں شعاؤں، پہاڑوں اور پہاڑی ندیوں کی ٹھنڈک میں محض ایک چھوٹا سا ساز تھا۔لڑکا دوڑتا پھدکتا تھا، ہنستا گاتا تھا، بھیڑ بکریاں چراتا تھا اور بڑے لڑکوں کو اس تیز دھار والے چاقو کو پھینکتے ہوئے دیکھتا تھا جو وہ فخر سے اپنے پہلو میں پہنا کرتے تھے۔اس کے اپنے پاس بھی لکڑی کا بنا ہوا ایک چاقو تھا۔ وہ اکثر اس کی مدد سے اپنے بھائیوں اور دوستوں سے چاقو زنی کے نقلی مقابلے کیا کرتا تھا۔

اگر وہ کبھی بہت اچھا کھیلتا تو بڑے لڑکے رشک سے سر ہلاتے ہوئے کہتے ''واہ واہ۔ ایک تھریشین ہو، ننھے سے بندر''۔ تھریشین ساری بُرائیوں نیز لڑائیوں کا مجموعہ تصور ہوتے تھے۔ بہت عرصہ قبل ان کی سرزمین پر کرائے کے قاتل آئے تھے۔ اُن بیرونی یلغار گروں کو نکال بھگانے میں کئی سال لگے۔ ان قاتلوں کو تھریشین کہا جاتا تھا مگر اس چھوٹے لڑکے نے کبھی کسی تھریشین کو نہیں دیکھا تھا۔

وہ اُس دن کا انتظار کرتا تھا جب وہ بھی اپنے پہلو میں ایک چاقو پہنے گا تا کہ سب لوگ دیکھیں کہ وہ کس طرح ایک تھریشین کی طرح غضبناک بہادر ہے۔ مگر پھر بھی وہ بہت زیادہ وحشت ناک نہ تھا۔ وہ ایک شریف لڑکا تھا، ایک ہنستا مسکراتا لڑکا.....وہ دَور، نا سمجھی کا دَور تھا۔

اپنی زندگی کے دوسرے دَور یعنی سمجھ و شعور کے دَور میں اب وہ ایک چھوٹا لڑکا نہ رہا تھا اور سورج کی بکھرتی ہوئی شعاعوں نے یخ بستہ ہوا کی جگہ لے لی تھی۔ اس وقت اس نے اپنے گرد نفرت کا ایک چوغہ لپیٹ لیا تا کہ اپنا دفاع کر سکے۔ یہ ایک ایسا دور تھا کہ آج صلیب پہ لٹکے ہوئے اس دَور کی یاد اس کے دماغ میں گہرا درد پیدا کرنے والے چاقو سے وار کر رہی تھی۔ اس دور کے متعلق اس کی یادیں وحشی، مڑی تڑی اور خوفناک تھیں۔ اس نے اپنی زندگی کے دوسرے عہد کو اِن لوگوں کی لہروں میں دیکھا جو آج اس کا تماشا دیکھنے کے لئے کھڑے تھے۔ اس نے اس عہد کو اِن لوگوں کے چہروں میں دیکھا، ان کی آوازوں میں دیکھا۔ بار بارہ وہ اپنے ہواس پہ قابو پالیتا اور بار بار یادیں اسے دوسرے دَور یعنی عہدِ علم کی طرف دھکیلتیں۔

اس دَور میں اسے چیزوں کا ادراک ہوا۔ اور اس ادراک میں اس کا لڑکپن ختم ہو گیا۔ وہ اپنے والد کو جاننے لگا۔ جو سانولے رنگ کا ایک مشقتی انسان تھا۔ وہ صبح سے شام تک محنت کرتا تھا مگر پھر بھی یہ محنت کبھی کافی ثابت نہ ہوئی۔ اسے غموں کا ادراک ہو گیا۔ اس لئے اس کا باپ خواہ جتنی محنت کرتا، وہ ان کا پیٹ بھرنے کے لئے کافی نہ ہوتا۔ حالانکہ زمین بہت زرخیز تھی اور اسے اس گہری خلیج کا ادراک ہوا جو امیروں کو غریبوں سے جُدا کرتی تھی۔

آوازیں پہلے کی طرح تھیں۔ فرق یہ تھا کہ وہ اب یہ آوازیں سنتا اور انہیں سمجھتا تھا۔ جبکہ پہلے وہ

انہیں سنتا تو تھا مگر سمجھتا نہ تھا۔ اب جب بڑے آدمی باتیں کرتے تھے تو اسے تھوڑی دُور کھڑے ہو کر باتیں سُننے کی اجازت ملتی تھی جبکہ پہلے اُسے باہر جا کر کھیلنے کو کہا جاتا تھا۔

مزید برآں اُسے ایک چاقو دیا گیا۔ مگر چاقو اپنے ساتھ کوئی خوشی نہ لایا تھا۔ وہ ایک روز اپنے باپ کے ساتھ پہاڑوں کے اُس پار گیا۔ وہ پورے پانچ میل چلے جہاں ایک لوہار رہتا تھا۔ وہاں وہ پُورے تین گھنٹے بھٹی کے پاس رہے۔ اور لوہار نے اسے ایک چاقو بنا کر دیا۔ سارا وقت اس کا باپ اور لوہار اس غم و آلام پر باتیں کرتے رہے جو اُن کی سرزمین پر مُسلّط ہو گیا تھا اور جس نے چھوٹے آدمیوں کو نچوڑ کر رکھا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کا باپ اور لوہار آپس میں مقابلہ کر رہے تھے کہ ان میں سے کون زیادہ تباہ ہو گیا ہے۔

''اس چاقو کی مثال لے لو''۔ لوہار نے کہا۔ ''میں تم سے اس کے چار دینار لیتا ہوں۔ اس رقم میں سے ایک دینار عبادت گاہ کا پروہت آ کر لے جائے گا۔ ایک دینار ٹیکس کلیکٹر لے جائے گا۔ اس طرح میرے پاس دو بچ جائیں گے۔ اگر مجھے دوسرا چاقو بنانا پڑے تو مجھے ہر حال میں لوہا خریدنے کے لئے دو دینار دینے پڑیں گے۔ تو پھر میری محنت کا معاوضہ کیا بچا؟ پھر مجھے دھونکنی خریدنی پڑتی ہے، چاقو کا دستہ بھی اور اپنے بچوں کے لئے خوراک بھی۔ لیکن اگر میں پانچ دینار وصول کرنے لگوں تو پھر تمام اخراجات نکل آئیں گے۔ مگر پھر مجھ سے کون بنوائے گا چاقو؟ اس لئے کہ دوسرے لوہار کم قیمت پہ چاقو بنا رہے ہوں گے۔ تم پہ خُدا ذرا زیادہ مہربان ہے۔ کم از کم تم اپنی خوراک تو زمین سے حاصل کرتے ہو اور تمہارا پیٹ تو بھرا رہتا ہے''۔

لڑکے کے والد کے دلائل اور تھے: ''تمہارے پاس کم از کم کچھ نقد روپیہ تو ہے۔ میرا معاملہ تو بالکل گڑبڑ ہے۔ مَیں جَو کی فصل کاشت کرتا ہوں اور اناج کی بوریاں بھر لیتا ہوں۔ یہ جَو ہیروں کی طرح چمکتا ہے۔ ہم خُدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمارا جَو موٹا اور خوبصورت ہوتا ہے۔ جس کے پاس اتنا جَو موجود ہو، اسے بھلا کیا تکلیف ہو سکتی ہے؟ مگر پھر پروہت آ جاتا ہے اور اناج کا چوتھا حصہ عبادت گاہ کے ٹیکس کے طور پر لے جاتا ہے۔ پھر لگان وصُول کرنے والا آ جاتا ہے اور ایک چوتھائی وہ لے جاتا ہے۔ میں اس کے سامنے حجت کرتا ہوں، گڑگڑاتا ہوں۔ میں اسے بتاتا ہوں کہ میں اس

جَو سے سردیوں میں اپنے خاندان کا پیٹ پالتا ہوں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ سردیوں میں اپنے جانور کاٹ کر کھاؤ۔ اور پھر جب وہ وقت آ جاتا ہے جب نہ گوشت ہوتا ہے اور نہ اناج' اور بچے بھوک سے تلملاتے ہیں تو ہم اپنے تیر کمان سنبھال لیتے ہیں اور پہاڑوں پر باقیماندہ ہرنوں کے بارے میں سوچتے ہیں۔ مگر یہ گوشت ایک یہودی کے لئے اُس وقت تک حرام ہوتا ہے جب تک کہ اس پہ کلام نہ پڑھا جائے۔ اسی لئے ہم نے پچھلے سال اپنا ربّی (یہودیوں کا مُلّا) یروشلم بھیجا تھا تاکہ وہ انہیں سمجھا سکے۔ ہمارا ربّی ایک اچھا آدمی ہے۔ اس کی بھُوک ہماری بھُوک ہوتی ہے۔ مگر وہ پانچ دن تک اس انتظار میں وہاں پڑا رہا تاکہ بڑے پیشوا اُسے ملاقات دیں۔ پھر انہوں نے ناخوشگواری سے اُس کے دلائل سنے اور انہیں مُسترد کر دیا۔ اس پُورے عرصے میں اسے روٹی کا ایک ٹکڑا تک نہ کھلایا۔ انہوں نے اسے جواب دیا ''تمہاری یہ آہ وزاری کب ختم ہوگئی؟ تمہارے کسان کاہل ہیں، کام چور ہیں۔ وہ آرام سے دھوپ میں سونا چاہتے ہیں اور من وسلویٰ کھانا چاہتے ہیں۔ انہیں محنت کی عادت ڈالو تاکہ وہ مزید کاشت کر سکیں''۔ یہ ہے ان کی نصیحت۔ مگر کسان مزید زمین کہاں سے لائیں جہاں مزید کاشت کر سکیں۔ اور اگر ہمیں مزید زمین مل بھی جائے اور ہم مزید کاشت کریں بھی تو معلوم ہے ہم سے کیا سلوک ہوگا؟''۔

''میں جانتا ہوں کہ کیا ہوگا''۔ لوہار نے کہا۔ ''آخر میں تمہارے پاس کچھ بھی نہ بچے گا۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے اور امیر امیر تر بنتا جاتا ہے''۔

تو جب لڑکا چاقو لینے لگا تو وہاں یہ باتیں ہوئیں۔ مگر گھر میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ گھر میں شام کو پڑوسی اس کے باپ کے پاس آ گئے۔ جہاں ایک ہی کمرے میں پُورا خاندان رہتا تھا۔ وہ وہیں بیٹھ گئے اور دیر تک یہ باتیں کرتے رہے۔ ایک شخص کے لئے زندہ رہنا کس قدر اجیرن ہے اور ان کی زندگیاں کس قدر اذیت ناک ہیں اور کس طرح ان کا دُھرا تہرا استحصال کیا جاتا ہے اور یہ کب تک جاری رہے گا اور کیا کسی پتھر سے خُون نچوڑا جا سکتا ہے؟

صلیب پہ مصلوب شخص یہ سوچ رہا تھا اور یہ یاد کی نشتر مارنے والی ٹکڑیاں تھیں جو اس کے مصائب و آلام سے بندھی ہوئی تھیں۔ مگر گو کہ وہ مصیبت میں تھا، گو کہ دَرد موجوں کی صورت

میں ناقابلِ برداشت ہو جاتا تھا مگر پھر بھی وہ زندہ رہنا چاہتا تھا۔ زندگی بھی کیا قوت ہوتی ہے! زندگی بھی کیا کشش رکھتی ہے! آدمی اپنی بقاء کے لئے کیا کچھ کر گزرتا ہے۔

مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ ایسا کیوں ہے؟ اپنے اِس دور کے دوران اس نے دیوتا کو نہیں پُکارا۔ اس لئے کہ دیوتا کے پاس جواب نہ تھا، وضاحت نہ تھی۔ وہ اب مزید کسی واحد دیوتا، یا بہت سے دیوتاؤں پر کوئی ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اس کی زندگی کے اس دور میں دیوتا کے ساتھ اس کے تعلقات تبدیل ہو گئے۔ دیوتا صرف امیروں کی دُعائیں سُنتا تھا۔

چنانچہ اس نے دیوتا کو نہیں پُکارا۔ امیر لوگ صلیبوں پہ نہیں چڑھائے جاتے جبکہ اس کی تو ساری زندگی صلیب پر گزری تھی۔ اور اس کے ہاتھوں میں میخیں ازل سے ابد تک لگی ہوئی ہیں۔ یہی حال دوسروں کا تھا۔ یہی حال اس کے باپ کا رہا تھا۔ اس کا دماغ ٹھیک طور پر کام نہیں کر رہا تھا۔ اس کے دماغ میں خوبصورت اور جامع لہریں اب گڑبڑ ہو گئی تھیں۔ جب اس نے اپنے باپ کے مصلوب کئے جانے کو یاد کیا تو اس کے دماغ میں دو آدمی یعنی وہ خود اور اس کا باپ خلط ملط ہو گئے۔ اس نے اپنے بے حال اور مظلوم دماغ پر یاد کرنے کے لئے زور ڈالا تھا کہ اس کے باپ کا جُرم کیا تھا۔ تب اُسے وہ وقت یاد آیا جب ٹیکس وصول کرنے والے آئے تھے اور خالی ہاتھ بھیج دیئے گئے تھے۔ اُسے وہ وقت یاد آیا جب عبادت گاہ کے پادری آئے اور وہ بھی خالی ہاتھ روانہ کر دیئے گئے تھے۔

اس کے بعد خوشی کا ایک وقفہ آیا۔ ان کے عظیم ہیرو ''جوڈاس'' کی جھلمل کرتی ہوئی یاد اسے آئی۔ جس وقت اُن کے خلاف پادریوں کا بھیجا ہوا پہلا فوجی دستہ پہنچا تو پہاڑی کسانوں نے اپنے تیر کمان اور چاقو سنبھال لئے اور فوج کو تباہ کر دیا۔ وہ خود اُس جنگ میں شامل تھا۔ چودہ سال کی کم عُمری ہی میں اس نے اپنا چاقو استعمال کیا تھا۔ وہ اپنے باپ کے پہلو بہ پہلو لڑا تھا اور فتح سے لطف اندوز ہوا تھا۔

مگر فتح کا یہ نشہ زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ گیلیلی کے باغیوں کے خلاف بھاڑے کے سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد مارچ کرتی آئی۔ عبادت گاہ کے خزانے میں اس طرح کے سپاہیوں کی خریداری کے لئے سونے کے وہ وہ کنوئیں موجود تھے جن کے پیندے نہ تھے۔ برہنہ کسان چاقوؤں کے ذریعے اتنی

بڑی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ کسانوں کو شکست ہوئی اور دو ہزار کسان قیدی بنا لئے گئے۔ اُن میں سے 900 آدمیوں کو صلیب پر چڑھانے کے لئے منتخب کیا گیا۔ یہ مہذب طریقہ تھا، یہ طریقہ مغربی طریقہ تھا۔ اور جب پہاڑوں کے دامنوں میں کسان تسبیح کے دانوں کی طرح صلیبوں پر پرودئے گئے تو پروہت تماشا دیکھنے عبادت گاہ سے باہر نکلے۔ ان کے ساتھ رومن مشیر بھی تھے۔ اور ڈیوڈ نامی لڑکا کھڑا اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا جسے ایک صلیب پہ میخوں سے ٹھونک دیا گیا تھا اور جو اس وقت تک لٹکتا رہا جب تک کہ پرندوں نے اس کا سارا گوشت نوچ نہ ڈالا۔

اور اب وہ خود صلیب پہ تھا۔ جس طرح شروع ہوا تھا، اسی طرح اختتام ہوا تھا۔ اور وہ کس قدر تھکا ہوا تھا، کس قدر درد اور رنج سے بھرا ہوا تھا۔ صلیب پر جُوں جُوں وقت گزرتا رہا (وقت جس کا اُس وقت سے کوئی تعلق نہیں جس وقت کو انسان جانتا ہے۔ اس لئے کہ صلیب پر مصلوب انسان انسان نہیں رہتا) وہ اپنے آپ سے لامتناہی سوال کرتا رہا۔ کہ اس زندگی کے معنی کیا ہیں جو عدم سے آتی ہے اور عدم کو چلی جاتی ہے؟ اس زندگی پر اب اس کی گرفت اتنی مضبوط نہیں رہی تھی جس نے اسے اب تک زندہ رکھا تھا۔ اب پہلی بار اس نے مرنا چاہا۔

(سپارٹیکس نے اس سے کیا کہا تھا؟ ''گلیڈ ئیٹر، زندگی سے پیار کرو۔ ہر سوال کا جواب یہی زندگی ہے''۔ مگر سپارٹیکس مر چکا تھا اور وہ ابھی تک زندہ تھا)۔

وہ اب تھک چُکا تھا۔ تھکاوٹ دَرد سے لڑ رہی تھی۔ اس طرح یادداشت کے اُس کے چیتھڑے تھکاوٹ کے تھے۔ بغاوت ناکام ہونے کے بعد دوسرے 700 لڑکوں کے ساتھ اس کی گردن میں زنجیر پہنا دی گئی اور انہیں شمال کی جانب ہانکا گیا تھا۔ وہ کتنی دیر تک چلتے رہے! میدان، صحرا اور پہاڑوں کی عبُور کرتے ہوئے وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں پہ گیلیلی کے سرسبز پہاڑ محض جنت کا خواب بن گئے۔ ان کے آقا بدل گئے تھے مگر کوڑا ہمیشہ وہی رہا تھا۔ اور بالآخر وہ ایک ایسی سرزمین پر پہنچے جہاں کے پہاڑ گیلیلی کے پہاڑوں سے بہت اُونچے تھے۔ اور جہاں پہاڑوں کی چوٹیاں سال بھر برف سے ڈھکی رہتی تھیں۔

اور وہیں پہ اسے زمین میں گھسیڑ دیا گیا تا کہ تانبا کھودے۔ دو سال تک اس نے تانبے کی

کانوں میں مشقت کی۔ اس کے دونوں بھائی جو اس کے ساتھ تھے، مر گئے۔ مگر وہ زندہ رہا۔ اس کا جسم فولاد کا بنا ہوا تھا۔ دوسرے کمزور ہو گئے، ان کے دانت گر گئے، وہ بیمار پڑ گئے اور اپنی زندگیاں قے کر دیں۔ مگر وہ زندہ رہا اور دو سال تک کانوں میں مشقت کرتا رہا۔

اور پھر وہ فرار ہو گیا۔ وہ پہاڑوں میں فرار ہو گیا جبکہ غلامی کا طوق ابھی تک اس کے گلے میں موجود تھا۔ پھر پہاڑ کے سادہ اور ''پسماندہ'' قبائلیوں نے اسے پکڑ لیا، اسے پناہ دی، اس کی گردن سے طوق اتار دیا اور اسے اپنے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے پُوری سردیاں حلیم و پاک انسانوں کے درمیان گزار دیں۔ وہ بہت مہربان لوگ تھے۔ وہ غریب لوگ شکار کر کے اپنی گزر بسر کرتے تھے۔ وہ کاشت نہیں کیا کرتے تھے۔ اس نے ان کی زبان سیکھی۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ رہے اور ان کی کسی عورت سے شادی کر لے۔ مگر اس کا دِل تو گیلیلی میں رہ گیا تھا۔ اور جب موسم بہار آیا تو وُہ جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ مگر پارس کے سوداگروں کے ایک گروہ نے اسے گرفتار کر لیا اور پھر اسے مغرب کی طرف جانے والے غلاموں کے ایک کارواں کے ہاتھ بیچ دیا گیا۔ اسے ''ٹائر'' شہر میں نیلام کر دیا گیا۔ ٹائر سے اسے اپنا آبائی وطن دکھائی دے رہا تھا۔ اُس وقت اس کا دِل پھٹ پڑا تھا۔ اس نے کس قدر تلخ آنسو بہائے تھے۔ اس کا گھر، عزیز و اقارب اور اسے چاہنے والے لوگ کتنے قریب تھے اور آزادی پھر بھی کتنی دور تھی۔ اسے ایک تاجر نے خرید لیا اور زنجیریں پہنا کر چپو والے ایک جہاز میں باندھ دیا جو سسلی کی بندرگاہوں میں تجارت کرتا تھا۔ وہ پورے ایک سال تک اس بھیگی ہوئی تاریکی اور نمناک گندگی میں بیٹھ کر سمندروں میں چپو چلاتا رہا۔

پھر جہاز کو سمندری ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور اسے گھسیٹ کر عرشے تک لایا گیا۔ وہ گندے الّو کی طرح، روشنی میں آنکھیں جھپک رہا تھا۔ سفاک یونانی ملاحوں نے اس کی تلاشی لی اور پوچھ گچھ کی۔ تاجر کو اس کے عملے سمیت جلد ہی سزا دی گئی اور گھاس کے گٹھوں کی طرح انہیں عرشے سے اچھال دیا گیا۔ مگر غلاموں کا جائزہ لیا گیا۔ اور ہر ایک سے باری باری پوچھا گیا ''کیا تم لڑ سکتے ہو یا محض چپو چلا سکتے ہو؟''۔

وہ گندگی، تاریکی اور بدبُو سے اس طرح خوف زدہ ہوگیا تھا جس طرح کہ وہ شیطان سے ڈرتا تھا۔ اس نے جواب دیا تھا ''میں لڑسکتا ہوں، مجھے صرف ایک موقع دو''۔ وہ اُس وقت ایک پُوری فوج سے لڑسکتا تھا، شرط صرف یہ تھی کہ اسے نیچے چپو چلانے نہ بھیجا جائے۔ تب انہوں نے عرشے پر گالیوں اور مُکّوں کے ذریعے اُسے سمندر کا فن سکھادیا۔ ایک بادبان کو کس طرح لپیٹا جاتا ہے، کس طرح ایک تیس فٹ لمبے ڈنڈے سے بادبان کو لہرایا اور موڑا جاسکتا ہے، کس طرح رسّی کاٹی جاتی ہے اور رات کو کس طرح ستاروں کی مدد سے راستہ تلاش کیا جاتا ہے۔ رومن ڈاکوؤں کے ساتھ اُن کی پہلی مدبھیڑ میں اس نے اپنی پُھرتی دکھادی اور چاقو زنی کی اپنی مہارت ثابت کردی۔ اس سے اُسے اُس دہشت اور لاقانونیت والے گروہ میں ایک محفوظ مقام ملا۔ مگر اس کے دِل میں کوئی مسرت نہ تھی۔ اور وُہ ان لوگوں سے نفرت کرنے لگا جو صرف قتل و غارت، ظلم اور موت جانتے تھے۔ اِن قزاقوں میں اور اُن سادہ لوح کسانوں میں زمین آسمان کا فرق تھا جن کے ساتھ اس نے بچپن گزارا تھا۔ یہ لوگ کسی خُدا پہ ایمان نہیں رکھتے تھے، حتیٰ کہ سمندر کے یونانی دیوتا کو بھی نہیں مانتے تھے۔ گوکہ خدا پہ اس کا اپنا عقیدہ بھی ڈھلملایا گیا تھا مگر اس کی زندگی کے بہترین سال اُن لوگوں کے ساتھ گزرے تھے جو خدا کو مانتے تھے۔ جب وہ کسی ساحل پر یلغار کرتے تھے تو ان کا کام قتل کرنا، آگ لگانا اور عصمت دَری کرنا ہوتا تھا۔

یہی وہ وقت تھا جب اُس نے اپنے گرد ایک مضبوط دیوار کھڑی کردی۔ اور اس دیوار کے اندر وہ رہنے لگا۔ اس کی سبز آنکھوں اور شکرے جیسی ناک والے چہرے سے جوانی کی نشانیاں معدوم ہوگئیں۔ اسے اٹھارہ برس کی عمر میں اس گروہ میں شامل کیا گیا تھا مگر اس کی شکل ایسی بنی جس کی کوئی عمر نہ ہو۔ اُس کے سَر کے اُوپر کالے چھتے میں پہلے ہی سفید تاریں چمکنے لگیں۔ وہ اپنے آپ میں چھپ گیا اور کبھی کبھی تو پُورے ہفتے تک ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالتا تھا۔ انہوں نے اُسے نہ چھیڑا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ کس طرح لڑسکتا ہے۔ وُہ اس سے خوف کھاتے تھے۔

وہ ایک خواب پہ زندہ تھا۔ وہ خواب اس کے لئے بقا تھا، شراب تھا۔ یہ کہ کسی نہ کسی دن، جلد یا بدیر، وہ فلسطین کے ساحلوں پر قیام کریں گے اور تب وہ کھسک جائے گا، تیر کر ساحل تک پہنچ جائے گا اور پیدل چل کر اپنے محبُوب وطن گیلیلی پہنچ جائے گا۔ مگر تین سال گزر گئے اور وہ دن نہ آیا۔ پہلے انہوں نے افریقی ساحل پر حملہ کردیا اور پھر سمندر پار اٹلی کے ساحلوں پر۔ وُہ سپین کے ساحل پہ ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے رومن محل جلا ڈالے، دولت اور عورتیں لُوٹ لیں۔ پھر انہوں نے دوبارہ سمندر پار کیا۔ اور ایک پُورا موسم سرما انہوں نے ہرکولس کے ستونوں کے قریب فصیلوں والے شہر میں گزار دیا۔ پھر انہوں نے جبرالٹر پار کیا اور برطانیہ آئے۔ وہاں انہوں نے اپنا جہاز ساحل پہ لگادیا، اس کی صفائی اور مرمت کرائی۔ پھر وہ آئرلینڈ چلے گئے جہاں انہوں نے قبائلیوں کے ساتھ سونے کے زیورات کے عوض کپڑے اور اشیائے ضرورت کی دوسری چیزیں بدل لیں۔ پھر گال گئے اور فرانس کے ساحلوں کی خبر لیتے رہے۔ پھر وہ واپس افریقہ آئے۔ اس طرح تین سال گزر گئے اور اس کے آبائی وطن کے ساحل نہ آئے۔ مگر خواب اور اُمید اس کے ساتھ رہے۔

اس دوران اس نے بہت کچھ سیکھا۔ اس نے سیکھا کہ سمندر ایک سڑک ہوتا ہے۔ جس پر زندگی تیرتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح جسم میں خون تیرتا ہے۔ اس نے سیکھا کہ دُنیا بڑی اور وسیع ہے اور اس نے یہ بھی سیکھا کہ کوئی جہاں بھی جائے، وہاں اس کے اپنے لوگوں جیسے غریب اور سادہ لوگ موجود ہوتے ہیں۔ جو اپنے اور بچوں کے گزارے کے لئے زمین کی کھجلی کرتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ زمین سے جو حاصل ہو، اس کا زیادہ تر حصّہ کسی بادشاہ، سردار یا قزاق کے حوالے کردیں۔ اور اس نے یہ بھی دیکھا کہ دُنیا کی تمام طاقتوں کے اُوپر ایک سردار، بادشاہ یا قزاق ہوتا ہے اور اس کا نام رُوم ہے۔

اور پھر آخر میں ان کو ایک رومن جنگی جہاز نے مغلوب کردیا۔ اسے عملہ کے چودہ افراد کے ساتھ پھانسی دینے کی غرض سے ''اوسٹیا'' لے جایا گیا۔ اس طرح زندگی کے اس چھوٹے سے پیالے کی ریت ختم ہونے لگی مگر بالآخر باتیاتس کا ایک ایجنٹ اسے کاپوآ کے سکول کے لئے خرید لایا.....

یہ تھا گلیڈیئیٹر کی زندگی کے دوسرے حصّے کا طرز۔ یہ تھا جاننے اور نفرت کرنے کا عہد۔ یہ دور کاپوآ میں مکمل ہوا۔ وہاں اس نے تمدن کی آخری ''شائستگی'' سیکھی۔ وہ شائستگی تھی رومن بے کاروں کی

تفریح اور باتیاتس کو امیر تر بنانے کے لئے لوگوں کو ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے کی تربیت و ترغیب۔ وہ گلیڈ یئٹر بنا۔ اس کے بال کھوپڑی تک تراش دیئے گئے۔ اسے ہاتھ میں چاقو دے کر اکھاڑے میں اتارا گیا۔ وہ جن سے نفرت کرتا تھا، انہیں قتل کرنے کی بجائے وہ ان لوگوں کو قتل کرنے لگا جو اس کے اپنے تھے، غلام اور دھتکارے ہوئے لوگ تھے۔

یہیں پر علم کو نفرت سے ملا دیا گیا۔ وہ نفرت کا برتن بن گیا اور یہ برتن روز بروز بھرتا گیا۔ وہ اپنی کوٹھڑی کی مایوسی اور خفتیدہ ننگے پن میں اکیلا رہتا تھا۔ وہ اپنے اندر بند ہو کر رہ گیا۔ اسے اب دیوتا پر کوئی ایمان نہیں تھا اور جب وہ اپنے باپ کے دیوتا کے بارے میں سوچتا تو ہمیشہ اس کے خلاف نفرت اور بے عزتی اس کے دل میں موجزن ہو جاتی۔ اس نے ایک بار خود سے کہا تھا۔

''میں پہاڑوں کے اس حرامی بڈھے سے مقابلہ کرنے کے لئے کسی بھی اکھاڑے میں جانے کو تیار ہوں۔ میں اس سے سارے آنسوؤں کا حساب چکا دوں گا، انسان کے ساتھ کئے ہوئے اس کے سارے وعدوں کا حساب چکا دوں گا۔ اُس کے ہاتھ میں اُس کی گرج چمک دے دو اور میرے ہاتھ میں میرا چاقو۔ میں اُسے غضب اور قہر کے بارے میں سب کچھ سکھا دوں گا''۔

اس نے ایک بار خواب دیکھا۔ اس خواب میں وہ دیوتا کے تخت پہ کھڑا تھا۔ مگر خوف زدہ بالکل نہ تھا۔ ''تم میرا کیا بگاڑو گے؟''۔ وہ چیخا ''میں اکیس برس تک جیا ہوں۔ اور جو کچھ میرے ساتھ دُنیا نے کیا، تم اس سے زیادہ کیا کر سکتے ہو؟ مَیں نے اپنے باپ کو صلیب پر لٹکتے دیکھا ہے۔ میں کورموش کی طرح معدنی کانوں میں مشقت کرتا رہا۔ دو سال میں نے کانوں میں گزارے اور ایک سال تک مَیں قزاقوں کے بحری جہاز کی گندگی اور بدبُو میں چوہوں کے ساتھ رہا۔ تین سال تک میں چور اور ڈاکو بن کر اپنے وطن جانے کے خواب دیکھتا رہا اور اب میں کرائے پر آدمی قتل کرتا ہوں۔ جہنم میں جاؤ۔ تم میرا کیا بگاڑو گے؟''

اپنی زندگی کے دوسرے دَور میں وہ کرائے کا قاتل بن گیا تھا۔ اسی دَور میں ایک تھریشین غلام کاپوآ کے سکول میں لایا گیا۔ وہ عجیب شخص تھا۔ نرم گفتار، شکستہ ناک اور گہری کالی آنکھیں۔ یہ سپارٹیکس تھا۔

6

ایک بار ایک رومن غلام کو صلیب پر چڑھا دیا گیا تھا۔ جب صلیب پہ لٹکے ہوئے اسے چوبیس گھنٹے ہو گئے تو بادشاہ نے اسے معاف کر دیا۔ اور وہ موت سے بالآخر بچ گیا۔ صلیب پہ اس پر جو بیتا، اس نے لکھ دیا۔ اس کی تحریر کی سب سے اہم بات وقت کے بارے میں تھی۔ اس نے لکھا: ''صلیب پر صرف دو چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک درد، دوسرا الابد (وقت کا دوام)۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں صرف بیس گھنٹے تک صلیب پر رہا، مگر میں تو اس وقت سے صلیب پر تھا جب یہ دنیا ابھی پیدا بھی نہ ہوئی تھی۔ اگر وقت نہ ہو تو ہر لمحہ 'ہمیش' ہوتا ہے۔''

اس مخصوص درد آلود ''ہمیش'' میں گلیڈ یئٹر کا دماغ ناکارہ ہو گیا اور اس کی منظّم و مربوط دلیل ختم ہو گئی۔ یادداشت واہمہ بن گئی۔ وہ پھر زندہ ہو گیا تھا۔ اس نے دوبارہ پہلی مرتبہ سپارٹیکس سے گفتگو کی۔

وہ سپارٹیکس کی طرف دیکھتا ہے، وہ اسے غور سے دیکھتا ہے۔ وہ ایک بلّی ہے اور اس کی سبز آنکھیں بلّی سے مشابہ ہیں۔ جس طرح بلّی ایک مستقل کشیدگی کی فضا میں چلتی ہے، اسی طرح یہ گلیڈ یئٹر چلتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اگر آپ اُسے ہوا میں پھینک دیں تو وہ آرام سے اپنے دونوں پاؤں پر کھڑا ہو گا۔ وہ کسی کی طرف براہ راست کبھی نہیں دیکھتا بلکہ اس کے برعکس وہ کنکھیوں سے دیکھتا ہے۔ وہ سپارٹیکس کو بھی اسی انداز سے دیکھتا ہے۔ وہ خود سے یہ وضاحت بھی نہیں کر سکتا کہ سپارٹیکس میں کیا کمال ہے کہ وہ اس حد تک اس کے حواس پہ چھایا ہوتا ہے۔ یہ کوئی جادو نہیں ہے۔ وہ خود سراپا کچھا ہوا شخص ہے اور سپارٹیکس مجسم طور پر کُھلا ڈُلا آدمی ہے۔ وہ خود کسی سے کوئی بات نہیں کرتا، سپارٹیکس سب سے باتیں کرتا ہے۔ وہ سب سپارٹیکس کے پاس آتے ہیں اور اُس سے اپنی تکالیف بیان کرتے ہیں۔ سپارٹیکس گلیڈ یئٹروں کے اس سکول میں ایک مخصوص بیج بو رہا ہے۔ سپارٹیکس اسے تباہ کر رہا ہے۔

ماسوائے اُس کے باقی سب لوگ سپارٹیکس کے پاس آتے ہیں۔ سپارٹیکس اس بارے

میں حیران ہوتا ہے۔ پھر ایک روز ڈرل کے درمیانی وقفے کے دوران وہ یہودی کے پاس چلا آتا ہے اور اس سے باتیں کرتا ہے۔

''کیا تم یونانی بولتے ہو؟'' وہ اس سے پوچھتا ہے۔

سبز آنکھیں حرکت کئے بنا اس کی طرف دیکھتی ہیں۔ اچانک سپارٹیکس کو احساس ہوتا ہے کہ یہ تو بہت کم عمر شخص ہے۔ وہ ایک لڑکے سے ذرا سا بڑا ہے۔ یہ شخص ایک نقاب کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ وہ اصل آدمی کو نہیں بلکہ نقاب کو دیکھ رہا ہے۔

یہودی اپنے آپ سے کہتا ہے: ''یونانی؟۔ کیا میں یونانی بولتا ہوں؟ میرا خیال ہے کہ میں تو ساری زبانیں جانتا ہوں۔ عبرانی، ارامائیک، یونانی، لاطینی اور دنیا کے دیگر حصوں میں بولی جانے والی دیگر بہت سی زبانیں۔ مگر مجھے کسی بھی زبان میں بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ضرورت ہے مجھے؟۔''

بہت نرمی سے سپارٹیکس اس پہ زور دیتا ہے: ''ایک لفظ میری طرف سے اور ایک تمہاری طرف سے۔ ہم تنہا نہیں ہیں۔ ہم تو عوام الناس ہیں۔ مصیبت تو اُس وقت ہوتی ہے جب آدمی تنہا ہو۔ تنہائی واقعی ایک عذاب ہے۔ مگر ہم تنہا نہیں ہیں، اس پہ شرمندہ کیوں ہوں؟ کیا یہاں آنے کی کوشش ہم نے کی؟ ہم نے یہاں آنے کی نہ تو کوشش کی، نہ خواہش۔ اور نہ ہم نے کوئی ایسا جرم کیا کہ ہم یہاں لائے جاتے۔ خوفناک فعل تو انہوں نے کیا جنہوں نے ہمارے ہاتھوں میں چاقو پکڑا کر رومنوں کی مسرت کی خاطر قتل کرنے کو کہا۔ اس لئے ہمیں نہ تو ایک دوسرے سے شرمندہ ہونا چاہیئے اور نہ آپس میں نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے پاس تھوڑی سی قوت ہوتی ہے، تھوڑی سی اُمید ہوتی ہے اور تھوڑی سی محبت۔ یہ خاصیتیں ایسے بیج ہیں جو تمام انسانوں میں بو دیئے گئے ہیں۔ مگر اگر وہ انہیں اپنے آپ تک رکھتا ہے تو بیج گل سڑ کر جلد مر جاتے ہیں۔ اور پھر اس بے چارے انسان کا خدا ہی حافظ ہے۔ اُس لئے کہ اُس کے پاس کچھ بھی تو نہیں رہ جاتا۔ اس کے برعکس اگر وہ اپنی توانائی، امید اور محبت دوسروں کو دیتا ہے تو یہ بے پناہ ذخیرہ کبھی ختم ہوتا ہی نہیں۔ وہ اُن چیزوں سے کبھی بھی محروم نہیں رہ سکتا۔ پھر زندگی اس قابل بن جاتی ہے کہ اُسے گزارا جائے۔ اور یقین

کرو گلیڈیئٹر! زندگی دنیا کی بہترین نعمت ہے۔ ہمیں پتہ ہے کہ ہم غلام ہیں اور ہمارے پاس یہی ایک اثاثہ موجود ہوتا ہے۔ اس لئے ہم جانتے ہیں کہ اس کی قدر و قیمت کیا ہے۔ رومنوں کے پاس چونکہ اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں، اس لئے زندگی اُن کے لئے اتنی اہمیت نہیں رکھتی۔ وہ تو اُس سے کھیلتے ہیں۔ مگر ہم زندگی کو سنجیدگی سے لیتے ہیں اور اسی لئے ہمیں خود کو کبھی تنہا نہ کرنا چاہیئے۔ تم بہت زیادہ تنہا ہو گلیڈیئٹر! میرے ساتھ تھوڑی دیر باتیں کرو۔''

مگر یہودی کچھ نہیں بولتا۔ اس کا چہرہ اور اس کی آنکھیں بالکل تبدیل نہیں ہوتیں۔ پھر بھی وہ سنتا ہے۔ وہ خاموشی اور توجہ سے سنتا ہے۔ پھر وہ مڑا اور چلا گیا۔ مگر چند قدم چل کر وہ رُک گیا، اپنی گردن تھوڑی گھمالی اور کنکھیوں سے سپارٹیکس کو دیکھا۔ سپارٹیکس کو یوں لگتا ہے جیسے اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی چیز ہے جو پہلے نہ تھی۔ شاید ایک چنگاری، ایک غرض، اُمید کی ایک کرن.... ہوسکتا ہے!۔

یہ اُس کی زندگی کے چار ادوار میں سے تیسرے دور کی شروعات کا وقت تھا۔ اُس دور کو اُمید کا دور کہا جاسکتا ہے۔ یہی وہ دور ہے جب اس کی نفرت ختم ہوگئی اور اسے اپنے ہم نسلوں کے بارے میں عظیم محبت اور ساتھی گیری کے عظیم احساس کا علم ہوا۔ یہ سب یک دم اور اچانک نہ ہوا تھا۔ بلکہ دھیرے دھیرے اس نے ایک دوسرے انسان پہ اعتماد کرنا سیکھا اور اُس انسان کی توسط سے زندگی سے پیار کرنا سیکھا۔ یہ انسان سپارٹیکس تھا جس نے شروع ہی سے اس کے روح پہ قبضہ کرلیا تھا۔ سپارٹیکس نے جس خوبی کے ذریعے اس کی روح پر قبضہ کیا تھا وہ خوبی تھی، زندگی سے تھریشین کی محبت۔ سپارٹیکس زندگانی کا پاسبان تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ سپارٹیکس اور زندگی کے درمیان کوئی سمجھوتہ موجود ہو۔

ڈیوڈ یہودی نے سپارٹیکس کے پیچھے چلنا شروع کیا۔ ایسا اُس نے دکھاوے کی خاطر نہیں کیا بلکہ اس نے لوگوں سے خفیہ رکھ کر اس کا پیچھا کرنا شروع کردیا۔ جب بھی موقع ملتا اور جب بھی اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہوتا، وہ سپارٹیکس کے قریب جاتا۔ اُس کی سماعت لومڑی کی طرح زبردست تھی۔ وہ سپارٹیکس کی باتیں غور سے سنتا، انہیں اپنے اندر جذب کرلیتا۔ پھر انہیں اپنے آپ سے دہراتا۔ وہ

اِن باتوں کے مطلب سیکھنے کی کوشش کرتا۔ اور اس سارے عرصے میں اس کے اندر کچھ ہو رہا تھا۔ وہ تبدیل ہو رہا تھا۔ وہ پھل پھول رہا تھا۔ اِسی طرح کی کچھ تبدیلی، اِسی طرح کی نشوونما سکول کے ہر گلیڈئیٹر میں پیدا ہو رہی تھی۔ مگر ڈیوڈ کے تئیں یہ عمل صرف اُسی کے اندر ہو رہا تھا۔ وہ ایک ایسی جگہ سے آیا تھا جہاں کے لوگ بہت خدا پرست تھے۔ جب اس نے دیوتا کو نکال دیا تو اس کی زندگی میں ایک خلا سا رہ گیا۔ اب وہ اس خلا کو انسان سے پُر کر رہا تھا۔ وہ انسان سے محبت کرنا سیکھ رہا تھا۔ وہ انسان کی عظمت کے بارے میں سیکھ رہا تھا۔ اس نے ایسا کرنا چاہا نہ تھا مگر ایسا ہو رہا تھا۔ نہ صرف اس میں بلکہ دوسرے تمام گلیڈئیٹروں میں بھی۔

یہ ایک ایسی چیز نہیں تھی جس کے گرد باتیاتس یا روم کے سینیٹروں کی عقل و دانائی گھیرا ڈال سکتے۔ اُن کے نزدیک تو بغاوت کسی سوجھ بوجھ کے بغیر اچانک ہی بھڑک اُٹھی تھی۔ اس بغاوت کے بارے میں کوئی تیاری یا منصوبہ بندی اُن کے علم میں نہ آئی اور انہوں نے اسی طرح اپنی بات درج کر لی۔ اُن کے پاس اندراج کا اور کوئی طریقہ تھا ہی نہیں۔

مگر بغاوت کی کونپل تو موجود تھی، باریک، نازک اور بڑھتی ہوئی کونپل۔ ڈیوڈ کو وہ وقت کبھی نہیں بھولا جب اُس نے پہلی بار سپارٹیکس کو یونانی بہادر ''اوڈی سی اس'' کے متعلق عوامی گیت گنگناتے سنا تھا۔ یہ ایک بہادر انسان کی داستان کا ایک نیا اور دلفریب ساز تھا جس پہ بہت مشکلات اور تکالیف آئیں مگر جسے کبھی بھی شکست نہ دیا جا سکا تھا۔ اس نغمے کے اشعار وہ آسانی سے سمجھ سکتا تھا۔ وہ اس ہیجان انگیز درد کو تو خود جانتا تھا جو کسی کو اپنے محبوب وطن سے زبردستی گھسیٹ کر دور لے جانے پر ہوتا ہے۔ وہ من موجی مقدر کے تماشوں کو تو خود جانتا تھا۔ وہ گیلیلی کی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ جس کے ہونٹ گلِ لالہ کی طرح سُرخ تھے اور جس کے گال بُلبُل کے پروں کی طرح نرم تھے۔ اس کا دل اُس لڑکی کے لئے خون روتا تھا، اس لئے کہ وہ اس کے لئے ناقابلِ حصول تھی۔ مگر یہ گیت کیسا تھا۔ اور یہ کتنی عمدہ بات تھی کہ ایک غلام کو جو خود ایک غلام کا بیٹا تھا اور جس نے ایک بار بھی آزادی نہ دیکھی تھی، اُس پاک داستان کے نغمے کا ہر مصرع زبانی یاد تھا! بھلا سپارٹیکس جیسا کوئی اور انسان ہو سکتا ہے! بھلا ایسا کوئی اور انسان ہو سکتا ہے جو اس قدر ملائم ہو، اس قدر صابر ہو اور جو غصے سے اِس قدر نابلد ہو۔

اس نے اپنے دل میں سپارٹیکس کو یونانی ہیرو اوڈی سی ئیس کا بدل بنا دیا۔ اُس اوڈی سی ئیس کا بدل جو صابر تھا، زیرک تھا۔ وہ دونوں کو ایک جیسا سمجھتا تھا۔ اِس کم عمری میں اُسے سپارٹیکس کی شکل میں اپنا ہیرو ملا۔ اسے زندگی گزارنے کا ڈھنگ سپارٹیکس سے ملا۔ پہلے پہل اُسے اپنے اندر اِس تبدیلی کا اعتبار نہ تھا۔ اس نے اپنے آپ سے کئی بار کہہ رکھا تھا کہ کسی آدمی پر اعتبار نہ کرو۔ اُس نے اس بات کا انتظار کیا کہ شاید سپارٹیکس خود سپارٹیکس سے کمتر ثابت ہو۔ مگر آہستہ آہستہ اُسے احساس ہو گیا کہ سپارٹیکس کبھی بھی سپارٹیکس سے کمتر نہیں ہو گا۔

روم سے آئے ہوئے دو معطر ہم جنس پرستوں کی ترنگ کو مطمئن کرنے کے لئے چار گلیڈئیٹروں میں وہ بھی تھا۔ جب اُسے پتہ چلا کہ موت تک لڑنے والے ان جوڑوں میں اس کا نام بھی شامل ہے تو اس کے اندر ایک ایسی کشمکش شروع ہوئی جو اس نے زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ یہ ایک نئی کشمکش تھی۔ اور جب اس نے اس کش مکش پر فتح پالی تو اس نے پہلی بار حقیقی طور پر اپنے گرد لپیٹے ہوئے غلاف کو پھاڑ ڈالا۔ آج اس صلیب پر ٹنگے ہوئے وہ وہی جدوجہد کر رہا تھا۔ وہ آج پھر اپنے آپ سے لڑ رہا تھا۔ آج پھر صلیب پہ پیاس سے جھلسے ہوئے اُس کے لبوں سے درد بھرے وہی الفاظ نکل رہے تھے جو ٹھیک چار برس قبل اس نے اپنے آپ سے کہے تھے۔

(وہ اپنے آپ سے کہتا ہے کہ میں دنیا کا بدقسمت ترین شخص ہوں۔ اس لئے کہ میں اُس شخص کے قتل کے لئے چُنا گیا ہوں جسے میں دنیا میں سب سے زیادہ پیار کرتا ہوں۔ یہ تقدیر بھی کیا کیا ظلم کرتی ہے۔ مگر دیوتا' دیوتاؤں یا اُس جیسی کسی چیز سے توقع بھی یہی کی جا سکتی ہے۔ اُن کا سوائے انسان کو دکھ پہنچانے کے اور کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔ یہ دیوتا ان معطر سئور رومنوں کی طرح ہیں جو اس انتظار میں اکھاڑے میں آ کر بیٹھتے ہیں کہ کب ایک انسان کی آنتڑیاں ریت پر اُبل پڑیں گی۔ خوب۔ تو اس بار میں اُن کا دل خوش نہیں کروں گا۔ وہ اس بار جوڑوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ کر خوشیاں اُڑانے سے بے نصیب رہیں گے۔ وہ کتنے لعنتی اور بدکردار لوگ ہیں جنہیں کسی اور نظارے سے اطمینان ہی نہیں ہوتا۔ وہ مجھے قتل ہوتا تو دیکھ لیں گے مگر آج مجھ سے قتل کروا نہ سکیں گے۔ میں سپارٹیکس سے نہیں

لڑوں گا۔ میں اپنے بھائی کو قتل نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں۔

مگر پھر کیا ہوا؟ پہلے میری زندگی میں پاگل پن تھا۔ پھر زندگی نے اس پاگل پن کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ سپارٹیکس نے مجھے کیا دیا؟ اس نے مجھے زندگی کی اہم ترین چیز دی۔ اس نے مجھے زندگی کا راز دیا۔ اور زندگی کا راز خود زندگی ہوتی ہے۔ ہر شخص طرفدار ہوتا ہے۔ آپ یا تو زندگی کے طرفدار ہیں یا موت کے طرفدار۔ سپارٹیکس زندگی کا طرفدار ہے اور اس لئے اگر اُسے مجھ سے لڑنا پڑے تو وہ لڑے گا۔ وہ یونہی نہیں مرے گا۔ وہ انہیں اِس بات کی قطعاً اجازت نہیں دے گا کہ وہ ایک لفظ کہے بغیر، ایک مکا رسید کئے بغیر اسے مار دیں۔ تو پھر یہی کچھ مجھے بھی کرنا چاہیئے۔ مجھے سپارٹیکس سے لڑنا چاہیئے اور ہمارے درمیان فیصلہ خود زندگی کرے گی۔ آہ۔ یہ کتنا تکلیف دہ فیصلہ ہے۔ کیا اِس جتنا بدقسمت شخص کوئی اور ہوگا؟ مگر یہی ہونا ہے۔ اسی طرح ہی ہونا ہے۔)

وہ بار بار اپنے فیصلے پر غور کر رہا تھا، اب اسے یہ ہوش نہ تھا کہ وہ ایک صلیب پر مر رہا ہے۔ تقدیر اس پہ مہربان ہوئی تھی کہ اسے سپارٹیکس سے لڑنا نہیں پڑا تھا۔ درد سے تباہ شدہ اس کا دماغ ماضی کی یادوں کی ٹکڑیاں جوڑ رہا تھا۔ بالآخر ماضی بڑھتا گیا۔ ایک بار گلیڈیٹرز نے میس کے ہال میں اپنے تربیت دینے والوں کو قتل کر دیا۔ ایک بار پھر وہ چاقو لے کر فوجیوں سے لڑے۔ ایک بار پھر وہ دیہاتی علاقے میں سے گزرے اور کھیتوں میں سے غلام جوق در جوق ان سے آن ملے۔ اور ایک بار پھر انہوں نے شہری دستوں پر شب خون مارا تھا، انہیں مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا اور ان کے ہتھیار لے لئے۔ یہ سب کچھ وہ ایک بار پھر دیکھ رہا تھا۔

''سپارٹیکس۔ سپارٹیکس؟'' وہ کہتا ہے۔ غلام ایک مکمل فوج ہیں۔ وہ ایک فوج لگتے ہیں۔ ان کے پاس دس ہزار رومنوں کے ہتھیار ہیں۔ انہیں پانچ پانچ سو کی ٹکڑیوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ان کا شبینہ کیمپ لکڑی کے فصیل میں ہے۔ اس قلعے کے گرد خندق کُھدی ہے۔ وہ رومنوں کے نیزوں کے ساتھ گھنٹوں تک مشق کرتے ہیں۔ ان کا خوف، دہشت اور شہرت دنیا بھر میں پھیل چکی تھی۔ غلام کی ہر جھونپڑی میں، غلاموں کی ہر بیرک میں سرگوشیوں میں ایک ہی نام پکارا جا رہا تھا، سپارٹیکس۔ وہ سپارٹیکس جس نے دنیا کو آگ لگا دی تھی۔ ہاں، اس نے پوری دنیا کو آگ

لگا دی۔ اُس کے پاس عظیم ترین فوج ہے۔ جلد ہی وہ روم پر چڑھائی کر دے گا اور روم کی دیواروں کو چیر پھاڑ کر گرا دے گا۔ وہ جہاں کہیں جاتا ہے، غلاموں کو آزاد کر دیتا ہے اور جن چیزوں پر وہ قبضہ کرتا ہے، وہ مشترکہ خزانے میں جاتی ہیں۔ یہی طریقہ پُرانے قبائلیوں میں ہوتا تھا۔ سب چیزیں قبیلے کے پاس ہوتی تھیں اور کوئی شخص دولت مند نہ تھا۔ اس کے سپاہیوں کے تن کے کپڑے، پاؤں کے جوتے اور ہتھیار ان کے اپنے ہوتے ہیں.....تو یہ ہے سپارٹیکس۔

(وہ پکارتا ہے ''سپارٹیکس؟''

آہستہ آہستہ ڈیوڈ یہودی کی بول چال لوٹ آئی۔ وہ آہستگی سے اور رُک رُک کر بولتا ہے۔ اب وہ غلاموں کے لیڈر سے کہتا ہے۔

(''سپارٹیکس۔ میں اچھا لڑاکا ہوں ناں؟''

(''ہاں۔ بہت اچھا۔ تم بہت اچھا لڑتے ہو۔ سب سے بہتر۔''

(''اور میں بزدل بھی نہیں ہوں۔ ہیں ناں؟''

(''یہ میں بہت عرصے سے جانتا ہوں۔ ایسا گلیڈیٹر کہاں ہوگا جو بزدل ہو؟'' سپارٹیکس کہتا ہے۔

(''اور میں نے کسی لڑائی میں پیٹھ نہیں دکھائی۔''

(''کبھی نہیں''۔

(''اور جب میرا کان کٹ گیا تھا تو میں نے دانت بھینچ لئے مگر درد سے چیخا نہیں تھا۔''

(''درد کے دوران چیخ نکل جانا کوئی بزدلی نہیں ہے''۔ سپارٹیکس کہتا ہے ''میں کئی مضبوط لوگوں کو جانتا ہوں جو درد کے ہاتھوں چیختے ہیں۔ میں کئی مضبوط آدمیوں کو جانتا ہوں جو تلخی سے لبریز ہو کر روتے ہیں۔ یہ کوئی بے عزتی کی بات نہیں ہے۔

(''مگر میں اور تم نہیں روتے۔ سپارٹیکس، ایک روز میں تمہاری طرح کا شخص بن جاؤں گا۔''

(''تم مجھ سے بہتر بن جاؤ گے۔ تم مجھ سے اچھے لڑاکا ہو۔''

(''نہیں۔ میں تمہارے نصف تک بھی نہ پہنچ سکوں گا۔ مگر میرا خیال ہے کہ میں اچھا لڑتا ہوں۔ میں بہت چابک دست ہوں' ایک بلی کی طرح تیز۔ بلّی آنے والے وار کو دیکھ سکتی ہے۔ بلّی اپنے جلد سے دیکھ سکتی ہے۔ کبھی کبھی مجھے بھی ایسے ہی لگتا ہے۔ میں ہمیشہ آنے والے وار کو دیکھ لیتا ہوں۔ اس لئے آج میں تم سے ایک چیز مانگتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم جب بھی لڑنے جائیں تو میں ہمیشہ تمہارے پہلو میں موجود رہوں۔ اس سے تم محفوظ رہو گے۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ ہم اپنے لئے تو لڑ نہیں رہے۔ ہم تو پوری دنیا کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تم ہر لڑائی میں مجھے اپنے ساتھ رکھو۔''

(''میرے ساتھ کھڑے ہونے سے زیادہ اہم کام تمہیں کرنے ہیں۔ مجھے فوج کو کمان کرنے کے لئے لوگوں کی ضرورت ہے۔''

(''لوگوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ کیا میں بہت بڑی چیز مانگ رہا ہوں؟''

(''تم بہت کم مانگ رہے ہو ڈیوڈ، اور وہ بھی میرے لئے مانگ رہے ہو، اپنے لئے نہیں۔''

(''تو پھر ہاں کہہ دو''

(سپارٹیکس سر ہلاتا ہے۔

(''تمہیں کبھی نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔ میں تمہاری چوکیداری کروں گا۔ دن رات تمہاری حفاظت کروں گا۔'')

یوں وہ غلام راہنما کا دستِ راست بن گیا۔ اس نے ساری عمر صرف خوں ریزی' مشقت اور تشدد دیکھا تھا، اب سنہرا افق دیکھ رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ساری دنیا غلام تھی، اس لئے وہ جلد ہی ایک قوت بن جائیں گے جس کے سامنے کوئی طاقت کھڑی نہ ہو سکے گی۔ پھر قومیں غائب ہو جائیں گی، شہر غائب ہو جائیں گے اور ایک بار پھر سنہرا دور لوٹ کے آئے گا۔ ہر قوم کی قدیم داستانوں میں ایک سنہرا دور ہوتا ہے، جب انسان گناہ اور دکھ سے پاک ہوتے ہیں اور باہم پیار اور محبت سے رہتے ہیں۔ اس لئے جب سپارٹیکس اور اس کے غلام پوری دنیا کو فتح کر لیں گے تو وہ دور پھر لوٹ آئے گا۔ اُس وقت قومیں داد و تحسین کی آوازیں بلند کریں گی اور یہ صدائیں پوری کائنات میں ایک چنگھاڑ بن جائیں گی۔

اپنے تھکے ہوئے دماغ میں اب اسے وہ چنگھاڑ سنائی دی۔ اسے نسلِ انساں کی آواز کی پھولتی ہوئی چنگھاڑ سنائی دی، دف کی ایسی آواز جو پہاڑوں سے ٹکرا کر بازگشت بنا رہی تھی۔۔۔۔

(وہ اور ورینیا تنہا کھڑے ہیں۔ جب وہ ورینیا کی طرف دیکھتا ہے تو اس کے سامنے پوری کائنات ڈوب جاتی ہے۔ اور صرف یہی عورت رہ جاتی ہے جو سپارٹیکس کی بیوی ہے۔ ڈیوڈ کی نظر میں وہ دنیا کی حسین ترین اور سب سے زیادہ چاہے جانے والی عورت ہے۔ وہ ورینیا کو ٹوٹ کر چاہتا ہے۔ اس نے خود سے کئی بار کہا تھا۔

(تم کتنے غلیظ انسان ہو؟ کتنی گری ہوئی مخلوق ہو کہ سپارٹیکس کی بیوی سے پیار کرتے ہو۔ دنیا کی ہر نعمت تمہارے پاس ہے، اس لئے کہ سپارٹیکس کا اعتماد تمہیں حاصل ہے۔ تم کس طرح اس کا قرضہ چکاؤ گے؟ تم اس کی بیوی سے پیار کر کے اس کا قرضہ اتارو گے؟ تم کتنے گناہ گار ہو۔ کتنی بری بات ہے؟ گو کہ تم منہ سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتے ہو، گو کہ تم اُسے اپنا پیار دکھاتے نہیں ہو مگر پھر بھی انتہائی ذلالت کی بات ہے۔ اس کے علاوہ، محبت ہے بھی فضول چیز۔ ذرا اپنی شکل دیکھو۔ آئینے میں اپنی شکل دیکھو۔ چہرہ وحشی اور درشت' جیسے کہ شکرے کا چہرہ ہو۔ ایک کان غائب ہے، چہرہ زخموں کے نشانوں سے بھرا ہوا ہے۔

(اب ورینیا اُس سے کہتی ہے ''ڈیوڈ۔ تم کتنے عجیب لڑکے ہو۔ تم آئے کہاں سے ہو؟ کیا تمہارے لوگ بھی تمہاری طرح ہیں؟ تم بالکل لڑکے ہو مگر پھر بھی نہ کبھی مسکراتے ہو، نہ ہنستے ہو۔ یہ کیسی زندگی ہے؟''

(''ورینیا، مجھے لڑکا نہ کہو۔ میں نے ثابت کیا ہے کہ میں لڑکے سے بہر حال بڑھ کر ہوں''

(''اچھا؟ خوب۔ تم مجھے بیوقوف نہ بناؤ۔ تم بالکل لڑکے ہو۔ تمہارے ساتھ ایک لڑکی ہونی چاہیے۔ تمہیں اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر شام کو سیر کرنا چاہیے۔ اس کے بوسے لینے چاہئیں،

اس کے ساتھ ہنسنا گانا چاہیے۔کیا لڑکیاں کم ہیں یہاں؟''

(''مجھے بہت سے کام کرنے ہیں،اس چیز کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے''۔

(''محبت کے لئے وقت نہیں ہے؟ ڈیوڈ، یہ تم نے کیا کہہ دیا؟''

(''اگر کام میں دھیان نہ دیا جائے تو ہم کہاں کے رہ جائیں گے'' اس نے درشتی سے کہا'' تمہارے خیال میں فوج کی قیادت کرنا بچوں کا کھیل ہے؟ روزانہ ہزاروں لوگوں کے لئے خوراک کا بندوبست کرنا،لوگوں کو تربیت دینا آسان کام ہیں؟ ہمیں دنیا کا اہم ترین کام کرنا ہے اور تم چاہتی ہو کہ میں لڑکیوں سے آنکھ مٹکا کرتا پھروں۔ ہیں؟''

(''آنکھ مٹکا نہیں ڈیوڈ۔ میں چاہتی ہوں کہ تم ان سے پیار کرو''

(''پیار کے لئے میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔''

(''آہ۔اگر سپارٹیکس مجھ سے کہے کہ تمہارے لئے میرے پاس ٹائم نہیں تو میری کیا حالت ہوگی؟ میں اس وقت موت مانگوں گی۔ دنیا میں سب سے اہم کام انسان بننا ہے۔ایک سادہ، عام اور ہمدرد انسان بننے سے زیادہ اہم کام کوئی نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارے خیال میں سپارٹیکس عام انسان سے افضل ہے۔مگر یہ صحیح نہیں۔اگر وہ عام انسان سے افضل ہوتا تو وہ بالکل اچھا نہ ہوتا۔ پھر وہ ہرگز سپارٹیکس نہ ہوتا۔ میں اسے جانتی ہوں۔ جب ایک عورت کسی مرد سے پیار کرتی ہو تو وہ اس کے بارے میں بہت اچھی طرح جانتی ہے''۔

(وہ اپنی ساری قوت مجتمع کر کے پوچھتا ہے''تم اس سے محبت کرتی ہو۔ ہیں نا؟''

(''لڑکے تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں زندگی سے زیادہ اس سے پیار کرتی ہوں۔ اس کی خواہش پہ میں اپنی جان نچھاور کر دوں گی،مر جاؤں گی میں اس کے لئے''

(''میں اس کے لئے جان قربان کر دوں گا'' ڈیوڈ کہتا ہے۔

(''وہ اور بات ہے۔ میں کبھی کبھی تمہیں غور سے دیکھتی ہوں۔ بے شک تم اس سے بے پناہ پیار کرتے ہو۔مگر وہ پیارا اور ہے۔ میں اُس سے اس لئے محبت کرتی ہوں کہ وہ ایک مرد ہے۔کہ وہ ایک سادہ مرد ہے۔اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں۔ وہ سادہ اور شریف مرد ہے۔اس نے کبھی بھی

مجھ سے اُونچی آواز میں بات نہیں کی اور نہ کبھی مجھ پہ ہاتھ اُٹھایا۔ کچھ مرد ایسے ہیں جو اپنے لئے غم کرتے ہیں۔مگر سپارٹیکس کو اپنے لئے کوئی غم،کوئی پریشانی اور کوئی ترس نہیں۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے لئے غمگین رہتا ہے۔دوسروں کے لئے ہمدردی رکھتا ہے۔تم نے کیسے پوچھا کہ میں اس سے پیار کرتی ہوں یا نہیں۔کیا یہاں کے سب لوگ نہیں جانتے کہ میں اس سے بہت پیار کرتی ہوں؟'')

پس۔ بے انتہا تکلیف کی اس گھڑی میں اس آخری گلیڈیٹر کی یادیں صاف اور جامع تھیں۔مگر دیگر ساعتوں میں تو یہ یادداشت وحشی اور وہشت ناک تھی۔اس کی یادیں جنگ وجدل ،خون ،درد اور وحشی لوگوں کی بے قابو حرکات کا مجموعہ ہوتی تھیں۔ بغاوت کے پہلے دو برسوں میں کہیں نہ کہیں ان پہ یہ حقیقت منکشف ہو جاتی تھی کہ غلاموں کی انبوہ تعداد نہیں اُٹھے گی اور ان کے ساتھ نہ آئے گی۔ پھر وہ قوت کی معراج پر پہنچے تھے۔مگر روم کی قوت کی کوئی انتہا نہ تھی۔اُسے اس زمانے کی ایک لڑائی یاد آ گئی۔ وہ بہت بڑی لڑائی تھی۔ وہ اس لڑائی کی یادوں میں گم تھا اور کاپوآ کے تماشبینوں نے دیکھا کہ یہ مصلوب گلیڈیٹر درد کی وجہ سے کس طرح لوٹ پوٹ ہو رہا تھا اور کس طرح اس کے منہ سے سفید لعاب بہہ رہا تھا۔انہوں نے اس کے منہ سے نکلتی ہوئی آوازیں سنیں اور انہوں نے تبصرہ کیا۔

''اب اسے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔اس کا کام تمام ہو گیا''۔

(انہوں نے ایک پہاڑی پر پوزیشنیں سنبھالیں۔ان کی پیدل فوج پہاڑی پہ آدھے میل تک پھیل گئی۔ وہاں ایک خوبصورت وادی ہے جس کے درمیان میں ایک چھوٹا سا دریا بہتا ہے۔ دریا اتنا گہرا نہیں ہے۔ یہ چھوٹا سا خمدار دریا وادی کی گھاس میں دائیں بائیں مڑتا چلا جاتا ہے۔ بھاری تھنوں والی گائیں چپڑ چپڑ گھاس چر رہی ہیں۔ وادی کی دوسری جانب زمین کچھ ابھری ہوتی ہے۔ وہیں پر رومنوں نے پوزیشنیں سنبھال رکھی ہیں۔اس فوج کے مرکز میں سپارٹیکس نے اپنا کمانڈ پوسٹ قائم کر رکھا ہے۔ یہ مستولوں سے بنا ہوا ایک احاطہ ہے جہاں سے پورا علاقہ نظر آتا ہے۔ یہاں ایک کمانڈ پوسٹ کے لئے ضروری ہر چیز موجود ہے۔ایک سیکرٹری اپنے مختلف رنگوں والی جھنڈیوں کے ساتھ کھڑا ہے۔اور اس عظیم خیمے کے مرکز میں ایک لمبی میز ہے جس پہ میدانِ جنگ کا وسیع نقشہ تیار کیا

جارہا ہے۔

(یہ ہیں غلاموں کے طریقے جوانہوں نے دوسال کی تلخ مہمات کے دوران وضع کئے ہیں۔ جنگ کا لیڈر میز کے گرد کھڑا نقشہ دیکھ رہا ہے۔ وہ اپنے مخالف کی طاقت اور حجم کے بارے میں اطلاعات کی چھان پھٹک کر رہا ہے۔ میز کے گرد کل آٹھ افراد کھڑے ہیں۔ ایک سرے پر سپارٹیکس کھڑا ہے۔ اس کے ساتھ ڈیوڈ کھڑا ہے۔ سپارٹیکس کو اگر کوئی پہلی بار دیکھ رہا ہو تو وہ کہے گا کہ اس کی عمر کم از کم چالیس برس ہے۔ اس کے گھنگریالے بالوں میں سفیدی کی لکیریں ہیں۔ وہ پہلے کی بہ نسبت لاغر ہے۔ بے خوابی کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے گرد کالے حلقے پڑ گئے ہیں۔

(کوئی مبصر کہے گا کہ وقت' اُس تک آن پہنچ رہا ہے۔ ٹائم اُس کے کندھوں پر سوار ہو کر اسے دوڑا رہا ہے.....وہ ایک عظیم مبصر ہوگا اس لئے کہ کبھی کبھار' سالوں اور صدیوں کی بوری میں ایک شخص کُل عالم کو پکارتا ہے۔ اور پھر صدیاں گزرتی ہیں اور جوں جوں دنیا مڑتی ہے، اُس آدمی کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ تھوڑی دیر قبل یہ شخص محض ایک غلام تھا۔ اور اب کون ایسا آدمی ہے جو سپارٹیکس کا نام نہیں جانتا؟ مگر اس کے پاس ٹھہرنے اور یہ دیکھنے کے لئے وقت نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ اُس کے پاس تو پورے دوسال میں یہ وقت بھی نہ تھا کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کے ساتھ کیا کیا ہوا اور اس کے اندر کیا تبدیلی آئی؟ اب وہ پچاس ہزار افراد کی فوج کو کمان کر رہا تھا اور یہ فوج دنیا کی اب تک کی بہترین فوج تھی۔

(یہ وہ فوج ہے جو آزادی کے لئے لڑتی ہے۔ ماضی کی فوجیں بلامقصد ہوتی تھیں جو قوموں، شہروں، دولت، جائیداد، طاقت یا علاقے کنٹرول کرنے کی خاطر لڑتی تھیں۔ مگر یہاں ایک ایسی فوج تھی جو انسانی وقار اور آزادی کے لئے لڑتی ہے، ایک ایسی فوج جو کسی سرزمین اور کسی شہر کو اپنا نہیں کہتی اس لئے کہ اس فوج میں شامل لوگ سارے شہروں اور ساری سرزمینوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ایک ایسی فوج تھی جس کے سپاہی ''غلامی'' کا مشترک ورثہ رکھتے تھے اور اُن لوگوں کے خلاف مشترک نفرت رکھتے ہیں جو دوسرے انسانوں کو غلام بناتے ہیں۔ یہ ایک ایسی فوج ہے جو فتح پر تلی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اُن کے پاس پسپائی کی کوئی راہ نہیں، کوئی ایسی سرزمین نہیں جہاں

انہیں پناہ مل سکے۔ یہ لمحہ تاریخ کی تبدیل شدہ حرکت کا لمحہ ہے۔ ایک ابتدا، ایک ہلچل، بن الفاظ کی ایک سرگوشی، ایک شگون، روشنی کی ایک شعاع جو زمین ہلا ڈالنے والے گھن گرج اور اندھا کر دینے والی چمک کا پتہ دیتی ہے۔ یہ ایک ایسی فوج ہے جسے اچانک علم ہوا کہ وہ فتح جس پہ وہ تلی بیٹھی ہے، دُنیا کو تبدیل کر کے رکھ دے گی۔ لہٰذا یا اُسے دنیا کو بدل ڈالنا ہے یا پھر کوئی فتح حاصل ہی نہیں کرنی۔

(نقشے پہ جھکے ہوئے سپارٹیکس کے دماغ میں شاید یہ سوال اُبھرتا ہے کہ یہ فوج کس طرح وجود میں آئی۔ وہ اُن مٹھی بھر گلیڈیٹروں کے بارے میں سوچتا ہے جو باتیاتس کے سکول سے بھاگے تھے۔ وہ انہیں پھینکے گئے اس تیر کی مانند سمجھتا ہے جو زندگی کے سمندر کو حرکت میں لاتا ہے تاکہ غلام دنیا کی دائم خاموشی ایک دم پھٹ پڑے۔ وہ اِس بے انت جدوجہد کے بارے میں سوچتا ہے جس کی بدولت وہ لوگ غلاموں کی بجائے سپاہی بن گئے، اکٹھے کام کرنے لگے، اکٹھے سوچنے لگے۔

(اب لڑائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس کا دل خوف سے بھاری ہے۔ اس کا دل ہمیشہ لڑائی سے قبل بھاری رہتا ہے۔ پھر جب لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو اس خوف کا بڑا حصہ گزر جاتا ہے۔ مگر اس وقت وہ خوف زدہ ہے۔ وہ میز کے گرد کھڑے اپنے ساتھیوں کو دیکھتا ہے۔ ان کے چہرے کیوں خاموش ہیں؟ کیا وہ اس کے خوف میں شریک نہیں ہیں؟ وہ سرخ بالوں والے کرکس کی طرف دیکھتا ہے۔ اس کے دھبے دار سرخ چہرے پر چھوٹی نیلی آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں، اس کی لمبی زرد مونچھیں مڑ کر اس کی ٹھوڑی تک پہنچ گئی ہیں۔ او یہ گانیکس ہے، اس کا دوست اور قبائلی رشتے کے لحاظ سے اس کا بھائی۔ یہ ہے کاسٹس، فریکسس اور یہ ہے بڑے کندھوں والا افریقی، ناردو۔ یہ ہے شائستہ اور ہوشیار مصری موثار اور یہ ہے یہودی ڈیوڈ۔ ان میں سے کوئی بھی خوف زدہ نہیں۔ پھر وہ خود کیوں خوف زدہ ہے؟۔

(وہ اب اُن سے کہتا ہے ''میرے دوستو۔ ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ کیا ہم سارا دن یہاں کھڑے ہو کر وادی کے اُس پار فوج کے بارے میں اندازے لگاتے رہیں گے؟)

(''یہ بہت بڑی فوج ہے''۔ گانیکس کہتا ہے ''ہم نے اب تک جتنی فوجیں دیکھی ہیں یا ان سے لڑائی کی ہے، یہ فوج ان سب سے بڑی ہے۔ آپ انہیں گن نہیں سکتے۔ وہ ساتویں

اور آٹھویں دستے کو گال سے لائے ہیں۔ وہ تین دستے افریقہ سے اور دو سپین سے لائے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنی بڑی فوج نہیں دیکھی۔ وادی کے اس پار ستر ہزار افراد ہوں گے''۔

(کرکسس ہمیشہ خوف اور ڈھلمل کو رفع کرتا ہے۔ اگر کرکسس کے بس میں ہوتا تو وہ اب تک پوری دنیا کو فتح کر چکا ہوتا۔ اس کا صرف ایک ہی نعرہ ہوتا ہے' روم پر حملہ کرو۔ چوہوں کو مارنا اور ان کے گھونسلوں کو جلانا بند کرو۔ اب وہ کہتا ہے'' گانیکس۔ تم مجھے تھکا دو گے۔ جنگ کے وقت مخالف کے پاس ہمیشہ بڑی فوج ہوتی ہے اور جنگ ہمیشہ بُرا وقت ہوتی ہے۔ میں اُن کی پوری فوج کے عوض اپنے دو دھتکارے ہوئے آدمی بھی نہیں دوں گا۔ اگر فیصلہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں اُن پر حملہ کرتا۔ میں ابھی اسی وقت ان پر حملہ کرتا۔ میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہ کرتا''۔

(گانیکس وقت دینا چاہتا ہے۔ اس امید میں کہ ہوسکتا ہے رومن اپنی فوجیں تقسیم کر دیں۔'' وہ پہلے بھی ایسا کرتے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس دفعہ بھی اپنی فوج بانٹ دیں''۔

(''وہ ایسا نہیں کریں گے'' سپارٹیکس کہتا ہے'' مجھ سے قسم لے لو، وہ ایسا نہیں کریں گے۔ انہوں نے ہم سب کو یہیں دیکھ لیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم سب یہاں ہیں تو پھر وہ فوجیں کیوں بانٹیں گے؟''

(پھر موثار کہتا ہے'' میں کرکسس سے متفق ہوں۔ یہ ایک غیر معمولی مقابلہ ہے۔ وادی کے اُس پار بہت بڑی فوج ہے اور ہمیں جلد یا بدیر ان سے لڑنا ہوگا۔ اس لئے جتنی جلد ہو، اُتنا اچھا ہے۔ کیونکہ اگر انہیں وقت دیا جائے تو وہ بیٹھ کر سستا لیں گے اور کھانا کھائیں گے۔ جبکہ ہمارے پاس تھوڑی دیر کے بعد کھانے کو کچھ نہ ہوگا''۔

(''تمہارے خیال میں ان کی تعداد کیا ہوگی؟'' سپارٹیکس اس سے پوچھتا ہے۔

(''کم از کم ستر ہزار''۔

(سپارٹیکس اُداس ہو کر اپنا سر ہلاتا ہے'' یہ تو بہت بڑی تعداد ہے.....بہت بڑی تعداد ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اِسی جگہ پر اُن سے لڑنا ہوگا۔ وہ اپنی آواز کو نرم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا ہوتا ہے۔ وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ تین گھنٹے کے اندر اندر وہ رومن فوجوں پر حملہ کر دیں گے۔ مگر لڑائی اس سے پہلے شروع ہوئی۔ مختلف کمانڈر بہ مشکل اپنے دستوں تک پہنچ گئے کہ رومنوں نے ان کے مرکز پر حملہ کر دیا۔ یہ نہ تو پیچیدہ داؤ پیچ ہے اور نہ ہی اس میں مہارت کی کوئی بات۔ ایک دستے نے غلاموں کے مرکز پر حملہ کر دیا اور پھر روم کی پوری مہیب فوج اسی دستے کے پیچھے پیچھے فوجِ غلاماں کے کمان پوسٹ پر دھاوا بول دیتی ہے۔

(ڈیوڈ سپارٹیکس کے ساتھ رہتا ہے۔ ایک گھنٹے کے بعد کہیں وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ کمانڈ پوسٹ کے دفاع کو منظّم و مضبوط کر پاتے ہیں۔ لڑائی کا زور چونکہ انہی پر ہے اس لئے ہیبت ناک جنگ بھی یہیں پر ہو رہی ہے۔ احاطے کے پرخچے اڑ گئے۔ لڑائی سمندری موجوں کی طرح جاری ہے اور سپارٹیکس کے اردگرد گرد و غبار کے طوفان اُٹھ رہے تھے۔

(یہ جنگ ہے۔ اب ڈیوڈ کو پتہ چل گیا کہ وہ ایک جنگ لڑ رہا ہے۔ پہلی لڑائیاں تو محض جھڑپیں تھیں۔ سپارٹیکس اب ایک عظیم فوج کا کمانڈر نہیں بلکہ ایک عام آدمی ہے جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں ڈھال ہے۔ وہ ایک دیو کی طرح لڑ رہا ہوتا ہے۔ یہودی بھی اسی بہادری سے لڑ رہا ہے۔ وہ دونوں ایک چٹان ہیں اور جنگ ان کے گرد تلاطم خیز ہے۔ وہ تن تنہا ہیں اور اپنی زندگیاں بچانے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ پھر سینکڑوں ہزاروں آدمی ان کی مدد کو آتے ہیں۔ ڈیوڈ سپارٹیکس کی طرف دیکھتا ہے اور خون و پسینہ کے پیچھے تھریشین مسکرا دیتا ہے۔

(''کیا زبردست جنگ ہے ڈیوڈ۔ کیسی زبردست جنگ ہے''۔ سپارٹیکس چلا کر کہتا ہے۔

(ڈیوڈ کو اس کی بات اچھی لگتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ کیسا عجیب انسان ہے۔ دیکھو۔ جنگ سے کتنا پیار کرتا ہے۔ کتنی عمدگی سے لڑتا ہے.....بالکل شیر کی مانند.....وہ ان لوگوں کی طرح لڑتا ہے جن کے گیت وہ اکثر گنگناتا ہے۔

(ڈیوڈ کو یہ پتہ نہیں کہ وہ بھی اسی طرح لڑتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سپارٹیکس کو زخم لگنے سے قبل وہ خود مر جائے گا۔ وہ ایک انتھک بلّی کی طرح ہے۔ ایک بڑا اور جنگلی بلّا۔ اور اس کی تلوار ایک پنجہ ہے۔ وہ کبھی بھی سپارٹیکس سے جدا نہیں ہوتا۔ دیکھنے والا یہ سوچتا ہے کہ وہ سپارٹیکس سے جڑا ہوا ہے۔ وہ جنگ کو بہت کم دیکھتا ہے۔ وہ صرف وہی کچھ دیکھتا ہے جو کہ ٹھیک اس کے اور

سپارٹیکس کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے۔ یہی کافی ہے۔ رومن جانتے ہیں کہ سپارٹیکس یہیں ہے۔ وہ اپنا روایتی فوجی رقص بھول جاتے ہیں۔ وہ اپنے افسروں کے ہاتھوں مجبور ہو کر لڑائی میں شامل ہوتے ہیں تا کہ سپارٹیکس تک پہنچ سکیں، اسے گرفتار کر سکیں، اسے نیچے گرا سکیں، ہلاک کر سکیں اور اس کا سر کاٹ سکیں۔ وہ اتنے قریب ہیں کہ ڈیوڈ ان کی گندی شرم ناک گالیاں سُن سکتا ہے۔ جنگ کے شور میں اضافہ ہوتا ہے۔ مگر غلاموں کو بھی پتہ ہے کہ سپارٹیکس یہاں ہے اور وہ بھی اس کشمکش کے مرکز میں کود جاتے ہیں۔ وہ سپارٹیکس کا نام ایک علم کی طرح بلند کرتے ہیں اور سپارٹیکس کا نام پورے میدانِ جنگ میں ایک جھنڈے کی طرح لہراتا ہے۔ ''سپارٹیکس' سپارٹیکس'' کی صدائیں میلوں کے فاصلے سے بھی سنائی دیتی ہیں۔ اور اِس فصیل کشیدہ شہر سے پانچ میل دور بھی لوگ اس جنگ کی صدا سنتے ہیں۔

(لیکن ڈیوڈ غور کئے بغیر سن رہا ہے۔ وہ سوائے اس لڑائی کے اور سوائے اپنے عین سامنے کے مظاہر کے، اور کچھ نہیں جانتا۔ اس کی قوت جواب دے رہی ہے۔ ہونٹ خشک ہو رہے ہیں۔ جنگ خوفناک ترین شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اُسے اس بات کا پتہ نہیں کہ جنگ دو میل کے علاقے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اُسے اس بات کی بھی خبر نہیں ہے کہ کرکسس نے دو دستوں کو مار بھگایا ہے اور اب اُن کا پیچھا کر رہا ہے۔ اسے صرف اپنے بازوؤں، تلوار اور پہلو میں موجود سپارٹیکس کا علم ہے۔ جب تک کہ وہ نرم گھاس میں ٹخنوں تک نہیں دھنستا، اسے اس بات کا علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ لڑتے لڑتے نیچے وادی تک پہنچ گئے ہیں۔ پھر وہ دریا میں اترتے ہیں، لڑائی جاری رہتی ہے۔ وہ خون آلود رواں پانی میں لڑائی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ سورج ڈوب جاتا ہے اور آسمان سُرخ ہو جاتا ہے۔ یہ تلخ سلامی ہے اُن ہزاروں آدمیوں کو جو اپنی نفرت اور غصے سے وادی کو بھر دیتے ہیں۔ تاریکی میں لڑائی سست پڑ جاتی ہے لیکن مکمل طور پر رُکتی نہیں۔ چاند کی خنک چاندنی میں غلام خونی دریا میں بار بار غوطہ لگا رہے ہیں۔ وہ بار بار یہ خون آلود پانی پیتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ اسے پیتے نہیں تو مر جائیں گے۔

(صبح ہوتے ہوتے رومنوں کا حملہ ختم ہو جاتا ہے۔ اُن غلاموں جیسے لوگوں سے بھلا کون لڑ سکتا ہے۔ اِس چیز سے تو کوئی فرق پڑتا نہیں کہ ان کے کتنے آدمی ہلاک کر دیئے گئے۔ اُن کی جگہ لینے دوسرے انسانوں کی بجائے جانوروں کی طرح چیختے چلاتے ہوئے آتے ہیں۔ حتیٰ کہ اُس وقت بھی جب تلواروں نے اُن کی آنتڑیاں نکال دی ہوں اور وہ زمین پر ڈھیر ہو جائیں، اس وقت بھی وہ دشمن کی ٹانگوں پر اپنے دانت گاڑ دیتے ہیں اور پھر اپنی جان چھڑانے کے لئے اُن کا گلا کاٹنا پڑتا ہے۔ دوسرے لوگ سورج غروب ہونے پر جنگ بند کر دیتے ہیں مگر یہ غلام بلّیوں کی طرح اندھیرے میں لڑتے ہیں اور کبھی آرام نہیں کرتے۔

(اس طرح کی بات پر رومنوں میں خوف سرایت کر جاتا ہے۔ خوف کا یہ بیج بہت عرصے سے ان میں بو دیا گیا ہے۔ غلاموں سے خوف۔ اور اس خوف کے متعلق وہ بہت سی باتیں کرتے تھے۔ تم غلاموں کے ساتھ رہتے ہو مگر اُن پر اعتبار کبھی نہ کرو۔ وہ اندر بھی ہیں اور باہر بھی۔ وہ روز تم پہ مسکراتے ہیں مگر اس مسکراہٹ کے پیچھے اندھی نفرت موجود ہے۔ وہ صرف تمہیں قتل کرنے کے بارے میں سوچتے ہیں۔ وہ نفرت پر پل کر جوان ہوتے ہیں۔ وہ انتظار کرتے ہیں، انتظار کرتے ہیں اور انتظار کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ان کے پاس دو ایسی چیزیں ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ صبر اور یادداشت۔ یہ تھے وہ بیج جو رومنوں کے دلوں اور دماغوں میں اس وقت بو دیئے گئے تھے جب وہ محض سمجھنے کی عمر کے ہو گئے تھے۔ اور اب تو اس بیج کے پھل نکلے ہیں۔

(وہ تھکے ہوئے ہیں۔ ان میں اتنی سکت نہیں کہ وہ اپنی تلواریں اور ڈھال اُٹھا سکیں۔ مگر غلام تھکے ہوئے نہیں ہیں۔ دلیل کی حکمرانی جاری رہتی ہے۔ دس غلام یہاں سے آتے ہیں، سو وہاں سے۔ سو پھر ہزار بن جاتے ہیں، ہزار، دس ہزار اور دفعتاً ساری فوج میں خوف و ہراس پھیل جاتا ہے اور رومن ہتھیار ڈالنے لگ جاتے ہیں۔ ان کے افسر انہیں روکنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ اپنے افسروں کو قتل کر دیتے ہیں اور خوف سے چیختے چلاتے غلاموں کے پاس سے بھاگ جاتے ہیں۔ غلام پُرانا حساب چکانے ان کا پیچھا کرتے ہیں۔ تا آنکہ میدان دور دور تک رومنوں سے بھر جاتا ہے جو اوندھے پڑے ہوتے ہیں اور جن کی پیٹھ پر زخم ہوتے ہیں۔

(جب کرکسس اور دوسرے ساتھی سپارٹیکس کو تلاش کر لیتے ہیں تو وہ یہودی کے ساتھ ہوتا ہے۔ سپارٹیکس زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ وہ رومن لاشوں کے ساتھ لیٹا ہوا ہے اور یہودی ہاتھ میں تلوار لئے اس کے پاس کھڑا ہے۔ ''اسے سونے دو'' یہودی کہتا ہے ''یہ ایک عظیم فتح ہے۔ اُسے

سونے دو‘‘۔

(مگر اِس عظیم فتح میں دس ہزار غلام ہلاک ہوئے۔اور رومن فوجیں تو اور آئیں گی،اس سے بڑی فوجیں۔

7

جب یہ معلوم ہو گیا کہ گلیڈ ئیٹر مر رہا ہے تو اس کے متعلق لوگوں کی دلچسپی کم ہوگئی۔دسویں گھنٹے تک محض چند گنے چنے لوگ رہ گئے تھے۔ایسے خارش زدہ بھکاری اور لوفر لوگ جنہیں کاپوآ جیسے شہر میں سہ پہر کی مسرتیں بھی دھتکارتی تھیں۔یہ درست ہے کہ اُس وقت کاپوآ میں گھڑ دوڑ کا رواج نہ تھا مگر یہ تو یقینی بات تھی کہ کسی نہ کسی اکھاڑے میں کچھ نہ کچھ ضرور ہو رہا ہوگا۔چونکہ کاپوآ سیاحوں کے لئے مقبول تھا اس لئے اس کے دولت مندوں کے لئے یہ فخر کی بات تھی کہ وہ سال میں کم از کم 300 دن جوڑوں کی لڑائی کا بندوبست کریں۔کاپوآ میں ایک بہترین تھیٹر تھا اور طوائفوں کے کئی اڈے برسرِ عام چل رہے تھے۔یہ طوائف خانے روم کی بہ نسبت یہاں زیادہ آزادی سے چل رہے تھے۔ان اڈوں میں ہر قسم اور ہر نسل کی عورتیں موجود تھیں۔کاپوآ میں عمدہ دکانیں،عطر کے بازار،حمام اور ساحل پر پانی کے کئی کھیل موجود تھے۔

اس لئے یہ حیران کرنے والی بات نہ تھی کہ ایک مرتا ہوا مصلوب گلیڈ ئیٹر محض راہ چلتی ہوئی دلچسپی ہی دے سکتا تھا۔اگر وہ جنگِ غلاماں کا ہیرو نہ ہوتا تو اس پر کوئی شخص دوسری بار نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔مگر اس حیثیت میں بھی اب اس میں مزید کشش نہ تھی۔’’کاپوآ کے رومن شہریوں کے نام ایک خط‘‘ میں یہودی آبادی کے تین دولتمند تاجروں نے اس گلیڈ ئیٹر کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی سے دستبرداری کا اعلان کیا تھا۔انہوں نے واضح کیا تھا کہ ان کے وطن میں تمام باغی عناصر کا خاتمہ کیا گیا تھا۔انہوں نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ محض ختنہ کرنا یہودی النسل ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔اس لئے کہ ختنہ کا رواج مصریوں،سوڈانیوں اور پارسیوں کے ہاں عام تھا۔یہودیوں کی

فطرت میں یہ بات ہے ہی نہیں کہ وہ اس اقتدار کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں جس نے دنیا کے ایک بہت بڑے خطے میں امن وسلامتی اور نظم ونسق قائم کر رکھا تھا۔لہذا ہر طرف سے تنہا کیا ہوا یہ گلیڈ ئیٹر تنہائی کے درد اور الم میں اپنے انجام کو پہنچ رہا تھا۔اس نے سپاہیوں اور تماشبینوں کو کوئی تماشا مہیا نہ کیا۔محض ایک تباہ حال بُڑھیا اپنے گھٹنوں کے گرد ہاتھ لپیٹے بیٹھی صلیب پر چڑھے آدمی کو دیکھ رہی تھی۔سپاہیوں نے اکتاہٹ کے ہاتھوں تنگ آ کر اسے چھیڑنا شروع کر دیا۔

’’اے خوبصورت پری!‘‘ان میں سے ایک نے کہا’’اس مصلوب آدمی کے متعلق آپ کیا خواب دیکھ رہی ہیں؟‘‘۔

’’کیا ہم اسے کاٹ کر آپ کو پیش کر دیں؟‘‘ دوسرے نے پوچھا’’تمہیں اِس جیسے خوبصورت نوجوان کے ساتھ سوئے کتنا عرصہ ہوا؟‘‘۔

’’بہت عرصہ‘‘۔بڑھیا بڑبڑائی۔

’’خوب۔بستر میں وہ تم پہ ایک بیل کی طرح چڑھائی کرتا ہوگا۔وہ مصلوب شخص تم پہ سوار ہوا ہوگا۔مرے خدا۔وہ تم پہ اس طرح چڑھتا ہوگا جس طرح گھوڑی پر سانڈ چڑھتا ہے۔ہیں ناں ،بوڑھی خاتون؟‘‘

’’بات کا انداز تو دیکھو‘‘ بڑھیا بولی۔’’تم کس طرح کے لوگ ہو!مجھ سے بات کرنے کا انداز تو دیکھو!‘‘

’’اوہ،معزز خاتوں۔میں معافی چاہتا ہوں‘‘ایک کے بعد دوسرا سپاہی جھک کر اسے تعظیم پیش کر رہا تھا۔کچھ تماشائی انہیں دیکھ کر ان کے گرد جمع ہو گئے۔

’’میں تمہاری معافیوں کی پرواہ نہیں کرتی۔‘‘بوڑھی عورت نے کہا۔’’گندے لوگو!میں میلی کچیلی ہوں۔مگر تم تو گندگی سے اٹے پڑے ہو۔میں اپنا میل دھو سکتی ہوں،تم ایسا بھی نہیں کر سکتے‘‘۔

انہیں جوابی کلمات اچھے نہ لگے۔ان کی اتھارٹی پھر زندہ ہوگئی۔ان کے چہرے درشت ہو گئے اور آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

''بڑھیا۔آرام سے بیٹھو''۔ان میں سے ایک نے کہا''اپنی زبان کولگام دو''

''میں جو چاہوں گی،کہوں گی''۔

''تو جاؤ۔پہلے نہاؤ پھر یہاں آؤ۔تم اندھی بھکارن لگتی ہو۔''

''ہاں ہاں۔میں ہوں بھی بھکارن''۔وہ اُن پر غرائی''میں ایک دھتکاری ہوئی بھکارن ہوں۔تو تم رومن پھر کیا ہو؟ دنیا بھر میں صاف ستھرے لوگ؟ رومن خواہ لوفر کیوں نہ ہوں، ہر روز نہاتے ہیں۔اپنی صحبتیں جوئے میں اور سہ پہرا کھاڑے میں گزارتے ہیں۔تم کس قدر صاف ستھرے لوگ.....''

''بس بہت ہو گیا بڑھیا۔بند کرو اپنا منہ۔''

''بہت کہاں ہو گیا؟ میں نہا نہیں سکتی' میں غلام ہوں۔غلام حماموں میں نہیں جاتے۔میں بوڑھی اور استعمال شدہ چیز ہوں۔تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔میں یہاں دھوپ پہ بیٹھی رہوں گی اور کسی کی پرواہ نہ کروں گی۔میں روزانہ دوبارا پنے مالک کے گھر جاتی ہوں اور وہ مجھے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیتا ہے۔وہ اچھی روٹی ہوتی ہے۔روم کی روٹی' جسے کاشت غلام کرتے ہیں، کاٹتے غلام ہیں، پیستے غلام ہیں اور پکاتے غلام ہیں۔میں یہاں وہاں خوب گھومتی ہوں تا کہ کوئی ایسی چیز ڈھونڈ سکوں جو غلاموں کے ہاتھ کی بنی ہوئی نہ ہو۔تمہارا کیا خیال ہے، مجھے ڈراؤ گے؟ میں تم پہ تھوکتی ہوں!''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کراسس واپس اپیئین گیٹ پر پہنچا۔وہ اچھی طرح سو نہیں سکا تھا۔بالکل اُن لوگوں کی طرح جو رات کی نیند دن میں پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اگر کوئی شخص اس سے پوچھتا کہ وہ صلیب کے نظارے کو دیکھنے کیوں آیا تو وہ جواب میں محض شانے اُچکاتا۔مگر اصل میں وہ اچھی طرح جانتا تھا۔کراسس کی زندگی کا ایک عظیم عہد اس آخری گلیڈیئٹر کے مرتے ہی ختم ہو جاتا۔کراسس کو محض دولت کی وجہ سے ہی یاد نہ کیا جاتا بلکہ اس لئے بھی کہ کراسس وہ شخص تھا جس نے غلاموں کی بغاوت کچل ڈالی تھی۔

کہنے میں یہ آسان بات ہے مگر کرنے کو بہت مشکل۔جب تک وہ زندہ رہا، خود کو جنگِ غلاماں کی یادوں سے جدا نہ کر سکا۔وہ انہی یادوں کے ساتھ زندہ رہتا، انہی کے ساتھ اٹھتا اور انہی کے ساتھ سوتا۔جب تک کراسس مر نہ گیا، اس نے سپارٹیکس کو بھلایا نہیں۔چنانچہ اب کراسس پھر اُس شخص کو دیکھنے آیا تھا جو اس کے دشمن کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا تھا۔

اس شفٹ کا کمانڈر ایک نیا کپتان تھا۔وہ بھی کاپوآ کے دوسرے لوگوں کی طرح جنرل کو جانتا تھا۔اس نے جنرل کے ساتھ شخصی دوستی بنانے کی پھرتی دکھائی۔اس نے اس بات تک کی معافی مانگی کہ گلیڈیئٹر کی موت کو دیکھنے اتنے کم لوگ رہ گئے تھے۔

''وہ تیزی سے مر رہا ہے''۔اس نے کہا''یہ حیرت کی بات ہے۔وہ بہت سخت جان نظر آتا تھا۔وہ تین دن تک زندہ رہ سکتا تھا۔مگر اب تو لگتا ہے کہ وہ صبح ہونے سے پہلے مر جائے گا''۔

''آپ کیسے جانتے ہیں؟'' کراسس نے پوچھا۔

''میں نے کئی صلیبیں دیکھی ہیں اور ان سب کی موت کا طرز ایک ہی ہے۔بشرطیکہ کوئی میخ کسی بڑی شریان کو کاٹ نہ دے اور زیادہ خون بہہ جانے سے موت جلد واقع نہ ہو جائے۔گو کہ اس شخص کا خون بہت نہیں بہہ رہا ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ وہ مزید زندہ رہنا نہیں چاہتا۔اور جب ایسا ہو جائے تو وہ بہت جلد مر جاتے ہیں۔آپ کو حیرت تو نہیں ہو رہی؟''۔

''میں کسی چیز پر حیران نہیں ہوتا'' کراسس نے کہا۔

''میرا بھی یہی اندازہ ہے۔اس لئے کہ آپ نے بھی بہت زیادہ اموات کا مشاہدہ .....''

اس دوران سپاہی بوڑھی عورت پر ہاتھ اٹھا چکے تھے اور مدافعت کرتے ہوئے اس کی چیخیں جنرل نے سنیں۔کراسس اس کی طرف چلا گیا، منظر کو ایک نظر دیکھا اور درشت انداز میں سپاہیوں سے کہا۔

''تم کس قدر بہادر لوگ ہو۔چھوڑ دو بوڑھی خاتون کو۔''

اس کی آواز کی گہرائی نے انہیں تعمیل پر مجبور کر دیا۔انہوں نے عورت کو چھوڑ دیا۔ان میں سے ایک نے کراسس کو پہچان لیا اور دوسروں کے ساتھ سرگوشی کی۔پھر کیپٹن آیا۔وہ اس منظر کے

بارے میں جاننا چاہتا تھا۔اس نے پوچھا۔

''تمہارے پاس کچھ اور کرنے کو نہیں؟''

''یہ عورت زبان دراز اور گستاخ ہے''۔

نزدیک کھڑے ہوئے ایک شخص نے قہقہہ لگایا۔

''ہٹ جاؤ یہاں سے''۔کیپٹن نے نکے تماشائیوں سے کہا۔ وہ لوگ چند قدم پیچھے ہٹے مگر زیادہ دور نہ ہٹے۔ بوڑھی عورت نے کراسس سے کہا۔

''اوہ۔عظیم جنرل میرا نجات دہندہ ہے''۔

''تم کون ہو؟''۔کراسس نے پوچھا۔

''اے عظیم شخص۔ پتہ نہیں میں تمہارے سامنے دوزانو ہو جاؤں یا تمہارے منہ پر تھوک دوں؟''۔

''دیکھ رہے ہیں آپ؟ میں نے آپ کو کہا تھا''۔سپاہی چیخا۔

''ہاں ہاں۔ٹھیک ہے، بڑھیا۔تم کیا چاہتی ہو؟''۔کراسس نے پوچھا۔

''میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ مجھے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ میں یہاں ایک اچھے انسان کو مرتا ہوا دیکھنے آئی ہوں۔ اسے تنِ تنہا نہیں مرنا چاہیے۔ اب جبکہ وہ مر رہا ہے، میں یہاں بیٹھ کر اسے دیکھوں گی۔ میں اسے پیار پیش کروں گی۔ میں اسے بتاؤں گی کہ وہ کبھی نہیں مرے گا۔ سپارٹیکس کبھی نہیں مرا۔سپارٹیکس زندہ ہے''۔

''بڑھیا،تم کہا کہہ رہی ہو؟''

''مارکوس لی سی نیس کراسس! کیا آپ نہیں جانتے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟ میں سپارٹیکس کے بارے میں بول رہی ہوں۔ ہاں میں جانتی ہوں کہ آپ یہاں کیوں آئے؟ کسی اور کو معلوم نہیں۔مگر آپ اور میں جانتے ہیں۔ ہیں ناں؟''۔

کیپٹن نے سپاہیوں کو اُسے پکڑ کر باہر گھسیٹ لے جانے کا حکم دیا، کیونکہ وہ گندی باتیں کر رہی تھی۔مگر کراسس نے غصے سے انہیں پرے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔

''اسے تنہا چھوڑ دو۔ مجھے یہ نہ دکھاؤ کہ تم کتنے بہادر ہو۔ میں اپنی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔میں ایک نہتی خاتون سے اپنا دفاع کر سکتا ہوں''۔

''تم خوف زدہ ہو''۔بوڑھی عورت مسکرائی۔

''میں کس چیز سے خوف زدہ ہوں؟''۔

''ہم لوگوں سے۔اس طرح کا خوف تم سب کے دلوں میں موجود ہے۔اسی لئے تم یہاں آئے ہو۔ تم اُسے مرتا ہوا دیکھنے آئے ہو۔ اس بات کا یقین کرنے کہ آخری شخص بھی مر چکا۔ چند غلاموں نے تمہیں اس حال تک پہنچا دیا ہے۔تم اب تک خوف زدہ ہو۔اور پھر جب وہ بھی مر جائے گا تو کیا خیال ہے، یہ آخر ہو گا؟ کیا اس کھیل کا آخر کبھی ہو گا؟''۔

''تم ہو کون بڑھیا؟''۔

''میں ایک غلام ہوں''۔اُس نے جواب دیا۔اب وہ سادی، بچگانہ اور سٹھیائی سی لگ رہی تھی۔ میں یہاں اپنی قوم کے اُس فرد کے ساتھ ہونے اور اسے کچھ سکون پہنچانے آئی ہوں۔ میں اس کے لئے رونے یہاں آئی ہوں۔ دوسرے غلام یہاں آنے سے گھبراتے ہیں۔کا پوا میری قوم کے لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔مگر ہم ڈرتے ہیں۔ ہم بہت طاقتور ہیں مگر پھر بھی آنکھیں جھکائے اور ریں ریں کر کے روتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں''۔اب اس کی دھنسی ہوئی بوڑھی آنکھوں سے آنسو امڈنے شروع ہو گئے۔''تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟''۔

''کچھ بھی نہیں۔ بوڑھی عورت، تم اگر یہاں بیٹھ کر رونا چاہتی ہو تو بے شک رو لو''۔

اس نے اُس کی طرف ایک سکہ پھینکا اور فکر میں ڈوبا ہوا چلا گیا۔ وہ صلیب تک گیا اور مرتے ہوئے گلیڈ ئیٹر کو دیکھنے لگا۔ بوڑھی عورت کی باتیں اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔

گلیڈ ئیٹر کی زندگی کے چار دور تھے۔بچپن ناسمجھی کا مسرور دور تھا' اور جوانی علم، دکھ اور

نفرت سے بھرا ہوا دور۔ امید کا دور وہ تھا جب وہ سپارٹیکس کے ساتھی کی حیثیت سے لڑائی میں شامل ہوا۔ اور یاس و ہیجان کا دور وہ تھا جب اس پہ یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ ان کے مقصد کو شکست ہوگئی۔ اب اِس یاس کے دور کا اختتام تھا، وہ مر رہا تھا۔

جدوجہد، تو اس کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ مگر اب وہ مزید جدوجہد نہیں کر رہا تھا۔ زندگی اس کے لئے مزاحمت اور غصے کی وحشت تھی، زندگی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ تعلق کے حق میں ایک بلند چیخ تھی۔ کچھ لوگ اسے تسلیم کرتے تھے اور کچھ لوگ نہیں کرتے تھے۔ سپارٹیکس کے ساتھ ملاقات سے قبل وہ کچھ بھی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ پھر اس نے تسلیم کر لیا کہ انسانی حیات ایک انمول چیز ہوتی ہے۔ سپارٹیکس کی زندگی ایک انمول چیز تھی، یہ ایک مقدس چیز تھی۔ اس کے ساتھیوں کی زندگیاں بھی مقدس تھیں۔ مگر صلیب پر مرتے ہوئے وہ ابھی تک پوچھ رہا تھا کہ وہ ناکام کیوں ہوگئے۔ یہ سوال اس کے پاس موجود دلیل کی کنفیوژن میں اپنا جواب ڈھونڈھ رہا تھا مگر اس سوال کو اپنا جواب نہ مل سکا۔

جس وقت کرکسس کے مرنے کی خبر آئی تھی تو وہ سپارٹیکس کے ساتھ تھا۔ کرکسس ایک خواب کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ سپارٹیکس جان گیا کہ خواب ختم ہو چکا، خواب ناممکنات میں شامل ہوگیا۔ کرکسس کا خواب اور عمل یہ تھا کہ روم کو تباہ کیا جائے۔ مگر وہ لمحہ آ گیا جب سپارٹیکس کو احساس ہوا کہ وہ روم کو تباہ نہیں کر سکتے بلکہ روم انہیں برباد کر دے گا۔ وہ ابتدا تھی۔ اختتام وہ تھا جب کرکسس بارہ ہزار غلاموں کی قیادت کرتا ہوا چلا گیا۔ اور اب کرکسس مارا جا چکا ہے اور اس کی فوج تباہ ہو چکی ہے۔ کرکسس مارا جا چکا ہے اور اس کے ساتھی مارے جا چکے ہیں۔ متشدد اور لحیم شحیم سرخ بالوں والا گال اب مزید ہنس نہ سکے گا، مزید چلّا نہ سکے گا۔ وہ مر چکا ہے۔

(ڈیوڈ سپارٹیکس کے ساتھ ہوتا ہے، جب یہ خبر پہنچتی ہے۔ ایک خبر رساں، زندہ بچا ہوا ایک غلام یہ خبر لاتا ہے۔ خبر رساں موت کا یہ پیغام سب کو سناتا ہے۔ سپارٹیکس سنتا ہے اور ڈیوڈ کی طرف مڑتا ہے۔

(''کیا تم نے یہ خبر سنی؟'' وہ اس سے پوچھتا ہے۔

(''میں نے سنی''۔

(''کیا تم نے سنا کہ کرکسس مر چکا ہے اور اس کی ساری فوج ماری جا چکی ہے؟''

(''میں نے سنا''

(''کیا دنیا میں اتنی مرگ موجود ہے؟ ہے موجود؟''۔

(''دنیا مرگوں سے بھری پڑی ہے۔ تمہیں جاننے سے قبل دنیا صرف موت ہی موت تھی۔''

(''موت تو دنیا میں اب حکمرانی کرے گی'' سپارٹیکس کہتا ہے۔ وہ تبدیل ہوگیا، بدل گیا۔ وہ اب ایسا نہیں ہے جیسے کہ تھا۔ وہ اب زندگی کے ساتھ قیمتی رشتہ نہیں رکھے گا جس کے ساتھ وہ اب تک منسلک تھا، جس کے ساتھ وہ نوبیا کے سونے کی کانوں میں منسلک رہا تھا، جس کے ساتھ وہ اکھاڑے میں منسلک رہا تھا۔ اس کے نزدیک اب موت نے زندگی کو شکست دے دی۔ اب وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا ہے۔ اس کی آنکھیں ''کچھ نہیں'' سے بھری ہوئی ہیں اور پھر ''کچھ نہیں'' سے آنسو رواں ہوتے ہیں اور اس کے وسیع بھورے گالوں پر لڑھکتے ہیں۔ اُسے روتا دیکھ کر ڈیوڈ کو دہشت ہونے لگی۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ ہے سپارٹیکس جو آج رو رہا ہے۔ وہ حیران ہے۔

(سپارٹیکس کے چہرے پر تو کسی قسم کے تاثرات نہیں ہوتے تھے۔ آپ اس کی طرف دیکھ کر کچھ بھی نہیں جان سکتے تھے۔ آپ کو صرف اس کی ٹوٹی ہوئی ناک دکھائی دے گی، اس کا چوڑا منہ، بھوری جلد اور دوربین آنکھیں نظر آئیں گی۔ آپ اس کے بارے میں کیسے جان سکیں گے؟ وہ ایک نیا انسان ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ قدیم زمانے کے ہیروؤں جیسا ہے۔ مگر پرانے زمانے کے ہیروؤں کی سپارٹیکس سے قدرِ مشترک کیا ہے؟ کیا ایک ایسے باپ کا بیٹا ہیرو بن سکتا ہے جو غلام کی اولاد ہو؟ اور یہ شخص آتا کہاں سے ہے؟ یہ شخص نفرت اور حسد کے بغیر زندہ کیسے رہ سکتا ہے؟ آپ کسی شخص کو اس کی تلخی سے جان سکتے ہیں، مگر یہ شخص تو تلخی سے پاک ہے۔ وہ ایک مقدس انسان ہے۔ یہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اپنی پوری زندگی میں برائی نہیں کی۔ وہ آپ سے مختلف تو ہے ہی مگر ہم سے بھی مختلف ہے۔ جو کچھ بننے کے لئے ہم ابتدا کر رہے ہیں، وہ کچھ تو وہ پہلے سے ہے۔ وہ ہم سے

بہت آگے، بہت آگے ہے۔اوراب وہ روتا ہے۔

(''تم کیوں روتے ہو؟'' ڈیوڈ پوچھتا ہے''تمہارے رودینے سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔تم کیوں روتے ہو؟ وہ ہمیں اس وقت تک چین سے بیٹھنے نہیں دیں گے جب تک کہ ہم سب مرنہیں جاتے۔''

(''کیاتم کبھی نہیں روتے؟'' سپارٹیکس پوچھتا ہے۔

(''جب انہوں نے میرے باپ کوصلیب پر چڑھا کر میخیں گاڑ دی تھیں، تب میں رویا تھا۔اس کے بعد میں کبھی نہیں رویا''۔

(''تم اپنے باپ کے لئے نہیں روئے تھے'' سپارٹیکس کہتا ہے''اور میں کرکسس کے لئے نہیں رورہا ہوں۔ میں سارے غلاموں کیلئے رورہا ہوں۔ ایسا کیوں ہوا؟ ہم نے کہاں غلطی کی؟ شروع میں مجھے ذرا بھی شک نہ تھا۔میری ساری زندگی اس لمحے کے لئے وقف تھی جب غلاموں کے پاس قوت ہواور ہاتھوں میں ہتھیار ہوں۔اور پھر مجھے ذرا بھی شک نہ رہا۔کوڑوں کا دور ختم ہو چکا تھا۔ موت ساری دنیا کے سروں پر مسلط تھی۔ پھر ہم ناکام کیوں ہوئے؟ ہم ناکام کیوں ہوئے؟ کرکسس، میرے ساتھی، تم کیوں مرے؟ تم کیوں سرزور اور وحشت ناک تھے؟ اب تم مر چکے ہواور تمہارے سارے خوبصورت ساتھی مر چکے ہیں''۔

(''یہودی کہتا ہے''مرے ہوئے مرگئے، چلے گئے۔رونا بند کردو''۔

(مگر سپارٹیکس زمین پر گر پڑتا ہے،اس کا چہرہ زمین میں مٹی سے اٹ جاتا ہے۔ خاک آلود چہرے کے ساتھ اس کی چیخ بلند ہوتی ہے''وربینیا کو میرے پاس بھیج دو۔اسے بتاؤ کہ میں ڈر رہا ہوں اور میرے چاروں طرف موت ہے''۔

گلیڈ ئیٹر کی موت سے قبل کا ایک لمحہ مکمل ہوش وحواس کا لمحہ تھا۔اس نے اپنی آنکھیں

کھولیں۔اسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔اور ایک مختصر ساعت کے لئے اسے درد کا ہلکا سا احساس بھی نہ ہوا۔وہ اپنے اردگرد کے منظر کو صاف طور پر دیکھ رہا تھا۔ایک طرف عظیم رومن اپیئین شاہراہ تھی ، جو روم کی خوشحالی اور اس کی شہہ رگ تھی .....دوسری طرف شہر کی دیوار اور اپیئین گیٹ تھے۔ گیٹ پر کپتان ایک حسین دوشیزہ سے عشق کررہا تھا۔اُونچی جگہ پر بیمار، کاہل اور بے کاروں کی مٹھی بھر تعداد بیٹھی تھی۔ شاہراہ پر غیر مسلسل ٹریفک رواں دواں تھی ۔ سڑک کے پار اُسے دور سمندر کا گماں ہوا۔سمندر سے خنک ہوا چلی اور اس کے چہرے کو یوں چھوا جیسے کوئی محبوبہ اپنا ٹھنڈا ہاتھ اپنے حبیب کی گال پر رکھے۔

اس نے سہ پہر کا نیلگوں آسمان دیکھا۔آسمان جیسے لاحاصل جدائی کا ابدی درد ہو۔اس نے اپنی آنکھیں جھکالیں۔صلیب سے چند گز کے فاصلے پر اسے ایک دبکی ہوئی تنہا بڑھیا نظر آئی۔وہ مسلسل اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور رورہی تھی۔

''وہ میرے لئے کیوں رورہی ہے؟'' گلیڈ ئیٹر نے خود سے سوال کیا''بوڑھی عورت۔تم کون ہو، وہاں بیٹھ کر میرے لئے رونے والی خاتون، تم کون ہو؟''

وہ جانتا تھا کہ وہ مررہا ہے۔اس کا دماغ صاف تھا۔وہ جانتا تھا کہ وہ مررہا ہے اور خوش تھا کہ جلد ہی نہ درد رہے گا نہ یاد رہے گی۔بس وہ نیند رہ جائے گی جس کے لئے سارے انسان مکمل تیقن کے ساتھ انتظار کرتے ہیں ۔ اسے اب موت کے ساتھ مزید جدوجہد کرنے یا مزاحمت کی کوئی خواہش نہ تھی۔اس نے محسوس کیا کہ جب وہ آنکھیں بند کردے گا تو زندگی آسانی اور تیزی کے ساتھ اس سے باہر نکلے گی۔

اور اس نے کراسس کو دیکھا۔اُسے دیکھا اور اُسے پہچان لیا۔اُن کی آنکھیں ملیں۔رومن جرنیل ایک بت کی طرح خاموش اور سیدھا کھڑا تھا۔سفید چوغے نے اسے سرتاپیر ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کا خوبصورت اور سورج زدہ سر روم کی قوت، خوشحالی اور عظمت کا نمونہ لگ رہا تھا۔

''تو تم مجھے مرتا ہوا دیکھنے آئے ہو'' گلیڈ ئیٹر نے سوچا''تم غلاموں کے آخری فرد کو صلیب پر مرتا دیکھنے آئے ہو۔لہذا ایک غلام مرتا ہے اور جو آخری چیز وہ دیکھتا ہے، وہ دنیا کا

امیر ترین شخص ہے''۔

پھر گلیڈ ئیٹر کو وہ وقت یاد آتا ہے جب اس نے کراسس کو پہلی بار دیکھا تھا۔اُسے پھر سپارٹیکس یاد آیا۔اسے یاد آیا کہ وہ جاننے لگے کہ اختتام آ گیا، وہ جانتے تھے کہ کام ختم ہو گیا۔وہ جانتے تھے کہ یہ آخری معرکہ ہے۔سپارٹیکس نے ورینیا کو الوداع کہا۔ورینیا کی ساری التجاؤں کے باوجود، اس کے ساتھ رہنے کی ساری التجاؤں کے باوجود اس نے اسے الوداع کہا اور اسے جانے کے لئے مجبور کر دیا۔وہ اس وقت حاملہ تھی اور سپارٹیکس کو اُمید تھی کہ قبل اس کے کہ رومن انہیں ساحل میں گھیر لیں گے، بچہ پیدا ہو جائے گا اور وہ اسے دیکھ سکے گا۔مگر بچہ ابھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ وہ ورینیا سے جدا ہو گیا۔اُس وقت اُس نے ڈیوڈ سے کہا تھا۔

''میں بچے کو، اپنے یار اور ساتھی کو کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔مجھے اسی بات کا ارمان رہے گا۔ صرف اسی بات کا ارمان''۔

جب وہ جنگ کے لئے تیار ہوئے تو وہ سپارٹیکس کے لئے ایک سفید گھوڑا لائے۔وہ بہت خوبصورت گھوڑا تھا۔یہ پارس کا جنگی گھوڑا، برف کی طرح سفید اور بہادر گھوڑا سپارٹیکس کے شایانِ شان تھا۔سپارٹیکس غم سے بے نیاز تھا۔یہ بے نیازی دکھاوے کی نہ تھی۔وہ واقعی خوش تھا۔گو کہ اس کے بال گذشتہ چھ مہینوں میں سفید ہو گئے مگر اس کا چہرہ نوجوانوں جیسا کھلا ہوا تھا۔وہ بدصورت چہرہ خوبصورت تھا۔سب کو وہ چہرہ خوبصورت لگتا تھا۔لوگ اس کی طرف دیکھتے اور گم سم رہ جاتے۔تب وہ اُس کے لئے ایک سفید گھوڑا لائے۔

''عزیز ساتھیو۔میں اس عمدہ تحفے پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں''۔اس نے کہا تھا۔''میں دل کی گہرائی سے آپ کا شکر گزار ہوں''۔پھر اُس نے میان سے اپنی تلوار نکالی اور بجلی کی سی پھرتی سے گھوڑے کے سینے پر ماردی۔گھوڑا ہنہنایا، سٹپٹایا، گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، تڑپا اور مر گیا۔اُس نے ان کی طرف دیکھا۔تلوار سے خون ٹپک رہا تھا۔وہ اُس کی طرف خوف اور دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

''ایک گھوڑا مر گیا ہے''اس نے کہا''کیا تم ایک گھوڑے کی موت پر رؤو گے؟ ہم وحشی جانوروں کی زندگی کے لئے نہیں بلکہ انسان کی زندگی کے لئے لڑتے ہیں۔رومن لوگ گھوڑوں سے

دل بہلاتے ہیں مگر انسان کے لئے ان کے دل میں سوائے رسوائی اور تذلیل کے کچھ نہیں ہوتا۔اب ہم دیکھیں گے کہ یہ معرکہ کون جیتے گا، ہم' یا رومن؟ میں آپ کے تحفے کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔اس تحفے نے ظاہر کر دیا کہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔مگر مجھے ایسے تحفے کی ضرورت نہیں۔میرا دل آپ کی محبت سے بھرا ہوا ہے۔پوری دنیا کی زبانوں میں ایسے الفاظ نہیں ہیں جو یہ اظہار کر سکیں کہ مجھے آپ سے کتنی محبت ہے۔میرے ساتھیو۔ہماری زندگیاں اکٹھی تھیں۔آج اگر ہم ہار بھی جائیں تو بھی ہم ایک ایسا کارنامہ سرانجام دے چکے ہیں کہ انسانیت اُسے ہمیشہ کے لئے یاد رکھے گی۔ہم چار سال تک رومنوں سے لڑتے رہے ہیں۔طویل چار سال تک۔ہم نے رومن فوجوں کو آج تک پیٹھ نہیں دکھائی۔ہم کبھی بھاگ نہیں گئے۔ہم میدانِ جنگ سے آج بھی نہیں بھاگیں گے۔کیا آپ مجھے ایک گھوڑے پر لڑتا دیکھنا چاہتے تھے؟۔گھوڑے رومنوں کے پاس رہنے دیں۔ہم پیدل لڑیں گے۔میں پیدل لڑوں گا۔اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ۔اگر آج ہم جنگ جیت لیتے ہیں تو ہمارے پاس بڑی تعداد میں گھوڑے ہوں گے۔ہم انہیں بگھیوں میں نہیں بلکہ ہلوں میں جوت لیں گے۔اور اگر ہم ہار جائیں.....اور اگر ہم ہار جائیں تو ہمیں گھوڑوں کی ضرورت نہیں رہے گی''۔

پھر اس نے انہیں گلے لگا لیا۔وہ ہر پرانے ساتھی کو گلے لگاتا اور اس کے ہونٹ چومتا۔اور جب وہ ڈیوڈ کے پاس آیا تو اس نے کہا۔

''آہ۔میرے دوست۔عظیم گلیڈ ئیٹر۔کیا آج بھی میرے ساتھ رہو گے؟''۔

''ہمیشہ''۔

اور جب وہ صلیب پر ٹنگا ہوا کراسس کو دیکھ رہا تھا تو اس نے سوچا''ایک آدمی کتنا کچھ کر سکتا ہے؟''۔

اب اسے کوئی افسوس نہ تھا۔وہ سپارٹیکس کے ساتھ ساتھ لڑا تھا۔وہ اس جگہ لڑا تھا جب اس شخص نے (جواب اُس کی طرف دیکھ رہا تھا) اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی اور غلاموں کی صفوں کو روند ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ڈیوڈ نے سپارٹیکس کے ساتھ ہم آواز ہو کر پکارا تھا۔

''کراسس۔ ہمارے پاس آؤ۔ آؤ' اور ہمارے استقبال کا مزا چکھو'۔

وہ اُس وقت تک لڑا تھا جب تک کہ زور سے پھینکے ہوئے ایک پتھر نے اسے گرا نہ دیا۔ وہ خوب لڑا تھا۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ اس نے سپارٹیکس کو مرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ سپارٹیکس کی بجائے خود اس کو صلیب کی آخری ہتک اور تذلیل بھگتنی پڑی۔ اسے اب کوئی ندامت' کوئی ارمان اور کوئی خلش نہ تھی۔ اُسے سپارٹیکس کی آخری مسرت سمجھ میں آ گئی۔ وہ بھی اب سپارٹیکس کی طرح تھا۔ اس لئے کہ وہ زندگی کے اس آخری راز میں حصہ دار تھا جو سپارٹیکس کو معلوم تھا۔ وہ کراسس کو بتانا چاہتا تھا۔ اس نے بولنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ اس نے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی اور کراسس صلیب تک چلا آیا۔ کراسس وہاں کھڑا اپنے اوپر مرتے ہوئے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔ مگر گلیڈیٹر سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ پھر گلیڈیٹر کا سر آگے کی جانب لڑھک گیا۔ اس کی ٹانگوں سے آخری قوت نکل گئی اور وہ مر چکا تھا۔

کراسس وہاں کھڑا رہا یہاں تک کہ بوڑھی عورت بھی وہیں آ گئی۔ ''وہ اب مر چکا ہے''۔ بوڑھی عورت نے کہا۔

''میں جانتا ہوں'' کراسس نے جواب دیا۔

پھر وہ گیٹ میں سے ہوتا ہوا چلا گیا۔

10

اُس رات کراسس نے تنہائی میں کھانا کھایا۔ وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے غلاموں نے اس کی مایوس طبیعت بھانپ لی تھی۔ اس لئے وہ دبے پاؤں چل رہے تھے۔ کھانے سے قبل وہ شراب کی بوتل کا بڑا حصہ پی چکا تھا۔ بقیہ بوتل اس نے کھانے کے دوران پی لی۔ کھانے کے بعد اس نے ایک اور بوتل کھولی۔ یہ مصر میں کشید کی گئی درآمد شدہ برانڈی تھی۔ وہ بہت پی چکا تھا۔ وہ دھت ہو گیا تھا۔ تنہائی' خود سے نفرت اور نشہ آپس میں یوں مل گئے کہ وہ بہ مشکل ہی چل سکتا تھا۔ وہ

لڑکھڑاتا ہوا اپنے کمرے تک گیا جہاں غلاموں نے اسے پلنگ پر لٹا دیا۔

وہ گہری نیند سویا۔ سویرے وہ قدرے ہشاش بشاش تھا۔ اس کے سر میں درد نہ تھا۔ اسے کوئی ایسے خواب بھی یاد نہ تھے۔ جنہوں نے اس کی نیند خراب کی ہو۔ اُس کی عادت تھی کہ وہ دن میں دو بار نہاتا تھا۔ ایک دفعہ صبح اور دوسری بار شام کو کھانے سے ذرا پہلے۔ دوسرے امیر رومنوں کی طرح وہ بھی ہفتے میں کم از کم دو بار پبلک حماموں والا سیاسی کرتب کرتا تھا۔ کاپوآ میں بھی اس کا ایک ذاتی غسل خانہ تھا جس میں ٹائلیں لگی ہوئی تھیں۔ اس غسلخانے میں سرد اور گرم دونوں قسم کا پانی مہیا تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی رہائش رکھتا، اسے غسل کی سہولتوں کی وافر فراوانی کا خیال رہتا۔

غسل کرنے کے بعد اس کے ذاتی حجام نے اس کی شیو بنائی۔ اسے شیو بنواتے ہوئے بہت لطف آتا تھا۔ اسے اپنے گالوں پر استرا پھرواتے ہوئے بچوں کی سی خوش ہوتی تھی۔ استرا، خطرے اور اعتماد کی آمیزش ہوتا ہے۔ شیو کے بعد گرم تولیہ، بدن کی مالش اور اس کے بعد سر کی مالش۔ اسے اپنے بالوں پر بہت زیادہ غرور تھا اور اب جبکہ اس کے بال جھڑ رہے تھے تو اسے سخت پریشانی ہو رہی تھی۔

اس نے گہرا نیلا چوغہ پہنا جس کے کناروں پر چاندی لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی پسند کے مطابق گھٹنوں تک اُونچے بوٹ پہن لئے جو ہرن کی نرم و سفید کھال سے بنے ہوئے تھے۔ چونکہ اس بوٹ کو ٹھیک طور پر صاف نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اور تین چار دن تک پہنے رکھنے سے اس پر مٹی لگ جاتی تھی' اس لئے کراسس بوٹ سازی کا سامان اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک نگراں کی موجودگی میں چار غلام بوٹ بناتے تھے۔ اس نے پھلوں کا ناشتہ کیا، ایک پالکی لی اور اس مکان کی طرف روانہ ہوا جہاں تینوں نوجوان ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ اس نے ان سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ کاپوآ میں ان کی خدمت کرے گا۔

وہ اُس مکان میں دو تین بار پہلے بھی آیا تھا۔ اس لئے گیٹ پر کھڑے غلام نے گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا اور سیدھا اُس جگہ لے گیا جہاں خاندان اور ان کے مہمان ابھی تک ناشتہ کر رہے تھے۔ ہیلینا کی نظر جب اُس پر پڑی تو اس کے چہرے پر لالی آئی۔ کائیس اسے دیکھ کر خوش

ہوااوراس کے چاچا چچی اس بات پر بہت احسان مند دکھائی دے رہے تھے کہ عظیم جنرل اُن کے گھر آجا رہا تھا۔صرف کلاڈیا نے اس کی طرف مکاری اور کینہ سے دیکھا۔

''اگر آپ لوگوں نے آج کے لئے کوئی پروگرام نہیں بنارکھا'' کراسس نے کہا'' تو میں عطریات کی فیکٹری میں آپ کا میزبان بننا چاہوں گا۔ یہ عجیب بات ہوگی کہ کاپوآ آیا جائے اور خوشبوساز فیکٹری نہ جایا جائے۔خصوصاً اِس موقع پر جب اس بے چارے شہر میں گلیڈیٹر اور خوشبو مل گئے ہوں''۔

''ایک عجیب آمیزش ہے'' کلاڈیا مسکرائی۔

''ہمارا اور کوئی پروگرام نہیں ہے''۔ہیلینا نے جلدی سے کہا۔

''ہیلینا کا مطلب ہے کہ ہمارے اور پروگرام ہیں مگرانہیں ملتوی کر کے آپ کے ساتھ جانے میں خوشی ہوگی''۔

کائیس نے غصے سے اپنی بہن کو گھورا۔انہوں نے بزرگوں کو خدا حافظ کہا۔اس لئے کہ عطریات کی فیکٹری جانا ان کے شایان شان نہ تھا۔اور دوسری بات یہ تھی کہ معمر خاتون نے کہا کہ زیادہ خوشبو سونگھنے سے اس کے سر میں درد ہو جاتا ہے۔

ان کی پالکیاں کاپوآ کے قدیم حصوں میں سے گزر رہی تھی۔گلیاں تنگ تھیں ،رہائشی عمارتیں بچوں کے کھلونوں کی طرح پستہ قد تھیں۔گو کہ ابھی صبح تھی اور آسمان صاف تھا مگر یہ گلیاں تاریک تھیں۔یہاں غلاظت بہت تھی،گھروں سے کوڑا کرکٹ گلی میں پھینک دیا جاتا تھا اور وہیں پہ سڑ گل جاتا تھا۔اس کوڑا کرکٹ کی سڑاند، پسینے اور بدبودار تیل سے مل کر بہت بے چین کر رہی تھی۔

''آپ دیکھ رہے ہیں'' کراسس نے کہا'' کہ کیوں ہماری فیکٹریاں یہاں ہیں۔ خوشبو اس علاقے کے لئے کتنی اچھی چیز ہے''۔

ان گلیوں میں شہر کے اچھے علاقوں جیسے عمدہ لباس اور سجے ہوئے گھریلو غلام نہیں تھے اور نہ ہی پالکیاں زیادہ تعداد میں تھیں۔ان گندی گلیوں میں نیم عریاں بچے کھیل رہے تھے۔بوسیدہ لباس پہنی عورتیں کھانے پینے کی چیزوں کا مول تول کر رہی تھیں یا اپنے گھروں کے سامنے بیٹھی اپنے بچوں کو بہلا رہی تھیں۔وہاں شور وغل بہت تھا۔اور گھروں کی کھڑکیوں سے عجیب کھانے پکانے کی بُو آرہی تھی۔

''کتنی گندگی ہے!''ہیلینا نے کہا''کیا آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں کہ اس گندے علاقے میں خوشبو تیار ہوتی ہے؟''۔

''ہاں ہاں۔بالکل۔دُنیا کے کسی بھی شہر سے بہتر اور عُمدہ عطر یہیں بنتا ہے۔جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے ان میں سے اکثر مصری،شامی ہیں۔کچھ یہودی اور یونانی ہیں۔ہم نے اپنی فیکٹریوں کو غلاموں سے چلانے کی کوشش کی مگر ایسا نہ ہوسکا۔آپ غلام کو کام پر مجبور کر سکتے ہیں مگر آپ اُسے اس بات پر مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ جو کچھ بنائے،اسے تباہ نہ کرے۔وہ اس جانب نہیں دیکھتے۔غلام کو ایک ہل دے دیں،ایک درانتی دے دیں یا بیلچہ ہتھوڑا پکڑائیں۔آپ دیکھیں گے کہ وہ اُن کا کیا کرتا ہے۔یہ اوزار سخت ہوتے ہیں اور ان کا تباہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔مگر اگر آپ انہیں ریشم دے دیں اور بننے کے لئے کہہ دیں تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس کا بیڑہ غرق کر دیں گے۔وہ فیکٹری کو توڑ پھوڑ دیتے ہیں،خراب کرتے ہیں۔انہیں کوڑے مارنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ پھر بھی کام کو تباہ کر دیں گے۔جہاں تک ہمارے اپنے پرولتاریہ کا تعلق ہے تو اسے کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہر کام کے لئے دس دس مزدور رکھے جاتے ہیں۔پھر بھلا ایک کیوں کام کرے جبکہ دوسرے نو(9) آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں اور جوا کھیلنے یا اکھاڑے میں تماشا دیکھنے اور یا پھر حماموں میں اپنا دن گزارتے ہیں؟ وہ فوج میں چلے جاتے ہیں کیونکہ وہاں اگر قسمت ساتھ دے تو امیر بن جانے کے مواقع موجود ہوتے ہیں۔مگر فوج میں بھی ہمیں وحشی ترین قوموں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔مگر وہ بہرحال ان اُجرتوں پر فیکٹریوں میں کام کرنے پر تیار نہیں ہوتے جو اجرتیں ہم انہیں دیتے ہیں۔ہم نے ان کی انجمنیں (گلڈ) تباہ کر دیں،اس لئے کہ ہمیں یا تو ان کی انجمنیں تباہ کرنی تھیں یا فیکٹریاں بند کرنی تھیں۔اس لئے اب ہم شامیوں،مصریوں اور یونانیوں کو بھرتی کر لیتے ہیں۔اور وہ بھی صرف اُس وقت تک کام کرتے ہیں جب تک کہ وہ کسی دولت مند شخص سے شہریت خرید نہیں لیتے۔مجھے نہیں معلوم کہ انجام کیا ہوگا۔کیونکہ نئی فیکٹریاں کُھلنے کی بجائے

پرانی فیکٹریاں بند ہو رہی ہیں۔

اب وہ فیکٹری پہنچ گئے۔ یہ لکڑی کی ایک پستہ قد اور بدصورت عمارت تھی۔ جو رہائشی مکانات میں گھری ہوئی تھی۔ اور ڈیڑھ سو فٹ کے رقبہ پر بنی ہوئی تھی۔ اس کی لکڑی دیمک زدہ تھی اور تختے یہاں وہاں سے غائب تھے۔ چمنیوں میں سے دھوئیں کے بادل بلند ہو رہے تھے۔ ایک طرف مال لوڈ کرنے کا چبوترا تھا جہاں کئی ریڑھے کھڑے تھے۔

کراسس نے پالکیوں کو فیکٹری کے سامنے کے حصے میں رکنے کا حکم دیا۔ لکڑی کے بڑے گیٹ کھول دیئے گئے اور کائیس، ہیلینا اور کلاڈیا کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ عطریات کی کسی فیکٹری میں آ گئے ہیں۔ عمارت ایک بڑی شیڈ تھی۔ چھت کا بڑا حصہ فرسودہ ہو چکا تھا۔ تنور پورے احاطے کو گرم اور روشن کئے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی میزوں پر سینکڑوں کی تعداد میں برتن پڑے تھے اور کشید کرنے والے برتن میں سے نیلوں کی بھول بھلیاں نکل رہی تھی۔ یہاں سے عطر کے تیل کی متلی دلانے والی بھرپور بدبو آ رہی تھی۔

سینکڑوں کی تعداد میں مزدور کام کر رہے تھے۔ چھوٹے، بھورے، باریش اور کمر پہ کسے چیتھڑے کے علاوہ ننگ دھڑنگ لوگ۔ وہ لوگ کشید کرنے کے آلات کی نگرانی کرتے تھے، تنوروں میں کوئلے ڈالتے تھے۔ کاٹنے والی میزوں پر کھڑے ہو کر پھل اور چھال کو کاٹتے تھے یا چاندی کی ٹیوبوں کو عطر سے قطرہ قطرہ بھرتے تھے اور پھر ہر ٹیوب کو گرم موم سے سیل کرتے تھے۔

اور الس نامی رومن مینیجر نے جنرل اور اس کے مہمانوں کا منافقانہ شائستگی، لالچ اور احتیاط کے ملے جلے جذبات کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ کراسس کی طرف سے دیئے گئے چند سکّوں نے اسے مزید خوش اخلاقی دکھانے پر مائل کر دیا۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ان کی راہنمائی کرنے لگا۔ مزدور اپنا کام کرتے رہے۔ ان کے چہرے درشت، بند اور تلخ تھے۔ جب وہ کنکھیوں سے مہمانوں کو دیکھتے تو اُن کے چہرے تاثرات سے خالی خالی لگتے تھے۔ کائیس، کلاڈیا اور ہیلینا کو اس فیکٹری میں سب سے عجیب چیز مزدور ہی لگے۔ انہوں نے ایسے لوگ پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ کچھ مختلف اور ڈراؤنے نظر آ رہے تھے۔ وہ غلام نہ تھے، نہ ہی وہ رومن تھے۔ اور نہ ہی وہ کسان تھے۔ یہ مختلف لوگ تھے اور ان کی مختلف النوعی پریشان کن تھی۔

''یہاں ہم کشید کا کام کرتے ہیں'' کراسس بتانے لگا ''جس کے لئے ہم مصریوں کے مرہونِ منت ہیں۔ مگر وہ اس عمل کو بڑے پیمانے کا عمل بنانے سے ہمیشہ قاصر رہے ہیں۔ کسی چیز کو منظّم کرنا تو بس روم کی صفت ہے''۔

''مگر کیا یہ مختلف چیز ہے؟'' کائیس نے پوچھا۔

''ہاں۔ بالکل۔ پرانے زمانے میں لوگوں کو عطر کی قدرتی پیدائش پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ کافور، لوبان وغیرہ پر۔ یہ ساری چیزیں گوند کی ہیں جو درختوں کی چھالوں سے نکالی جاتی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ مشرق میں لوگوں نے اس طرح کے درختوں کے باغات لگا رکھے ہیں۔ وہ چھال کو زخم لگاتے ہیں اور گوند کو فصل کی طرح اکٹھا کرتے ہیں۔ زیادہ تر عطر کو دھونی دی جاتی تھی۔ پھر مصریوں نے کشید کرنے کا آلہ ایجاد کر لیا۔ اس سے ہمیں نہ صرف برانڈی اور شراب حاصل ہوتی ہے بلکہ عطر بھی''۔

وہ انہیں کاٹنے کی ایک میز پر لے گیا جہاں ایک مزدور لیموں کو باریک قتلوں میں کاٹ رہا تھا۔ کراسس نے ایک قتلہ اُٹھایا اور روشنی کے سامنے کر دیا۔

''اگر آپ احتیاط سے دیکھیں تو آپ کو اس میں تیل کی تھیلیاں نظر آئیں گی اور یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اس کی خوشبو کتنی مزیدار ہوتی ہے۔ نہ صرف لیموں بلکہ سینکڑوں دوسرے پھل اور چھال ہیں جو کہ خوشبو کے سرچشمے ہیں۔ آیئے آگے چلتے ہیں.....''

اب وہ انہیں ایک تنور تک لے گیا جہاں ایک بڑے برتن میں قتلے اُبالے جا رہے تھے۔ برتن کے اُوپر لوہے کا ایک ڈھکن مضبوطی سے رکھا گیا تھا۔ جست کی ایک ٹیوب یہاں سے بل کھاتی ہوئی پانی کی ایک دھار کے نیچے سے گزرتی تھی۔ ٹیوب کا دوسرا سرا ایک اور برتن میں جاتا تھا۔

''یہ ہے کشید کا آلہ''۔ کراسس نے انہیں بتایا ''ہم خام چیزوں کو اُبالتے ہیں۔ وہ خواہ چھلکے ہوں، پتے ہوں یا پھلوں کے قتلے۔ ہم انہیں اس وقت تک اُبالتے ہیں جب تک کہ تیل کی تھیلیاں جدا نہ ہو جائیں۔ پھر یہ بھاپ بن جاتا ہے۔ ہم اِس بھاپ کو ٹیوب کے ذریعے پانی کی دھار سے

گزارتے ہیں''۔ وہ انہیں ایک اور تنور پر لے گیا۔ ''دیکھئے۔ یہاں پانی آرہا ہے۔ جب برتن ٹیوب کے پانی سے بھر جاتا ہے۔ تو ہم اسے ٹھنڈا کرتے ہیں۔ تیل اُوپر تیرتا ہے اور یہی تیل ہی اصل چیز ہے۔ اسے انتہائی احتیاط کے ساتھ اکٹھا کیا جاتا ہے اور چاندی کی ٹیوبوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ بڑے برتن میں صرف عمدہ اور مزیدار پانی رہ جاتا ہے جو آج کل ناشتے میں پیا جاتا ہے''۔

''آپ کا مطلب ہے کہ ہم یہی پانی ناشتے میں پیتے ہیں؟'' کلاڈیا چیخ اُٹھی۔

''جی ہاں۔ ناشتے میں آج کل اِسی پانی کو پینے کا رواج ہے۔ یہ بہت صحت بخش پانی ہوتا ہے۔ اس پانی میں تھوڑا سا عام پانی ملا دیا جاتا ہے جس طرح کہ ایک تیل کو دوسرے سے ملا کر عطر کی مختلف اقسام تیار ہوتی ہیں۔ پانی تو ٹائلٹ میں بھی استعمال ہوتا ہے''۔

اس نے دیکھا کہ ہیلینا مسکرا رہی تھی۔ اُس نے پوچھا ''آپ کا کیا خیال ہے۔ میں آپ کو سچ نہیں بتا رہا؟''

''نہیں۔ نہیں۔ مجھے تو صرف ایسی جانکاری کے بیان سے گھن آتی ہے۔ مجھے اپنی زندگی کے وہ وقت یاد آتے ہیں جب میں نے سنا کہ کوئی چیز کس طرح بنتی ہے''۔

''یہ جانکاری میرا کاروبار ہے''۔ کراسس نے جواب دیا۔ ''میں بہت دولت مند شخص ہوں۔ جس پہ مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ بہت سارے لوگ مجھے حقارت سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ میں نے خود کو پیسہ اکٹھا کرنے کے لئے وقف کر دیا ہے۔ مگر مجھے اس سے پریشانی نہیں ہوتی۔ میں دولت سے خوب لطف لیتا ہوں۔ مگر اپنے ساتھیوں کے برعکس میں باغات کو دولت کا منبع نہیں سمجھتا۔ انہوں نے مجھے ایک جنگ دے دی تو مجھے کوئی شہر فتح کرنے کو نہ کہا جس طرح کہ انہوں نے پومپی کو یہ فرض سونپا تھا۔ بلکہ انہوں نے مجھے جنگِ غلاماں دے دی جس سے بہت کم منافع حاصل ہوا۔ چنانچہ میرے اپنے چھوٹے چھوٹے راز ہیں اور یہ فیکٹری انہی میں سے ایک ہے۔ چاندی کی ان ٹیوبوں میں سے ہر ایک' اپنے وزن سے دس گنا زیادہ وزن کے سونے سے زیادہ قیمتی ہے۔ ایک غلام آپ کی خوراک کھاتا ہے اور مر جاتا ہے۔ مگر مزدور خود کو سونے میں بدل دیتے ہیں۔ ان کی خوراک اور رہائش بھی میرے ذمہ نہیں ہے''۔

''پھر بھی'' کائیس نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''وہ ویسا ہی کر سکتے ہیں جیسے سپارٹیکس نے کیا''۔

''مزدوروں کی بغاوت؟''۔ کراسس نے مسکرا کر سر ہلایا۔ ''نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ غلام نہیں ہیں۔ یہ آزاد انسان ہیں۔ اپنی مرضی سے آسکتے ہیں، جا سکتے ہیں۔ یہ آزاد لوگ ہیں۔ پھر بھلا یہ کیوں بغاوت کریں گے؟'' کراسس نے شیڈ میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی ''نہیں۔ جنگِ غلاماں کے دوران پورے عرصے میں ہم نے اپنے تنور بند نہ کئے۔ ان لوگوں اور غلاموں میں کوئی رابطہ نہیں ہے''۔

پھر بھی جب وہ اس جگہ سے روانہ ہوئے تو کائیس بہت بے چین تھا۔ ان عجیب، خاموش اور باریش لوگوں نے اُسے خوف اور بداعتمادی بخش دی تھی۔ اسے خود معلوم نہ تھا کہ کیوں۔

باب ہفتم

1

جس طرح کائیس اور کراسس لڑکیوں کے ساتھ جنوب کی طرف کاپوآ جارہے تھے،اسی طرح سائیسیرؤ اور گراکس شمال کی جانب روم جارہے تھے۔سلاریا محل چونکہ شہر سے صرف ایک دن کے فاصلے پر واقع ہے۔اس لئے سائیسیرو اور گراکس کو کوئی جلدی نہ تھی۔ان کی پالکیاں ساتھ ساتھ تھیں۔سائیسیرو گراکس کے سامنے معزز اور اعلیٰ ظرف بننے کی ہر جتن کر رہا تھا۔گراکس شہر کے طاقتور ترین لوگوں میں سے ایک تھا اور اُس کے سیاسی وقار سے کوئی بھی لاتعلق نہیں رہ سکتا تھا۔

جب کوئی شخص لوگوں کے دل جیتنے اور ان کی دشمنی سے پرہیز کرنے پر اپنی زندگی وقف کر دیتا ہے تو اُس پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے اندر ملنساری کا وصف پیدا کرے۔اور گراکس کے ساتھ کبھی کبھار ہی ہوا ہوگا کہ وہ کسی کا پسندیدہ بننے میں ناکام ہوا ہو۔سائیسیرو کچھ زیادہ پسندیدہ نہ تھا۔وہ اُن چالاک نوجواں میں سے ایک تھا جو کامیابی کی راہ میں اصول کو حائل ہونے نہیں دیتے تھے۔گو کہ گراکس بھی اتنا ہی موقع پرست تھا،مگر وہ سائیسیرو سے اس لحاظ سے مختلف تھا کہ وہ اصولوں کی قدر کرتا تھا۔وہ تھوڑی سی تکلیف سہنے میں پس و پیش نہیں کرتا تھا۔سائیسیرو خود کو مادہ پرست ظاہر کرتا تھا۔وہ کسی بھی انسان میں تقدس کے ایک بھی عنصر کی موجودگی کو بھی نہیں مانتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ وہ گراکس کی بہ نسبت کم حقیقت پسند تھا۔وہ اس بوڑھے اور فربہ شخص کی مکاری پر بہت کڑھتا تھا۔گراکس کے دل میں سائیسیرو کے خلاف اتنی نفرت موجود نہ تھی جتنی کہ ہونی چاہیے تھی۔سائیسیرو کسی حد تک اسے پریشان کرتا تھا۔دنیا بدل رہی تھی۔گراکس کو بھی پتہ تھا کہ خود اُس کی زندگی میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔تبدیلیاں صرف روم میں نہیں آرہی تھیں بلکہ پوری دنیا اُن کی لپیٹ میں تھی۔سائیسیرو اس تبدیلی کا نقیب تھا۔وہ بے رحم نوجوان نسل میں سے تھا۔گراکس بھی بے رحم تھا مگر اُس کی بے رحمی میں، معمولی ہی سہی، مگر دکھ کی شناخت اور کم از کم ترس کا ایک احساس در آیا تھا۔مگر یہ نوجوان لوگ نہ تو ترس کے جذبات رکھتے تھے اور نہ دکھ کے۔انہوں نے تو جیسے ایک ایسی زرہ پہن رکھی تھی جو شگاف اور درز سے پاک ہو۔یہاں ایک سماجی رشک بھی موجود تھا۔سائیسیرو بہت زیادہ تعلیم یافتہ تھا،جس پر گراکس رشک کرتا تھا۔

''کیا آپ سو رہے ہیں؟'' سائیسیرو نے آہستگی سے پوچھا۔

''نہیں۔کچھ سوچ رہا تھا''۔

''ریاستی اُمور پر؟'' سائیسیرو نے دل میں سوچا کہ یہ بڑھا ضرور کسی معصوم سینیٹر کی تباہی کے منصوبے بنا رہا ہوگا۔

''کوئی اہم بات نہیں ہے۔دراصل میں ایک پرانے واقعے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔یہ کہانی بھی دوسری پرانی کہانیوں کی طرح احمقانہ ہے''۔

''براہ کرم مجھے بھی سنایئے''۔

''یہ کہانی آپ کو بور کرے گی''۔

''ایک مسافر صرف ارد گرد کے منظر سے ہی اُکتا جاتا ہے''۔

''یہ ایک اخلاقی کہانی ہے اور اخلاقی کہانی سے زیادہ اُکتا دینے والی کوئی اور چیز نہیں ہوتی۔سائیسیرو کیا آپ کے خیال میں ہماری زندگیوں میں اخلاقی کہانیوں کی کوئی گنجائش ہے؟''۔

''یہ چھوٹے بچوں کے لئے اچھی ہوتی ہیں۔مجھے پہلی کہانی اپنے دُور کے ایک رشتہ دار نے سنائی تھی''۔

''اپنی تو کوئی رشتہ داری ہے ہی نہیں''۔

''میں اُس وقت صرف چھ برس کا تھا۔سات سال کی عمر میں میں نے رشتوں پر اعتراض کیا تھا''۔

''سات سال کی عمر میں آپ اس قدر درشت نہ ہوں گے؟'' گراکس مسکرایا۔

''ہاں، ہاں۔ میں اتنا ہی درشت تھا۔ گراکس! مجھے آپ کی یہ خوبی بہت اچھی لگتی ہے کہ آپ نے کوئی خاندان بنانے کی کوشش نہ کی''۔

''ارے یہ کوئی خوبی نہیں۔ یہ تو محض کفایت شعاری ہے''۔

''آپ کہانی کی بات کر رہے تھے''۔

''میرا خیال ہے، آپ کی عمر کچھ زیادہ ہی بڑی ہوگئی''۔

''نہیں نہیں، آپ سنا دیں۔ مجھے آپ کی کہانیاں اچھی لگتی ہیں''۔

''خواہ وہ بے مقصد ہی کیوں نہ ہوں؟''۔

''وہ بے مقصد نہیں ہوتیں۔ ان میں مقصد ڈھونڈنے کے لئے عقل خرچ کرنی ہوتی ہے''۔

''اچھا۔ تو پھر میں یہ کہانی سناؤں گا''۔ گراکس نے ہنس کر کہا۔ ''یہ ایک ماں کے بارے میں ہے جس کا صرف ایک بیٹا تھا۔ وہ لمبا تڑنگا اور خوبصورت نوجوان تھا۔ اور وہ عورت اُسے اتنا پیار کرتی تھی جتنا کہ ایک ماں اپنے بیٹے سے کر سکتی ہے''۔

''میری ماں نے ہمیشہ مجھے اپنی بھیانک خواہشات کی راہ میں رکاوٹ جانا''۔

''یہ بہت پرانی کہانی ہے جب نیکی کرنا ممکن ہوا کرتا تھا۔ اس ماں کو اپنے بیٹے سے بے پناہ پیار تھا۔ اُسی کے لئے سورج طلوع ہوتا تھا اور اُسی کے لئے غروب۔ پھر لڑکے کو عشق ہوگیا۔ وہ ایک ایسی عورت کو دل دے بیٹھا تھا جو بہت خوبصورت تھی اور بہت مکار بھی۔ بہرحال اس نے لڑکے کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا، نہ اسے اشارہ کیا اور نہ ہی مہربان نظر ڈالی''۔

''میں ایسی عورتوں سے مل چکا ہوں'' سائیسیرو نے اتفاق کیا۔

''لڑکا اُس پہ مرتا تھا۔ ایک بار اس نے اُسے بتا دیا کہ وہ اس کی خاطر سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہے۔ وہ اس کے لئے محل بنانے اور خزانہ کھودنے کو تیار ہے۔ عورت نے کہا کہ یہ سب چیزیں اس کے لئے بے کار ہیں۔ اس نے ان چیزوں کی بجائے اسے ایک سادہ سا تحفہ لانے کو کہا۔ یہ تحفہ اس کے بس میں تھا''۔

''سادہ سا تحفہ؟''۔ سائیسیرو نے پوچھا۔

''ہاں۔ ایک سادہ سا تحفہ۔ اس نے اُس نوجوان سے اپنی ماں کا دل لانے کو کہا۔ نوجوان وہ دل لایا۔ اُس نے چاقو لے کر اپنی ماں کے سینے میں گھونپ دیا' پھر اس کے سینے کو چیر کر دل باہر نکالا۔ ڈر اور احساسِ گناہ سے اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ جنگل کی طرف بھاگا۔ جہاں وہ مکار اور خوبصورت عورت رہتی تھی۔ دوڑتے دوڑتے اس کا پاؤں ایک درخت کی جڑ سے اٹک گیا اور وہ گر پڑا۔ دل اس کے ہاتھ سے پھسل کر دور جا گرا۔ وہ اس قیمتی دل کو اٹھانے دوڑ پڑا۔ اور جب وہ اس پر جھکا تو دل سے صدا آئی ''میرے بچے، تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟''۔

گراکس اپنی پالکی میں ٹیک لگا کر ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں ٹکرانے لگا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

''اچھا۔ پھر کیا ہوا؟''۔ سائیسیرو نے پوچھا۔

''بس۔ قصہ ختم۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہ ایک اخلاقی اور درگزر کرنے والی کہانی ہے''۔

''درگزر؟ یہ کہانی رومن نہیں ہے۔ ہم رومنوں میں درگزر نام کی کوئی چیز نہیں ہے''۔

''درگزر نہیں' محبت''۔

''اوہ''۔

''آپ تو محبت پہ یقین نہیں رکھتے۔ ہیں ناں؟''۔

''میں ان چیزوں سے پاک ہوں۔ میں ہر چیز سے ماورا ہوں۔ یہ کہانی رومن نہیں ہے''۔

''خدا کے لئے سائیسیرو، بس کرو۔ کیا تم روئے زمین پر موجود ہر مقدس چیز کی رومن یا غیر رومن میں درجہ بندی کر سکتے ہو؟''۔

''ہاں، اکثر چیزوں کی درجہ بندی ہو سکتی ہے''۔ سائیسیرو نے اعتماد سے کہا۔

''یہ شخص انسانیت سے خالی ہے''۔ گراکس نے سوچا ''یہ اُس وقت ہنستا ہے جب سمجھے کہ یہ موقع ہنسنے کے لئے اچھا ہے''۔

اس نے بلند آواز سے کہا:

''میں آپ کو نصیحت کرنے والا تھا کہ سیاست چھوڑ دیں''۔

''اچھا؟''۔

''بہر حال۔ مجھے یقین ہے کہ میری نصیحت آپ پر کوئی اثر نہیں کرے گی''۔

''آپ کے خیال میں مَیں سیاست میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہیں ناں؟''۔

''نہیں، میں یہ تو نہیں کہتا۔ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ سیاست ہوتی کیا ہے؟''۔

''میرے خیال میں سیاست بہت سی چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ ان چیزوں میں سے کوئی چیز خالص اور ستھری نہیں ہوتی''۔

''یہ چیزیں کسی دوسرے شعبے کی چیزوں جتنی ستھری یا گندی ہوتی ہیں''۔ گراکس نے کہا'' میں نے اپنی زندگی سیاست میں گزار دی''۔

''میں نے سنا ہے کہ آپ کی سب سے بڑی صلاحیت یہ ہے کہ آپ کو لوگوں کے نام یاد رہتے ہیں۔ کیا یہ بات سچ ہے کہ آپ کو ہزاروں لوگوں کے نام یاد ہیں؟'' سائیسیرو نے پوچھا۔

''یہ بھی سیاست کا ایک واہمہ ہے۔ میں ہزاروں آدمیوں کے نہیں بلکہ صرف چند لوگوں کے نام جانتا ہوں''۔

''میں نے سنا ہے کہ جینی بال کو اپنی فوج میں موجود ہر شخص کا نام یاد تھا''۔

''ہاں۔ اور اب ہم سپارٹیکس کو بھی اسی طرح کی یادداشت عطا کر دیں گے۔ مگر آپ تاریخ کی چھوٹی اور بڑی جھوٹی باتوں میں اتنی دلچسپی کیوں لیتے ہیں؟''۔

''ان میں سے اکثر''۔ گراکس غرایا'' تاریخ لالچ اور عیاری کا بیان ہے۔ یہ بیان کبھی بھی ایماندارانہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے میں نے آپ سے سیاست کے بارے میں پوچھا۔ کسی نے وہاں سلاریا محل میں کہا تھا کہ سپارٹیکس کی فوج میں کوئی سیاست نہ تھی۔ حالانکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا''۔

''چونکہ آپ سیاست دان ہیں اس لئے مجھے بتائیں کہ سیاستدان کیا ہوتا ہے''۔ سائیسیرو نے مسکرا کر پوچھا۔

''ایک دغاباز''۔ گراکس نے اختصار سے جواب دیا۔

''کم از کم آپ صاف گو آدمی تو ہیں!''۔

''یہ ہے میری خاصیت۔ اور یہ صلاحیت بہت قیمتی ہے۔ میری اس صاف گوئی کو لوگ دیانتداری سمجھتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم ایک جمہوریہ میں رہتے ہیں جہاں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کے پاس کچھ نہیں ہے اور کچھ کے پاس بہت کچھ ہے۔ اور جن مٹھی بھر لوگوں کے پاس بہت کچھ ہے، انہیں ہر حال میں وہ بہت کچھ ان لوگوں سے بچانا ہوتا ہے جن کے پاس کچھ نہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جن کے پاس بہت کچھ ہے انہیں بہر صورت اپنی جائیداد بچانی ہے۔ اس لئے جن لوگوں کے پاس کچھ بھی نہیں وہ یقیناً آپ کی، میری اور ہمارے میزبان انتونیئس جیسے لوگوں کی جائیداد کی خاطر مرمٹنے کو تیار ہوں گے۔ نیز ہم جیسے لوگوں کے پاس بہت سارے غلام ہیں۔ یہ غلام ہمیں پسند نہیں کرتے۔ ہمیں اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ وہ اپنے مالکوں کو پسند کرتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اور اسی لئے غلام ہمیں غلاموں سے نہیں بچائیں گے۔ لہذا وہ سارے لوگ جن کے پاس غلام نہیں ہیں، اس بات کیلئے مرمٹنے کو تیار ہوں گے کہ ہم اپنے غلام رکھ سکیں۔ روم کے پاس اڑھائی لاکھ فوج ہے۔ یہ سپاہی غیر ملکی سرزمین پر جانے، مارچ کرتے کرتے اپنے پاؤں گھسا ڈالنے، گندگی اور غلاظت میں رہنے اور خون سے کھیلنے کے خواہش مند ہیں تاکہ ہم محفوظ اور خوشحال رہ سکیں اور اپنی ذاتی جائیداد میں اضافہ کر سکیں۔ جب یہ سپاہی سپارٹیکس سے لڑنے گئے تو وہ ہمارے غلاموں ہی کا دفاع کرنے لگے۔ پھر بھی وہ غلاموں سے لڑتے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں مرے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ غلاموں سے لڑتے ہوئے جو کسان مرے، وہ لڑائی میں پیش پیش تھے۔ اس لئے کہ جاگیرداروں نے انہیں اپنی زمین سے نکال باہر کیا تھا۔ غلام یہ زمینیں بے زمینوں میں تقسیم کرتے ہیں اسی لئے یہ کسان ان زمینوں کی حفاظت کے لئے لڑتے ہیں۔ ذرا سوچئے تو سائیسیرو صاحب! اگر غلام فتح مند ہو جاتے ہیں تو رومن سپاہی کو کیا نقصان ہوتا ہے؟ غلاموں کو تو ان

فوجیوں کی ضرورت ہوگی، اس لئے کہ زمین کو کاشت کرنے کیلئے غلام کافی تعداد میں نہیں ہیں۔ زمین بہت ہے اور سب کو ملے گی۔ اور ہمارے فوجیوں کو اسی زمین کے ٹکڑے اور ایک مکان کی ضرورت ہے۔ مگر پھر بھی وہ اپنے خوابوں کو تباہ کرنے خود چلے جاتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ جو کچھ آپ نے کہا' اگر کوئی عام شخص یہ بات لوگوں میں بلند آواز سے کہہ دیتا تو ہم اسے صلیب پر چڑھا دیتے''۔

''سائیسیرو، سائیسیرو'' گراکس ہنس پڑا ''کیا یہ ایک دھمکی ہے؟ میں بہت موٹا ہوں' بھاری اور معمر ہوں' اس لئے صلیب پر چڑھایا نہیں جاسکوں گا۔ اور پھر آپ سچ سے اتنے پریشان کیوں ہیں؟ دوسروں سے جھوٹ بولنا تو ضروری ہے مگر کیا یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے جھوٹ پر اعتبار کریں؟''۔

''جیسے آپ کی مرضی۔ آپ اصل بات تو بھول گئے ہیں۔ کیا ہر شخص دوسرے شخص جیسا ہے؟ آپ کی چھوٹی سی تقریر میں یہی مغالطہ ہے۔ آپ اس بات کو حتمی سمجھتے ہیں کہ لوگ پھلی کے اندر مٹر کے دانوں کی طرح ایک جیسے ہوتے ہیں۔ میں ایسا نہیں سمجھتا۔ روم میں زعماء موجود ہیں جو کہ برتر انسان ہیں۔ میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ انہیں دیوتاؤں نے برتر بنایا' یا حالات نے۔ مگر حکمرانی کے لئے یہی لوگ موزوں ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ حکمرانی کیلئے موزوں ہیں، اس لئے وہ حکمرانی کرتے ہیں۔ اور چونکہ باقی لوگ مویشیوں کی مانند ہیں' اس لئے وہ حرکتیں بھی جانوروں کی طرح کرتے ہیں۔ کسی نظریئے کی وضاحت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ آپ سماجی تصویر کا ایک رخ پیش کررہے ہیں۔ مگر اگر سچ آپ کی تصویر کی جیسی غیر منطقی ہو تو پورا ڈھانچہ ایک دن میں زمین بوس ہوجائے۔ آپ اس غیر منطقی الجھاؤ کو قائم رکھنے والی چیز کی وضاحت کرنے میں ناکام رہتے ہیں''۔

''اسے میں قائم رکھتا ہوں'' گراکس نے کہا ''میں''۔

''آپ؟ تن تنہا؟''۔

''سائیسیرو۔ تم کیا واقعی سوچتے ہو کہ میں احمق ہوں؟۔ میں نے ایک طویل اور خطرناک زندگی گزاری ہے۔ اور میں آج بھی بلند ترین مقام پر ہوں۔ تم نے پہلے مجھ سے پوچھا کہ سیاست

دان کیا ہوتا ہے؟ سیاست دان اِسی گھر کا ستون ہے۔ امیروں کا طبقہ یہ کام اکیلا نہیں کرسکتا۔ پہلے پہل تو وہ بھی تمہاری طرح سوچتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رومن شہریوں کو یہ بات پسند نہیں کہ انہیں مال مویشی کہا جائے۔ وہ مویشی نہیں ہیں۔ یہ بات تم کسی دن جان جاؤ گے۔ اس کے علاوہ امیروں کا طبقہ شہریوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ اگر سب کچھ اسی طبقے پر چھوڑ دیا جائے تو سارا ڈھانچہ ایک دن میں دھڑام سے زمیں بوس ہوجائے۔ اس لئے وہ میرے جیسے لوگوں کے پاس آجاتے ہیں۔ وہ ہمارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہم لغو اور بے ہودہ کو پُرفریب اور مناسب شکل عطا کرتے ہیں۔ ہم لوگوں کو قائل کرتے ہیں کہ زندگی کا سب سے بڑا حاصل یہی ہے کہ امیر آدمی کے لئے جان دی جائے۔ ہم امیر کو قائل کرتے ہیں کہ انہیں اپنا خزانہ بچانے کیلئے کچھ خرچ کرنا ہوگا۔ ہم جادوگر ہیں۔ ہم ایک واہمہ گھڑ لیتے ہیں اور یہ واہمہ لوگوں کو بے وقوف بناتا رہتا ہے۔ ہم لوگوں سے کہتے ہیں کہ اقتدار کا سرچشمہ عوام ہیں۔ تمہارا ووٹ ہی روم کی طاقت اور عظمت ہے۔ تم ہی دنیا بھر میں آزاد لوگ ہو۔ تمہاری آزادی سے بڑھ کر قیمتی چیز اور کوئی نہیں۔ تمہاری تہذیب سے بڑھ کر تعریف کے قابل کوئی اور چیز نہیں۔ اور تم ہی اس کے مالک ہو۔ تم ہی قوت ہو۔ اور تب وہ ہمارے امیدواروں کے حق میں ووٹ دے دیتے ہیں۔ وہ ہماری شکست پر رو دیتے ہیں اور ہماری فتح پر خوشی سے ناچتے ہیں۔ وہ خود کو اعلیٰ وارفع محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ غلام نہیں ہیں۔ یہ بات نہیں کہ وہ کتنی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں، خواہ وہ گٹر کے اندر سوئے ہوئے ہوں، سارا دن اکھاڑے یا گھڑ دوڑ کے پویلین میں بیٹھے ہوں، اپنے بچوں کا پیدا ہوتے ہی گلا دباتے ہوں۔ خیراتوں پر زندہ رہتے ہوں اور پیدائش سے لے کر مرنے تک کوئی کام نہ کرتے ہوں۔ مگر پھر بھی وہ غلام نہیں ہیں۔ وہ نیچ ہیں مگر جب وہ کسی غلام کو دیکھتے ہیں تو ان کی گردنیں اکڑ جاتی ہیں اور وہ خود کو طاقت اور افتخار سے بھرا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ پھر انہیں معلوم ہے کہ وہ رومن شہری ہیں اور ساری دنیا ان کی دشمن ہے۔ یہ ہے میرا مخصوص فن سائیسیرو۔ سیاست کو کبھی حقیر نہ جانو''۔

مگران ساری باتوں نے سائیسیرو کے دل میں گراکس کے لئے کوئی تکریم پیدا نہ کی اور جب وہ بالآخر پہلی صلیب تک پہنچے (جو کہ روم کی دیواروں سے چند میل دور کھڑی کی گئی تھی) تو سائیسیرو نے اس موٹے شخص کی طرف اشارہ کیا جو بیزاری میں صلیب کے نیچے بیٹھا جمائیاں لے رہا تھا ''دیکھنے میں وہ ایک سیاستدان لگتا ہے''۔

''ظاہر ہے۔ وہ دراصل میرا پرانا دوست ہے'' گراکس نے پالکیاں رکوادیں اور خود بمشکل اپنی پالکی سے باہر نکلا۔ سائیسیرو نے بھی ایسا ہی کیا۔ اسے اپنے پاؤں ذرا سا سیدھا کر کے خوشی ہو رہی تھی۔ اب شام ہو رہی تھی اور شمال کی طرف سے گہرے بادل آسمان پر چھا رہے تھے۔ سائیسیرو اُن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اگر آپ جانا چاہتے ہیں، تو جائیے''۔ گراکس نے کہا۔ اُسے اب سائیسیرو سے مزید معاشقہ لڑانے کی کوئی خواہش نہ تھی۔ اُس کی برداشت اب جواب دے چکی تھی۔ سلاریا محل کے چند دنوں نے اس کی طبیعت خراب کر دی تھی۔ اسے خود پتہ نہ تھا کہ ایسا کیوں تھا؟ کیا وہ بوڑھا ہو رہا تھا یا پھر غیر محفوظ؟۔

''میں انتظار کروں گا''۔ سائیسیرو نے کہا اور پالکی کے پاس کھڑا ہو کر گراکس کو موٹے شخص کے پاس جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ یقیناً یہ سیاستدانوں کے مابین والی عجیب جمہوریت تھی۔ جو اپنے آپ میں ایک دنیا تھی۔

''آج رات'' سائیسیرو نے گراکس کو کہتے ہوئے سنا۔

موٹے آدمی نے اپنا سر ہلایا۔

''سیکسٹس؟'' گراکس غصہ سے بولا ''میں سیکسٹس کو کچھ نہیں سمجھتا۔ میں نے تمہیں اپنی پیش کش بتا دی۔ تم یا تو وہی کرو جو میں کہتا ہوں ورنہ جب تک میں جیوں گا یا جب تک تم زندہ رہو گے میں نہ تم سے بات کروں گا اور نہ تمہاری صورت دیکھوں گا۔ اور تمہاری زندگی اس لاش کے نیچے بیٹھ کر طویل نہ ہوگی''۔

''مجھے افسوس ہے گراکس''۔

''مجھے نہ بتاؤ کہ تمہیں افسوس ہے۔ ویسا ہی کرو جیسا میں کہتا ہوں''۔

پھر گراکس اپنی پالکی کی طرف واپس آیا اور اس میں بیٹھ گیا۔ سائیسیرو نے اس گفتگو کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔ مگر جب وہ شہر کے دروازے کے نزدیک آ گئے تو اسے دن میں گراکس کی سنائی ہوئی کہانی یاد آئی۔ اُس ماں کی کہانی جسے اپنے بیٹے سے بہت زیادہ محبت تھی۔

''یہ ایک دلچسپ کہانی تھی''۔

''سائیسیرو۔ کیا تم نے کبھی محبت کی ہے؟''۔

''اس طرح تو نہیں جس طرح کہ شاعر لوگ کرتے ہیں۔ مگر وہ کہانی....''

''کہانی؟ مجھے یاد نہیں کہ میں نے وہ کہانی کیوں سنائی تھی۔ میرا خیال ہے کہ کوئی بات ضرور تھی مگر اب میں بھول گیا ہوں''۔

شہر کے اندر وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور گراکس اپنے گھر چلا گیا۔ شام ہو چکی تھی۔ اسلئے اسے لیمپ کی روشنی میں نہانا پڑا۔ پھر اس نے اپنی نوکرانی سے کہا کہ میں کھانا ذرا دیر سے کھاؤں گا۔ مجھے ایک مہمان کا انتظار ہے۔ گراکس اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ لیٹ گیا اور اندھیرے میں اندھوں کی طرح لاابالی انداز میں دیکھنے لگا۔ اسے لیٹے لیٹے موت یاد آ رہی تھی۔ اندھیرے کے بارے میں ایک قدیم لاطینی قول تھا کہ ''جب تک کوئی شخص اپنی محبوبہ کے بغیر لیٹے گا اس کے لئے موت کی راہ کھلی ہے''۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس نے محبت نہیں کی تھی۔ اس نے منڈی سے عورتیں خرید رکھی تھیں۔ ورنہ مکار اور بوڑھے گراکس کے پاس خوشی یا رضا سے کب کوئی عورت آتی تھی؟ وہ داشتہ کے بطور اپنی خریدی ہوئی عورتوں کو استعمال کرتا تھا۔ مگر اس نے محبت کبھی نہ کی تھی۔

اسے ''اوڈیسی اَس'' کا ایک حصہ یاد آ رہا تھا جہاں اوڈیسی اَس شادی کے جھوٹے دعویداروں کو قتل کر کے اپنا بدلہ لیتا ہے۔ گراکس کو کلاسیکل ادب لفظ بہ لفظ سکھانے کیلئے بچپن میں کسی

یونانی استاد سے استفادہ کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ اس نے ادب خود پڑھ رکھا تھا۔ اسے ہمیشہ اوڈیسی اَس کی غیر انسانی اور وحشی نفرت پر حیرت ہوتی تھی جو وہ اپنی اُن غلام عورتوں پر روا رکھتا تھا' جو شادی کے لئے اپنے درخواست گزاروں کے ساتھ ہم بستری کر چکی تھیں۔ اسے یاد آیا کہ کس طرح اوڈیسی اَس نے ان بارہ عورتوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے محبوبوں کی لاشیں پائیں باغ تک لے جائیں اور دعوت کے ہال کے فرش سے اپنے محبوبوں کا خون کُھرچ کر صاف کریں۔ پھر اُس نے انہیں سزائے موت دے دی اور اپنے بیٹے کو سزا پہ عمل درآمد کا حکم دیا۔ بیٹا باپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ یہ ٹیلی ماکس تھا جس نے ایک رسی سے بارہ پھندے بنائے اور ان سب کو اکٹھا لٹکایا۔ جس طرح پَر اتاری ہوئی مرغیوں کو ایک لائن میں لٹکایا جاتا ہے۔

''ایسی نفرت کیوں؟''۔ گراکس حیران ہوتا تھا'' ایسی وحشت اور دہشت ناک نفرت کیوں؟ (حالانکہ گراکس ہی کی طرح اوڈیسی اَس ہر ایک غلام عورت کے ساتھ سوتا تھا) چنانچہ اس گھر میں پچاس غلام عورتیں داشتاؤں کی حیثیت سے موجود تھیں۔ اسی چیز کے لئے تو صبر کرنے والا'' پی نی لوپیا'' انتظار کرتا رہا۔

گو کہ گراکس بھی یہی کرتا تھا۔ البتہ وہ شاید زیادہ مہذب تھا کہ وہ ایسی کسی غلام عورت کو قتل نہ کرتا جو کسی اور کے ساتھ سوئی ہو۔ مگر عورتوں کے ساتھ تعلقات میں کچھ فرق نہ تھا۔ اپنی پوری طویل زندگی میں اس نے خود کو اس بات پہ پریشان نہ کیا کہ عورت کیا ہوتی ہے؟ اس نے سائیسیر وسے دکھاوا کیا کہ وہ چیزوں کی لازمی سچائی کو شناخت کرنے سے خوفزدہ نہ تھا۔ مگر دنیا میں عورت کی حقیقت ایک ایسی حقیقت تھی جس کا سامنا کرنے کی اس میں جرات نہ تھی۔ اور اب آخر کار اس نے ایک عورت ڈھونڈ لی تھی جو بہت اچھی تھی۔ مشکل یہ تھا کہ اسے ابھی تک وہ عورت تلاش کرنا تھی۔

ایک غلام نے آہستگی سے دروازہ تھپکایا۔ اور جب گراکس نے جواب دیا تو اس نے اسے اطلاع دی کہ مہمان پہنچ گیا ہے۔

''میں ابھی آتا ہوں۔ اسے آرام سے رکھو۔ وہ گندا اور شکستہ حال ہے' مگر اگر کسی نے اسے حقارت سے دیکھا تو میں اس پہ کوڑے برساؤں گا۔ اسے ہاتھ دھونے کیلئے گرم پانی مہیا کر دو اور پھر اسے ایک چوغہ دے دو تا کہ وہ خود کو ڈھانپ لے۔ اس کا نام فلیوئیس مارکوس ہے۔ اسے شائستگی کے ساتھ اس کے نام سے مخاطب کرو''۔

ظاہر ہے کہ حکم کی تعمیل ہوئی' اس لئے کہ جب گراکس ڈائننگ روم میں داخل ہوا تو وہ موٹا شخص گدے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ صاف ستھرا اور معزز لگ رہا تھا۔ البتہ اسے شیو کی ضرورت تھی۔ جب گراکس داخل ہوا تو اس نے اپنی داڑھی کو رگڑا۔'' اگر آپ سارے انتظامات میں شیو کا اضافہ کر لیتے .....''۔

''فلیوئیس مجھے بھوک لگی ہے، اس لئے آؤ کھانا کھاتے ہیں۔ تم رات یہیں بسر کرو۔ صبح میرا نائی تمہاری شیو بنا دے گا۔ میں ایک صاف چوغہ اور عمدہ جوتے بھی تمہیں دوں گا۔ ہمارا قد کاٹھ ایک جیسا ہے اس لئے میرے کپڑے تمہیں پورے آئیں گے''۔

وہ ایک ہی قد کاٹھ کے تھے اور بہت حد تک مشابہ بھی۔ ان پر آپس میں بھائی ہونے کا گمان ہوتا تھا۔

''بشرطیکہ تمہیں اس بات کا خوف نہ ہو کہ سیکسٹس تمہاری مرمت کرے گا کہ تم اس کی حقیر سی نوکری چھوڑ کر میرا ایک چھوٹا سا کا کام کرو گے''۔

''ہاں۔ آپ کے لئے یہ بات کرنا آسان ہے''۔ فلیوئیس نے روہانسی آواز میں کہا۔'' گراکس تمہاری قسمت بہت اچھی ہے۔ دولت' آرام' عزت اقتدار' وقار سب کچھ تمہیں میسر ہے۔ تمہارے لئے زندگی مکھن جیسی ہے۔ مگر میرا معاملہ اور ہے۔ کوئی شخص ایک سڑی ہوئی لاش کے نیچے بیٹھ کر مسافروں سے اس لئے دروغ گوئی کرے کہ اس کی ہتھیلی پر ایک آدھ سکہ رکھ دیا جائے گا' کیا وہ کوئی وقار اور فخر محسوس کر سکتا ہے؟ بھکاری ہونا تلخ اور شرمناک ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی جب میں ذلت کے گڑھے کی عمیق ترین گہرائی تک پہنچ گیا تو سیکسٹس نے کچھ تو مجھے سہارا دیا۔ اب جب میں پھر اس کے پاس جاؤں گا تو وہ کہے گا...'' آہ تمہیں اب میری ضرورت نہیں۔ اپنے دوست اور مربی گراکس کے پاس جاؤ''۔ وہ یہی کہے گا۔ وہ تم سے نفرت کرتا ہے' وہ مجھ سے نفرت کرے گا''۔

''کرنے دو اُسے نفرت'' گراکس نے کہا۔''تم' وہی کرو جو میں کہتا ہوں۔اور میں تمہیں شہر میں کوئی نوکری دے دوں گا۔منشی گیری یا اسی طرح کی کوئی نوکری تاکہ تم کچھ پیسے بچا بھی سکو اور ایک شائستہ زندگی گزار سکو۔تمہیں دوبارہ رینگ رینگ کر سیکسٹس کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی''۔

''ایک زمانے میں میرے بہت سارے دوست ہوا کرتے تھے۔اس وقت میں اُن کے لئے کارآمد تھا۔اب مجھے غلاظت میں مرنا ہے۔۔۔۔۔''

''تم میرے لئے کارآمد ہو'' گراکس نے اس کی بات کاٹی'' اب کھانا کھالو اور رونا دھونا بند کردو۔حد ہوگئی۔خوش قسمتی تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے۔اور تم اسے خوش آمدید کہنے سے بھی خوف زدہ ہو۔معلوم نہیں تم ڈرتے کس چیز سے ہو؟''۔

خوراک اور شراب نے فلیوس کو تازگی بخشی۔گراکس کے پاس ایک مصری باورچن تھی۔وہ بہترین کھانا بناتی تھی۔خصوصاً پرندے میں چلغوزے اور عمدہ جَو بھر لیتی۔اور اسے برانڈی اور انجیر کے شربت کے ساتھ آہستہ آہستہ پکاتی۔یہ ڈش وہ آنتڑی کے اندر پکے ہوئے لیلے کی زبان اور چکوترے کے پھل کے ساتھ پیش کرتی تھی۔اس عورت کا پکایا ہوا کھانا بہت مشہور تھا۔پہلے پہل خربوز ہ لایا گیا جس کے بعد یہ دواطعام۔پھر قیمہ کی ہوئی جھینگا مچھلی کی یخنی پیش کی گئی۔اس کے بعد انگور اور کھجور کی میٹھی پوڈین پیش کی گئی جس کے پہلوؤں میں سور کے گوشت کے قتلے رکھے ہوئے تھے۔پھر مچھلی کے ساتھ بھنی ہوئی کمبی (مشروم) کی ڈش آئی اور آخر میں سویٹ ڈش کے طور پر بادام اور کنجد کی پیسٹری پیش کی گئی۔گرم سفید روٹی اور بہترین سرخ شراب اس کے علاوہ تھے۔جب وہ کھانا کھا چکے تو فلیوئیس گدّے پر مسکراتا ہوا دراز ہوگیا۔اس کی بڑی توند آہستہ آہستہ پھیلتی سکڑتی جارہی تھی۔ اس نے کہا۔

''گراکس مجھے اس طرح کا کھانا کھائے ہوئے پانچ سال ہوگئے ہیں۔اچھی خوراک دنیا کی بہترین نعمت ہوتی ہے۔تم ہر رات اسی طرح مزے اڑاتے ہو۔ہاں' گراکس تم ہوشیار آدمی ہو اور میں بوڑھا احمق۔میرا خیال ہے تم اس کے مستحق بھی ہو۔اور مجھے حسد کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ہاں۔اب کہو کیا کام ہے۔میں ابھی تک کچھ لوگوں کو جانتا ہوں۔کچھ غنڈوں، چاقو بازوں، کچھ ڈاکوؤں، بھڑووں اور کچھ حسیناؤں کو جانتا ہوں۔پتہ نہیں میں کونسا ایسا کام کرسکتا ہوں جو تم نہیں کر سکتے یا مجھ سے بہتر کسی اور سے نہیں کرا سکتے۔لیکن بہرحال۔میں تیار ہوں''۔

گراکس نے برانڈی کے دو جام بھرے۔ایک اسے دے دیا اور ایک اپنے سامنے رکھ دیا۔وہ کہنے لگا۔''میرے خیال میں فلیوئیس! تم میں کچھ خوبیاں موجود ہیں۔مجھے ایسے لوگ مل سکتے تھے جو روم میں ہر اُس شخص کو جانتے ہوں جو جسموں، روحوں اور دکھوں کا سودا کرتا ہو۔مگر میں اس کام کے لئے کسی ایسے شخص کو نہیں لاسکتا جو بعد میں ڈھول نہ پیٹے۔میں یہ کام خاموشی اور احسن طریقے سے کرانا چاہتا ہوں''۔

''میں اپنا منہ بند رکھ سکتا ہوں'' فلیوئیس نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔اسی لئے تو میں تم سے بات کررہا ہوں۔میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لئے ایک عورت ڈھونڈو۔ایک غلام عورت۔میں چاہتا ہوں کہ تم اُسے تلاش کرو اور خرید لو۔قیمت کی پرواہ نہ کرو۔اور اس مد میں جو بھی اخراجات ہوں گے' میں کروں گا''۔

''کس قسم کی عورت؟ منڈی میں غلام عورتیں بہت ہیں۔جنگِ غلاماں کے اختتام پر اِن عورتوں کی بھرمار ہوگئی ہے اور ان کی قیمت بھی کوئی خاص نہیں۔میرا خیال ہے کہ جس طرح کی عورت بھی تمہیں چاہیئے .....میں ڈھونڈ سکتا ہوں۔کالی' سفید' زرد یا بھوری۔کنواری یا پوہڑ، بوڑھی یا نوجوان' خوبصورت یا بھدی، گوری، مغربی یورپ کی سانولی عورت' سرخ بالوں والی....جس طرح کی عورت تمہیں چاہیئے' میں ڈھونڈ لاؤں گا''۔

''مجھے ایک خاص عورت چاہیئے'' گراکس نے آہستگی سے کہا۔

''وہ ہے غلام؟''۔

''ہاں''۔

''کون ہے وہ؟''

''اس کا نام ورینیا ہے اور وہ سپارٹیکس کی بیوی تھی''۔

''آہ...'' فلیوئیس نے حیرت سے گراکس کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے برانڈی کی چسکی لی۔ اور دوبارہ گراکس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کہاں ہے وہ؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم''۔

''مگر کیا تم اسے جانتے ہو؟''۔

''جانتا ہوں بھی اور نہیں بھی۔ میں نے اُسے کبھی دیکھا نہیں''۔

''آہ.....''

''بند کرو یہ استخارہ کرنے کی قدیم یونانی مندروالی آہ''۔

''میں عقل کی بات سوچ رہا تھا''۔

''میں تمہیں ایک ایجنٹ کی حیثیت سے کرایہ پر لے رہا ہوں نہ کہ ایک دل بہلانے والے کی حیثیت سے''۔ گراکس غرایا ''تم جانتے ہو کہ میں تم سے کیا کرانا چاہتا ہوں''۔

''تم مجھ سے ایک عورت تلاش کروانا چاہتے ہو مگر یہ نہیں جانتے کہ وہ ہے کہاں۔ تم نے اسے دیکھا بھی نہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کیسی لگتی ہے؟''۔

''ہاں۔ وہ خاصی لمبی ہے، صحتمند ہے۔ ابھرا ہوا سینہ، بھری ہوئی پستانیں ہیں۔ وہ جرمن ہے، اس کے بھورے جرمن بال ہیں اور نیلی آنکھیں۔ کان چھوٹے چھوٹے ہیں، پیشانی کشادہ ہے۔ ستواں ناک، گہری خوبصورت آنکھیں اور خوبصورت گلابی ہونٹ۔ وہ لاطینی زبان معمولی جانتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ یہ ظاہر کرے کہ اسے لاطینی بالکل نہیں آتی۔ وہ یونانی بہتر بولتی ہے۔ لہجہ ذرا سا تھریشین ہے۔ اس نے پچھلے دو ماہ میں بچہ بھی جنم دیا ہوگا۔ مگر ہوسکتا ہے کہ بچہ مر چکا ہو۔ اگر بچہ مرا بھی ہو تب بھی اس کی پستانوں میں دودھ ہوگا۔ ہیں ناں؟''۔

''ضروری نہیں۔ اس کی عمر کیا ہوگی؟''۔

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ کم از کم 23 سال۔ ہوسکتا ہے کہ زیادہ ہو۔ 27 سال تک۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا''۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ مر چکی ہو''۔

''یہ بھی ممکن ہے۔ اس کا تم پتہ لگاؤ گے۔ اگر وہ مر گئی ہو تو اس کا ثبوت لاؤ۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ مر نہیں گئی۔ وہ خودکشی کرنے والی عورت نہیں ہے اور اُس جیسی عورت کو قتل بھی نہیں کیا جاسکتا''۔

''تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ خودکشی نہیں کرے گی؟''۔

''میں جانتا ہوں مگر اس کی وضاحت نہیں کرسکتا''۔

''جب سپارٹیکس کو شکست ہوئی تھی'' فلیوئیس نے کہا ''تو کیا انہوں نے اُس کے کیمپ پر قبضہ کیا تھا جہاں دس ہزار عورتیں اور بچے تھے؟''۔

''وہاں بائیس ہزار عورتیں اور بچے تھے۔ بارہ ہزار کی متاع لٹ گئی۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے گندا سکینڈل کبھی نہیں سنا۔ کراسس اس سکینڈل کی پشت پناہی کررہا تھا۔ اس نے غنیمت میں سے اپنا حصہ خزانے کو دے دیا۔ وہ اس کے لئے کوئی بڑی قربانی نہ تھی کیوں کہ اس کے حصے کی قیمت بہت کم تھی۔ اس نے اپنے پاس کوئی غلام نہ رکھ کر کوئی بڑی قربانی نہ دی۔ اسے پتہ تھا کہ منڈی میں غلاموں کی قیمت کیا ہوگی''۔

''کیا ورینیا ان عورتوں میں تھی؟''۔

''ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ وہ ان کے سربراہ کی بیوی تھی۔ اس کی حفاظت کیلئے انہوں نے خاص تدبیریں کی ہوں گی''۔

''پتہ نہیں۔ غلاموں نے مساوات کو ایک مذہبی فرض کے طور پر اپنا رکھا تھا''۔

گراکس اپنا گلاس غٹا غٹ پی گیا اور دوسرا جام بھرنے لگا۔

''تم یہ کام کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟ تم اس کو حل کرنے کے بارے میں رائے نہ دو''۔

''تم مجھے کتنی مہلت دو گے؟''۔

''تین ہفتے''۔

''آہ۔ نہیں نہیں''۔ فلیوئیس نے حیرت سے اپنے ہاتھ پھیلائے۔ ''یہ مدت تو بہت تھوڑی

ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ روم میں ہو ہی نہ۔ تب تو مجھے اپنے آدمی کاپوآ، سسلی، اور شاید سپین وافریقہ بھیجنے پڑیں گے۔ کچھ مناسب بات کرو''۔

''میں جتنا مناسب ہوسکتا ہے بات کررہا ہوں۔ گم ہوجاؤ۔ جاؤ، سیکسٹس سے بھیک مانگتے پھرو''۔

''ٹھیک ہے گراکس۔ غصہ نہ کرو۔ مگر فرض کرلو کہ مجھے کئی عورتیں خریدنی پڑیں۔ اس لئے کہ پتہ نہیں کتنی جرمن عورتوں کی شکلیں تمہاری بیان کردہ شکل کی ہوں؟''۔

''بہت زیادہ۔ مگر مجھے ایسی عورت نہیں چاہیئے جو محض اس شکل وشباہت والی ہو۔ مجھے ورینیا چاہیئے''۔

''اوراگر میں اسے تلاش کرلوں تو خریدنے کے لئے کتنے پیسے دے سکتا ہوں؟''۔

''جو بھی قیمت دینی پڑے۔ تمہیں اختیار ہے''۔

''ٹھیک ہے۔ گراکس مجھے منظور ہے۔ مجھے اس بہترین برانڈی کا ایک اور جام پلاؤ''۔

اسے برانڈی کا جام بھر کر دیا گیا۔ فلیوئیس اپنے گدّے پر دراز ہوکر چسکیاں لیتا رہا۔ اس نے گراکس سے پوچھا۔''کیا خیال ہے گراکس، مجھ میں کچھ صلاحیتیں تو موجود ہیں؟''۔

''یقیناً ہیں''۔

''مگر پھر بھی میں غریب ہوں۔ پھر بھی میں ناکام ہوں۔ خیر، گراکس میں تم سے آخری سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نہ چاہو تو جواب نہ دو مگر غصہ نہ کرو''۔

''پوچھو''۔

''تم اس عورت کو کیوں چاہتے ہو؟''

''میں غصہ نہیں کررہا۔ مگر میرا خیال ہے کہ اب ہمیں سونا چاہیے۔ ہم اب اتنے جوان نہیں رہے جتنا کہ ہوا کرتے تھے''۔

مگر اُس زمانے میں نہ تو دنیا آج کی طرح وسیع تھی اور نہ پیچیدہ۔ اور دیئے گئے تین ہفتوں سے قبل ہی فلیوئیس گراکس کے گھر پہنچ گیا۔ اور اپنی کامیابی کا اعلان کردیا۔ پیسہ نرم سطح رکھتا ہے اور جو اُسے استعمال کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں یہ غلام بن جاتا ہے۔ فلیوئیس آج مختلف تھا۔ صاف ستھرا لباس پہنے، شیو بنائی ہوئی، اور خود پر بہت مطمئن۔ اس نے ایک مشکل مسئلہ جو حل کیا تھا۔ وہ گراکس کے ساتھ بیٹھ کر شراب پی رہا تھا اور اپنی علمیت بگھار رہا تھا۔ اور گراکس اپنی بے صبری پر قابو پانے کی کوشش کررہا تھا۔

''میں نے ان افسروں کے دفتروں تک پہنچنے کا مشکل کام شروع کیا جنہوں نے مالِ غنیمت میں حصہ لیا تھا''۔ فلیوئیس نے تفصیل بتانی شروع کی''میرا خیال تھا کہ چونکہ ورینیا خوبصورت ہے اس لئے اسے سب سے پہلے چنا گیا ہوگا۔ مگر چونکہ غلاموں کو ملکیت بنانا غیر قانونی تھا اور چونکہ پانچ چھ سو افسر اس لوٹ میں شامل تھے اور ان میں سے بہت کم اس بارے میں زبان کھولنے پر تیار تھے، اس لئے کام اتنا آسان نہ تھا۔ مگر قسمت نے ساتھ دیا۔ لوگوں کو یاد تھا کہ ورینیا دردِزہ میں تھی جب انہیں غلاموں کی شکست کی خبر ملی۔ لوگوں کو یہ عورت یاد تھی جو اپنے نوزائیدہ بچے سے جدا نہیں ہوسکتی تھی۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اس کا نام ورینیا تھا اور وہ سپارٹیکس کی بیوی تھی۔ کراسس نے لڑائی کے خاتمے کے فوراً بعد گھڑ سواروں کا ایک دستہ غلاموں کے گاؤں کیمپ یا شہر (جو بھی اسے کہا جائے) بھیج دیا تھا۔ اس کے بعد پیدل فوج گئی۔ وہاں پر موجود عورتوں، بچوں اور تیرہ چودہ سال کے لڑکوں نے زیادہ لڑائی نہیں کی۔ ان پہ سکتہ طاری تھا۔ انہوں نے غلاموں کی شکست کی خبر ابھی سنی تھی۔ مگر آپ تو جانتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر سپاہیوں کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ غلاموں سے لڑائی کوئی پکنک نہیں ہوتی۔ وہ......''

''مجھے سپاہیوں کی طبیعت سے کوئی سروکار نہیں''۔ گراکس نے کہا''مجھے اصل بات بتاؤ''۔

''میں تو صرف صورت حال بیان کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ پہلے پہل

تو انہوں نے بے شمار لوگوں کو خواہ مخواہ قتل کرنا شروع کیا۔ اس لئے کہ ہمارے سپاہی غصے میں تھے۔ ورینیا ابھی ابھی بچہ جن چکی تھی۔ مجھے اس کے بارے میں ایک قصہ معلوم ہوا کہ ایک سپاہی نے بچے کو ٹانگ سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور خیمے کے ڈنڈے سے دے مارنا چاہا جہاں اگر وہ لگ جاتا تو اس کا مغز ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ کراسس نے خود اُسے بچالیا۔ اس نے بچے کو بچالیا اور سپاہی کو بہ نفس نفیس مار مار کر ادھ موا کر دیا گیا۔ کراسس کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا ہے۔ ہیں ناں؟''

''مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں کہ کراسس کے بارے میں کیا سوچا جا سکتا ہے اور کیا نہیں۔ فلیوئیس، تم بکواس کرنے کے کس قدر عاری ہو۔ تمہیں ورینیا ملی کہ نہیں؟۔ تم نے اُسے خریدا کہ نہیں؟''۔

''میں اسے خرید نہ سکا''۔

''کیوں؟'' گراکس اچانک چنگھاڑا۔ وہ غصے سے لال بھبھوکا ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ فلیوئیس کی طرف بڑھا اور فلیوئیس دبکتا چلا گیا۔ گراکس نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور اسے مروڑ کر چیخا ''کیوں؟ کیوں بے موٹے، بیکار آوارہ گرد' کیوں؟ کیا وہ مر چکی ہے؟ اور اگر تم نے کھیل بگاڑ لیا تو میرا قول ہے کہ تمہیں غلاظت کے ڈھیر میں پھینک دوں گا، حقارت کے ذلیل گڑھے میں''۔

''وہ مری نہیں ہے''۔

''الّو سوّر۔ تم اصل بات کرتے کیوں نہیں، اِدھر اُدھر کی بکواس کیوں کرتے ہو؟ تم نے اُسے کیوں نہیں خریدا؟'' اس نے فلیوئیس کا گریبان چھوڑ دیا۔ مگر وہیں اُس کے سر پر ہی کھڑا رہا۔

''آپ اپنے جذبات کو ذرا سا ٹھنڈا کر لیں''۔ فلیوئیس نے اچانک مگر زور سے کہا ''تم نے مجھ سے ایک کام کرنے کا کہا تھا جو میں نے کر لیا۔ شاید میں تمہاری طرح امیر نہیں، یہ بھی درست ہے کہ میں دھتکارے ہوئے لوگوں میں سے ہوں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم مجھ سے اس لہجے میں بات کرو۔ میں تمہارا غلام نہیں ہوں۔ میں ذلیل آدمی ہوں، مجھے مزید ذلیل کرنے کا اختیار تمہیں نہیں''۔

''میں معافی چاہتا ہوں''۔

''میں نے اسے اس لئے نہیں خریدا کہ وہ فروخت کے لئے نہیں ہے۔ یہ ہے ساری بات''۔

''قیمت؟''۔

''قیمت نہیں۔ اس کی کوئی قیمت نہیں۔ وہ کراسس کی ہے۔ وہ اس کے گھر میں رہتی ہے۔ اور بکنے کیلئے نہیں ہے۔ تمہارے خیال میں میں نے کوشش نہ کی ہوگی؟ کراسس کا پوآ گیا ہوا تھا، اس لئے میں نے اس کے ایجنٹوں سے بات چلائی۔ مگر وہاں کوئی بات چل ہی نہیں سکتی۔ وہ اس موضوع پر بات نہیں کرتے۔ جونہی ورینیا کی بات آجاتی اُن کے ہونٹ جیسے سل جاتے۔ وہ اسے جاننے تک سے انکار کرتے تھے۔ وہ قیمت کی بات کرتے ہی نہ تھے۔ میں نے ان کی ہتھیلیوں پر پیسوں کی جھنکار کر دی مگر پیسہ کسی کام نہ آیا۔ اگر میں حجام، باورچی یا گھر کی منتظمہ خریدنے کی بات کرتا تو وہ مل سکتی تھیں۔ حتیٰ کہ وہ ایک خوبصورت شامی عورت کا سودا کرنے پر بھی تیار ہو گئے جسے کراسس پچھلے سال ہی خرید لایا تھا۔ مگر ورینیا کے بارے میں انہوں نے لب تک نہ ہلائے''۔

''پھر تمھیں کیسے پتہ چلا کہ وہ ورینیا ہے''؟

''میں نے وہ اطلاع کپڑوں کی الماری والے غلام سے خریدی۔ مگر یہ نہ سمجھو کہ کراسس کا گھرانہ خوشحال ہے۔ اس کا ایک بیٹا ہے جو اُس سے شدید نفرت کرتا ہے۔ ایک بیوی ہے جو اسکے پاس نہیں رہتی اور موقع ملے تو اس کا گلہ کاٹ دے گی۔ اور وہاں اتنی سازشیں ہوتی ہیں جتنی کہ دمشق میں ہوتی ہیں۔ میں اطلاع تو خرید سکتا تھا مگر ورینیا کو نہیں''۔

''کیا تم نے معلوم کیا کہ وہ ورینیا کو کیوں لایا؟۔ وہ اسے کیوں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے''۔

فلیوئیس کھی کھی کرنے لگا ''ہاں ہاں۔ میں نے معلوم کیا۔ کراسس اس سے محبت کرتا ہے۔''

''کیا''؟۔

''جی ہاں۔ عظیم کراسس محبت میں گرفتار ہے''۔

پھر گراکس نے جان بوجھ کر اور آہستگی سے کہا ''خُدا تمھیں غرق کرے فلوئیس، تم اس بات کو باہر نہیں دُوہراؤ گے۔ اور اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم نے یہ بات کسی اور سے کہی تو میں تمھیں صلیب پر چڑھادوں گا۔''

''اس لہجے میں بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ گراکس۔ تم دیوتا نہیں ہو''۔

''نہیں نہیں۔ میرا دیوتا یا دیوتاؤں سے دُور کا تعلق بھی نہیں۔ مگر میں دیوتا سے اس قدر قریب ہوں کہ تمہیں مزہ چکھا سکتا ہوں اور تمہیں صلیب دکھا سکتا ہوں۔ اگر یہ بات باہر گئی تو۔ میرا قول یاد رکھنا۔''

4

دوسرے روز سہ پہر کو گراکس حمام جانے کے لے تیار ہوا۔ یہ عمل سیاسی مقاصد کا حامل تھا اور اسکے بہت سے فوائد تھے۔ عوامی حمام روز بروز سیاسی وثقافتی مراکز بنتے جارہے تھے۔ حماموں میں سینیٹر اور مجسٹریٹ تعین کئے اور نکالے جاتے تھے۔ وہیں پہ سیاسی کلب تھے اور وہیں پہ سٹاک ایکس چینج تھے۔ اس لئے وہاں وقفے وقفے سے چکّر لگانا ایک مجبوری بن گئی تھی۔ گراکس تین بڑے اور خوبصورت حماموں کی سرپرستی کرتا تھا۔ ان میں سے ایک نیا تھا اور دو نسبتاً پرانے، مگر خوبصورت تھے۔ اس کے باوجود کہ سب شہریوں کو ان کے اندر جانے کی اجازت نہ تھی، داخلہ فیس بہت کم تھی۔ صرف سماجی حیثیت ہی نچلے طبقے کو وہاں جانے سے روکتی تھی۔

جب موسم خوشگوار ہوتا تو سارا روم سہ پہر کو گھروں سے باہر نکل جاتا۔ حتیٰ کہ روم کے مزدوروں کی بقیہ حقیر تعداد بھی۔ سہ پہر آزاد لوگوں کا وقت تھا۔ غلام مشقت کرتے تھے اور روم کے شہری آرام کرتے تھے۔

گراکس کو بہرحال کھیلوں میں کم دلچسپی تھی اور وہ گھڑ دوڑ میں بھی کبھی کبھی جاتا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے قدرے مختلف تھا۔ وہ ننگ دھڑنگ آدمیوں کی لڑائی نہیں دیکھ سکتا تھا جس میں ہر ایک کے ہاتھ میں چاقو پکڑا دیا جاتا تھا تاکہ وہ ایک دوسرے کو اس وقت تک چیریں پھاڑیں، جب

تک کہ وہ بہتے ہوئے خون اور لٹکتے ہوئے گوشت کے لوتھڑوں کا مجموعہ نہ بن جائیں۔ اسے اس پیچ وتاب کھاتے ہوئے شخص کے دیکھنے میں ذرا بھی خوشی نہ ہوتی تھی جو ایک جال میں پھنسا ہوا ہو، جس کی آنکھیں پھوڑ دی گئی ہوں اور ایک سہ شاخہ نے اس کا پیٹ پھاڑ رکھا ہو۔ کبھی کبھار وہ کسی سہ پہر کو جا کی دوڑ میں جایا کرتا تھا۔ مگر آج کل یکّوں (ٹانگوں) کی دوڑ مقبول ہوتی جارہی تھی۔ یہ دوڑ روز بروز مخالف ڈرائیوروں کے بیچ ایک جسمانی مقابلہ بنتا جارہا تھا اور تماشائی جو اس وقت تک مطمئن ہوتے ہی نہ تھے جب تک کہ ایک کا سر نہ ٹوٹ جائے یا کسی کے جسم کے پرخچے نہ اڑتے۔ اس کھیل سے گراکس کو اکتاہٹ ہوتی تھی۔ یہ بات نہ تھی کہ وہ دوسروں سے زیادہ نرم دل تھا بلکہ بات صرف یہ تھی کہ وہ احمقانہ حرکتوں سے نفرت کیا کرتا تھا اور اس کی نظر میں یہ احمقانہ کھیل تھا۔ تھیٹر تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اور وہ صرف رسمِ افتتاح پر جایا کرتا تھا جہاں پر اسے اعزاز سے نوازا جاتا۔ سہ پہر کو اس کی سب سے بڑی مسرت حمام کی طرف جانے میں تھی۔ وہ اپنے محبوب شہر کی گندی، مڑی تڑی اور لمبی گلیوں سے ہوتا ہوا حماموں کی طرف جاتا تھا۔ روم سے وہ ہمیشہ محبت کرتا تھا۔ روم اس کی ماں تھی۔ وہ اکثر خود سے کہا کرتا تھا کہ اس کی ماں ایک رنڈی ہے اور اسے اپنی ماں کی گود سے بے دخل کر کے اسے گلی کی غلاظت میں پھینک دیا گیا تھا۔ مگر پھر بھی ابھی تک وہ اپنی ماں سے پیار کرتا تھا۔ اور اس کی ماں اس سے پیار کرتی تھی۔ وہ سائیسیرو سے بھلا کیا وضاحت کرتا کہ اس پرانے قصے کو دہرانے سے اس کا مطلب کیا تھا؟ سائیسیرو کو پہلے روم سے محبت کرنا تھی اور اس محبت کو اس شہر کی برائی اور گندگی کے بارے میں جانکاری سے مربوط کرنا تھا۔

اس برائی اور گندگی کو گراکس سمجھتا تھا۔ ''میں تھیٹر کیوں جاؤں؟'' اس نے ایک بار اپنے ایک دانشور دوست سے پوچھا تھا ''کیا وہ ایک ایسی سٹیج ترتیب دے سکتے ہیں جو میں اندرونِ شہر گلیوں میں دیکھتا ہوں؟''۔ یہ گلیاں قابل دید تھیں۔ آج اس نے مسرت سے لبریز ہوکر یہ نظارہ کیا۔

پہلے پہل وہ منڈی گیا جہاں سٹال مزید ایک گھنٹہ کھلے رہنے کے بعد بند ہوجاتے ہیں۔ ان گلیوں میں جانے کے لئے تیکھی عورتوں سے دھکم پیل کرتے ہوئے اپنا راستہ بنانا پڑتا ہے۔ مگر وہ آہستگی سے جارہا تھا۔ وہ اپنے سفید چوغے میں ایسے لگتا تھا جیسے ہلکی سی ہوا میں جنگی بحری جہاز چلے۔

روم کی ساری خوراک یہیں پر موجود تھی۔ یہاں پر منوں کے حساب سے پنیر موجود تھا۔ گول پنیر ،مربع پنیر ،کالا، سرخ اور سفید پنیر۔ یہاں مچھلی اور ہنس ٹنگے ہوئے تھے' ذبح شدہ سور تھے' گائے کی رانیں' نازک لیلے اور ہیئرنگ مچھلی اور اچار کے ڈرم تھے جن کی خوشبو تیز اور اچھی تھی۔ یہیں پر گال سے لائی ہوئی ہرن کی رانیں تھیں اور ہر جگہ اوجھریاں ٹنگی ہوئی تھیں۔

پھر وہ سبزیوں کے حصے میں نکل آیا۔ اسے وہ زمانہ یاد آیا جب روم کے مضافات میں بیس بیس میل تک ہر کسان کے پاس سبزی کا باغیچہ ہوا کرتا تھا اور جب پورا شہر سبزی کی مختلف اقسام کھاتا تھا۔ مگر اب تو جاگیروں کے مالک نقد آور فصلوں میں دلچسپی رکھتے تھے، خواہ وہ گندم ہوتی یا جَو۔ اور سبزیوں کی قیمت اتنی چڑھ گئی تھی کہ سوائے حکمران طبقہ کے کوئی خرید نہیں سکتا تھا۔ پھر بھی وہاں مولی اور شلغم کے انبار دیکھے جا سکتے تھے۔ پانچ قسموں کا سلاد، لوبیا اور گوبھی، خربوزہ اور کُمبی' افر یقی لیموں اور سرخ سرخ انار، عرب کے سیب' ناشپاتی، انجیر، کھجور اور مصر سے انگور اور خربوزوں کے انبار رکھے ہوئے تھے۔

''محض ان پر نگاہ ڈال کر مسرت ہوتی ہے''۔ اس نے سوچا۔ وہ چلتا رہا۔۔۔ اور اب وہ شہر کی یہودی آبادی کے علاقے میں سے گزر رہا تھا۔ وہ کس قدر عجیب لوگ تھے۔ اتنے عرصے سے روم میں آباد تھے اور ابھی تک اپنی زبان بولتے تھے اور اپنے خدا کی عبادت کرتے تھے، داڑھی رکھے ہوئے تھے اور موسم خواہ جیسا ہو، وہ اپنے لمبے دھاری دار چوغے پہنتے تھے۔ وہ کھیلوں یا دوڑوں میں نظر نہیں آتے تھے۔ مہذب، مغرور اور الگ تھلگ۔

''وہ کار تھیج سے زیادہ روم کا خون چوسیں گے''۔ گراکس انہیں دیکھ کر اکثر سوچتا۔

وہ ایک سیدھی گلی میں آیا اور ایک دکان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس لئے کہ ایک شہری دستہ ڈھول پیٹتا اور بینڈ بجاتا ہوا گزر رہا تھا۔ عوامی جلسہ گاہ میں پانسے پھینکنے والے پہلے ہی موجود تھے۔ روم میں جُوا' وبا کی طرح پھیل گیا تھا اور پانسہ جوئے کی ایک بدترین شکل تھی۔ ہر سہ پہر کو جلسہ گاہ میں جواریوں کے مجمعے آ جاتے، پانسہ پھینکتے، پانسے کی منتیں کرتے' پانسے سے باتیں کرتے۔ اُن کی اپنی بولی تھی۔ لوفر اور ڈیوٹی سے چھٹی کئے ہوئے سپاہی موجود تھے اور چودہ پندرہ سالہ لڑکیاں بھی۔ (یہ لڑکیاں شہر کے ہر علاقہ میں موجود تھیں)۔ رنڈی بازی کی جگہیں شہر کی ساری گلیاں تھیں۔ اس نے سنا تھا کہ ان لڑکیوں میں سے اکثر محض شراب کے ایک گلاس کے عوض کسی بھی مرد کے ساتھ ہم بستری کیا کرتی تھیں۔ ایک بار تو اس نے اور دیگر کئی لوگوں نے اسے خوفناک و وحشت ناک فعل گردانا تھا مگر ان دنوں جبکہ شادی شدہ امیر آدمی درجن درجن غلام لڑکیاں ہم بستری کیلئے رکھتا تھا، تو اب یہ کوئی اہم بات نہیں رہی تھی۔

''آہستہ آہستہ'' گراکس نے سوچا ''ایک پوری دنیا ختم ہوتی ہے۔ مگر ہم اس پہ تعجب کرنا کبھی بند نہیں کرتے۔ اور ہم کر بھی کس طرح سکتے ہیں؟ یہ کام بہت آہستگی سے ہوتا ہے اور انسان کی زندگی بہت مختصر ہوتی ہے''۔

اس نے یہاں وہاں پانسے کے کھیل دیکھے۔ اسے اپنے بچپن میں لڑھکتے ہوئے پانسے یاد آئے۔ اس زمانے میں بھیک نہیں مانگی جاتی تھی۔ لوگ خوددار تھے اور خواہ بھوک سے مر بھی جاتے تب بھی ہاتھ نہ پھیلاتے۔

اب وہ حمام کی طرف چل پڑا۔ اس نے اس کا منصوبہ احتیاط سے بنایا تھا۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ کراسس بھی حمام میں ہوگا۔ اور اس کے پہنچنے کا وقت بھی یہی تھا۔ اور ہوا بھی یہی۔ کہ جب گراکس ڈریسنگ روم میں داخل ہوا تو کراسس وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اس نے کپڑے اُتارے ہوئے تھے اور اُونچے آئینوں میں اپنے متوازن جسم کو تعریفی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ کمرہ لوگوں سے بھرتا جا رہا تھا۔ یہ سیاسی میل جول کی جگہ تھی۔ اس جگہ اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھنے والے چند بے کار بھی آتے تھے مگر دراصل یہاں کارآمد لوگ آتے تھے مثلاً طاقتور سیاستدان، بینکر، تاجر، غلاموں کے درآمد کنندگان، دوٹوں کے مالک' مزدور ٹولیوں کے لیڈر، ایک دو اکھاڑوں کے مالکان، سینٹ کے اندرونی ذی اقتدار گروپ کی ایک شخصیت' تین سابقہ سفیروں کا ٹولہ' ایک مجسٹریٹ' ایک دو اداکار' اور درجن بھر اعلیٰ فوجی شخصیتیں۔ ان میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے بہت سے آدمی بھی تھے جن کا حماموں کی جمہوریت میں کوئی خاص کردار نہیں ہوتا تھا۔ روم حماموں کی جمہوریت پر اِٹھلاتا تھا۔ مشرقی ممالک کے بادشاہ اور حاکم اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر تھے کہ روم کے حکمران

(جس کا مطلب تھا دنیا کے حکمران) شہر کے عام لوگوں سے اس طرح گھل مل جاتے تھے اور شہر کی گلیوں میں اس طرح آزادانہ گھومتے تھے۔

کراسس پر نظر ڈالتے ہوئے گراکس ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور ایک غلام اس کے بوٹ اتارنے لگا۔ اس دوران اسے سر کے اشاروں، مسکراہٹوں اور یہاں وہاں سے سلام دعا کے کچھ کلمات موصول ہوئے۔ جب اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ اختصار اور فیصلہ کن انداز میں مشورے دیتا۔ جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے سپین کے مسئلے، افریقہ کی صورت حال، مصر کی غیر جانبداری کی اہمیت اور فلسطین میں یہودیوں کے مسلسل اشتعال کے مسئلے پر حکمتِ عملی کے بارے میں مختصر اور حتمی رائے دی۔ اس نے غلاموں کے بیوپاریوں کو تشفی دی جو اس بات پر رو رہے تھے کہ غلاموں کی قیمت گرتی ہی جا رہی تھی۔ اس نے ایک افواہ کا بھی مکمل تجزیہ کیا کہ گویا گال میں فوج بغاوت کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ مگر وہ اس سارے وقت میں کراسس کو دیکھتا رہا۔ اس وقت تک جب تک کہ اس لکھ پتی نے جو کہ ابھی تک ننگا تھا اور اپنے متوازن جسم کی نمائش کر رہا تھا، آہستگی سے چہل قدمی شروع کی۔ جب گراکس نے کپڑے اتارے تو کراسس بھی وہیں موجود تھا۔ جب غلاموں نے اس سیاستدان کا چوغہ اتارا تو اس میں سے پہاڑ سا آدمی نمودار ہوا جو متاثر کن تھا۔ مگر جب باقی کپڑے اُتار لئے گئے تو موٹا شخص بہت بھدّا نظر آیا۔ اس وقت گراکس کو اپنے جسم پہ بہت شرم آئی۔

وہ اکٹھے حمام کے لاؤنج تک گئے۔ وہاں پردریاں اور بنچیں بچھی تھیں تاکہ دراز ہو کر سستا لیا جائے۔ مگر لوگ عموماً تیراکی کے درمیانی وقفوں میں یہاں چہل قدمی کرتے تھے۔ اس وسیع وخوبصورت گیلری سے (جہاں سنگ مرمر نصب تھا اور جو تصویروں اور ڈیزائنوں سے مزین تھی) باہر والے تالاب، گرم پانی کے کمروں، بھاپ کے کمروں اور مالش وورزش کے کمروں تک راستہ جاتا تھا۔ پھر باغ، لائبریری اور بیٹھنے کے کمروں تک راستہ جاتا تھا۔ یہ سارا انتظام ان لوگوں کے لئے تھا جن کے پاس حمام میں گزارنے کے لئے کئی گھنٹے موجود ہوتے۔ گراکس عموماً سرد پانی میں غوطہ لگا کر، بھاپ کے کمرے میں آدھ گھنٹہ گزار کر اور پھر مالش کروا کر مطمئن ہو جاتا تھا۔

مگر اب وہ کراسس کے ساتھ دوستی بڑھانے کی خاطر نرم پڑ گیا تھا۔ اس نے سخت الفاظ اور درشت جذبات بھلا دیئے۔ ننگا، موٹا اور ڈھیلا ڈھالا گراکس دلکش اور خوبصورت جنرل کے ساتھ چل رہا تھا۔

''پُل تعمیر ہو رہے ہیں''۔ لوگ انہیں دیکھ کر تبصرہ کرنے لگے۔ وہ اس بات پہ حیران تھے کہ یہ نیا سیاسی اتحاد بن رہا تھا حالانکہ گراکس اور کراسس کے درمیان کوئی دوستی نہیں تھی۔ کراسس صبر کے ساتھ انتظار کر رہا تھا کہ گراکس کیا چاہتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ گراکس اپنے مطلب کا اظہار ضرور کرے گا۔ اس نے سیاست دان سے پوچھا۔

''آپ تو مصر کے بارے میں بہت جانتے ہیں۔ کیا آپ دوسری چیزوں کے بارے میں بھی اتھارٹی ہیں؟''۔

''اچھا' آپ کا اشارہ ان باتوں کی طرف ہے جو میں نے تھوڑی دیر پہلے کی تھیں۔ جی ہاں۔ کچھ عمومی الفاظ خالی جگہوں کو پر کر دیتے ہیں۔ یہ تو شہرت کی بات ہے''۔ یہ واقعی ایک نیا گراکس بول رہا تھا۔

''کیا آپ مصر گئے ہیں؟''۔

''نہیں۔ اور میں مصر کے بارے میں کوئی پیشین گوئی بھی نہیں کرتا''۔

''خوب۔ خوب۔

''مجھے نہیں معلوم کراسس۔ ہم ایک دوسرے پر غراتے ہیں، جھپٹا مارتے ہیں۔ ہم دوست بھی تو بن سکتے ہیں۔ ہم دونوں میں سے ہر شخص دوستی کرنے کا اہل بھی ہے''۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں سنکی ہوں۔ دوستی کی تو ایک قیمت ہوتی ہے''۔

''اچھا؟''

''ہاں۔ بالکل۔ پتہ نہیں میرے پاس ایسی کون سی چیز موجود ہے جو آپ کو مجھ سے دوستی کرنی پڑ رہی ہے؟ پیسہ؟ وہ تو آپ کے پاس بھی بہت ہے''۔

''مجھے پیسوں کی پرواہ نہیں''۔

''مجھے ہے۔تو پھر آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟''۔

''میں تم سے ایک غلام خریدنا چاہتا ہوں'' گراکس نے بالآخر دوٹوک بات کہہ ہی ڈالی۔

''یقیناً میرا باورچی آپ کو چاہیے.....اگر آپ کے بال ہوتے تو میں کہہ سکتا تھا کہ آپ کو میرے حجام کی ضرورت ہوگی۔ہوسکتا ہے آپ کو پالکی اٹھانے والے چاہئیں یا ممکن ہے کوئی عورت ۔اور میں نے سنا ہے کہ آپ نے اپنے گھر ہستی میں سوائے عورتوں کے اور کچھ نہیں رکھا ہے''۔

''دفع کریں۔کیا آپ جانتے ہیں میں کس کو چاہتا ہوں؟'' گراکس چیخا:''مجھے ورینیا چاہیے''۔

''کون؟''

''ورینیا۔ہمیں ایک دوسرے سے پہیلیاں نہیں بُوجھنی چاہئیں''۔

''گراکس میرے عزیز۔پہیلیاں تو آپ بوجھ رہے ہیں۔آپ کو یہ غلط اطلاعات کون پہنچاتا ہے؟''۔

''میں باخبر رہتا ہوں''۔موٹا شخص رک گیا اور اپنے مخاطب کو دیکھنے لگا۔

''دیکھو کراسس۔اِدھر اُدھر کی باتیں نہ کرو۔ٹال مٹول اور اتار چڑھاؤ نہ کرو۔میں نے آپ سے سیدھی بات کی ہے۔میں آپکو روم میں آج تک بکنے والے سب سے مہنگے غلام جتنے دام دوں گا۔میں آپ کو دس لاکھ سیسٹرز ادا کروں گا۔میں یہ قیمت آپ کو سونے کے سکّوں میں ادا کروں گا۔اور میں رقم فوری طور پر دے دوں گا' اگر پ ورینیا مجھے دے دیں''۔

کراسس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے بغلوں میں دیئے اور آہستگی سے سیٹی بجانی شروع کی۔''یہ ہوئی ایک قیمت۔یہ بہت زبردست قیمت ہے۔لوگ اتنی بڑی قیمت پہ اشعار کہیں گے۔اگر آج کوئی منڈی چلا جائے تو وہ ایک بھری ہوئی پستانوں والی نوجوان حسینہ صرف ایک ہزار سیسٹرز میں خرید سکے گا۔آپ ایک پتلی سی جرمن لڑکی لئے اس قیمت سے ہزار گنا زیادہ قیمت دینے پر تیار ہیں۔یہ بڑی بات ہے۔مگر میں اتنا زیادہ پیسہ کیسے لے سکتا ہوں؟ لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہ کراسس ایک ذلیل چور ہے''۔

''مجھ سے کھیلنا چھوڑ دیں''۔

''آپ سے کھیلنا؟ گراکس، مذاق تو آپ مجھ سے کر رہے ہیں۔میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے تم خرید سکو''۔

''میں نے ایک سنجیدہ پیش کش کی ہے''۔

''اور میں نے سنجیدگی سے اس کا جواب دیا ہے''۔

''میں قیمت دوگنی کرتا ہوں'' گراکس چیخا:''بیس لاکھ''۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ سیاست میں اتنا زیادہ پیسہ ہوتا ہے''۔

''بیس لاکھ۔لے لو یا چھوڑ دو''۔

''تم، مجھے بور کرتے ہو'' کراسس نے کہا اور چلا گیا۔

5

''ورینیا۔ورینیا۔اب تمہیں لباس پہننا چاہیے۔ہم تمہیں لباس پہنائیں گے اس لئے کہ مالک گھر آنے والا ہے اور تمہیں اُس کے ساتھ بیٹھنا ہے' کھانا کھانا ہے۔تم کیوں ہمارے لئے مشکلات پیدا کرتی ہو؟''

''میں تمہارے لئے مشکلات نہیں پیدا کرنا چاہتی''۔

''مگر تم ہمارے لئے بہت مشکلات پیدا کرتی ہو۔ورینیا' تم ہمیں بتاتی ہو کہ تم بہت دھتکاری ہوئی ہو۔تم ہمیں بتاتی ہو کہ تم ایک غلام ہو اور تم نہیں چاہتیں کہ تمہاری خدمت کیلئے چار غلام مامور ہوں۔تم جانتی ہو کہ غلام کیا ہوتا ہے۔اس وقت تم ایک ملکہ تھیں، ہیں نا' ورینیا؟ چنانچہ.....''

''بس کرو۔خدا کے لئے بس کرو۔میں نے کبھی تم سے خود کو الگ کیا ہے؟''۔

''تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں' ورینیا۔مالک تمہیں ہم سے جدا رکھتا ہے۔جب وہ اکتایا ہوا ہو تو ہمیں اس کے بستر میں کسی کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ایک' دو یا تین۔مگر ورینیا۔وہ تم سے

محبت کرتا ہے۔ اسی لئے ہمارے لئے مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ تم اگر لباس نہیں پہنوگی تو وہ ہمیں کوڑے مارے گا۔ کوڑے تمہیں نہیں، ہمیں پڑیں گے''۔

''اُسے مجھے کوڑے مارنے دو''۔

''مارنے دو۔ کیوں مارنے دیں؟۔ وہ تمہیں کوڑے کیوں مارے؟''۔

''اچھا اچھا۔ میں بچے کو دودھ پلا رہی ہوں۔ اس کے بعد لباس پہنوں گی۔ تم بہر حال مجھے لباس پہنانا چاہتی ہو۔ میں تمہارے لئے مشکل پیدا نہ کروں گی۔ بس مجھے بچے کو دودھ پلانے دو''۔

''کتنی دیر لگے گی؟''۔

''وہ دیر تک دودھ نہیں پیتا۔ پہلے ہی اس کی رفتار کم ہو چلی ہے۔ میں آدھ گھنٹے میں تیار ہو جاؤں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم جیسا بولو کروں گی''۔

چنانچہ انہوں نے کچھ دیر کے لئے اسے تنہا چھوڑ دیا۔ ان میں سے تین لڑکیاں سپین کی تھیں اور چوتھی سیپیا کی تھی۔ اُس کی ماں نے اسے قرض پر بیچا تھا۔ ورینیا یہ بات سمجھ سکتی تھی۔ خود اپنی ماں کے ہاتھوں فروخت ہونا بہت تلخ بات ہوتی ہے اور یہ تلخی زندگی بھر رہتی ہے۔ اس گھر میں دشمنی، حسد اور تلخی بھری پڑی ہے۔ پورا گھر تلخ تھا۔

اس نے بچے کو دودھ پلایا اور آہستہ آہستہ اُسے لوری سنانے لگی۔

''سوجاؤ، میرے بچے، سوجاؤ پیارے
تمہارا باپ گیا جنگل دوارے
ڈھونڈے گا وہ اودبلاؤ
اس کو پھر وہ نیزہ مارے،
رات ڈھلے وہ لوٹ کے آئے
کھال سمیت اسے لے کر آئے
زمستان کی کبھی سرد ہوا بھی
نہ میرے بچے کو چھولے.........''

دودھ پینا کم پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنی پستانوں پہ دباؤ کی سست روی کو محسوس کر لیا۔ جب بھوک کی وجہ سے وہ تیزی اور توانائی سے دودھ پیتا تو ورینیا کے پورے بدن میں ایک تیز لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اور پھر جوں جوں اس کا پیٹ بھرتا جاتا، یہ لہر کم ہوتی جاتی۔ ایک بچے کو دودھ پلانا بھی ایک عجیب عمل ہے۔

اُس نے اسے دوسری پستان دے دی کہ شاید اسے مزید دودھ کی ضرورت ہو۔ پھر اس کے گال تھپتھپائے تاکہ وہ دوبارہ دودھ پینا شروع کر دے۔ مگر وہ سیر ہو چکا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور اس نے سیر شکم بچوں کی سی لاتعلقی اختیار کی۔ اس نے اسے کچھ لمحوں کے لئے اپنے گرم ننگی پستان سے چمٹائے رکھا۔ پھر اس نے اسے اس کے پلنگڑے پر رکھ دیا اور اپنی قمیص کا اگلا حصہ بند کر دیا۔

اپنے بیٹے کے ساتھ کھڑی وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کتنا خوبصورت بچہ ہے۔ موٹا سا، گول مٹول اور توانا۔ اس کے سیاہ بال ریشم کی طرح نرم تھے اور اس کی آنکھیں گہری نیلی تھیں۔ یہ آنکھیں بعد میں کالی ہو جائیں گی جس طرح اس کے باپ کی آنکھیں تھیں مگر بالوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جب پیدائشی سیاہ ریشمی بال گر جائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ دوبارہ کالے گھنگریالے بال اُگیں یا ہو سکتا ہے کہ سنہرے اور سیدھے بال اُگ جائیں۔

وہ جلد ہی سو گیا۔ اس کی دنیا درست اور ٹھیک تھی۔ اس کی دنیا زندگی کی دنیا تھی، جس پہ زندگی کی اپنی مادی قوانین کی حکمرانی تھی، قوانین جو کہ پیچیدہ نہ تھے اور انہیں چھیڑا بھی نہ گیا تھا۔ اس کی دنیا وہ دنیا تھی جو دوسری تمام دنیاؤں سے زیادہ دوام اور بقا رکھتی تھی۔

اب اُس نے اُسے چھوڑ دیا اور اُس طرف چلی گئی جہاں اس کو لباس پہنوانے کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ چار غلام اسے اس کے مالک کے ساتھ رات کے کھانے کا لباس پہنانے کے منتظر تھے۔ وہ فرمانبرداری سے کھڑی رہی۔ انہوں نے اس کے کپڑے اتارے اور اس کے ننگے بدن کو سپنج کے ذریعے دھویا۔ یہ بدن ابھی تک ایک خوبصورت بدن تھا۔ لمبی ٹانگیں اور دودھ سے بھری ہوئی

پستانوں نے اُسے اور خوبصورت بنا دیا تھا۔ انہوں نے اسے ایک چادر اوڑھا دی اور وہ ایک گدے پر لیٹ گئی تا کہ وہ اس کے چہرے اور بازوؤں کو تیار کر سکیں۔

پہلے باریک چاک کی تہہ، پھر سرخی اس کے بازوؤں اور ابروؤں کے لئے' اس کے گالوں پر ہلکی سی سرخی، اس کے ہونٹوں پہ بھوری مائل گہری سرخی اور ابروؤں پہ سیاہ پیسٹ لگائی گئی۔

جب یہ سب کچھ ہو چکا تو وہ اُٹھ بیٹھی اور انہیں اپنے بال سنوارنے دیئے۔ نرم اور سیدھے زرد بالوں کو نہایت احتیاط سے گھنگریالہ بنا دیا گیا، ان پہ خوشبو لگائی گئی اور چھوٹے ربن لگائے گئے۔

پھر زیورات پہنانے کی باری آئی۔ وہ ننگی کھڑی تھی۔ اس پر سے چادر ہٹا دی گئی تھی۔ وہ فرمانبرداری اور بے ذوق انداز میں کھڑی تھی۔ اس کے بالوں پہ تاج سجا دیا گیا۔ پھر سونے کی بالیاں کانوں میں پہنا دی گئیں اور نیلم جڑا ہوا سونے کا طوق پہنا دیا گیا۔ اسی رنگ کے چھوٹے طوق ٹخنوں اور کلائیوں میں پہنائے گئے اور پھر ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی ڈالی گئی۔ اسے خوبصورتی اور شان سے سجایا جا رہا تھا۔ بالکل اُسی طرح جیسے روم کا امیر ترین شوہر اپنی بیگم کو سجاتا ہے، نہ کہ کسی غلام کو۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ اس کی خدمت پہ مامور غلام اس پر ترس نہیں کھا رہے تھے۔ وہ جو ایک سلطنت کی دولت زیوروں کی صورت میں پہنے ہوئی ہے، اس پہ بھلا کیسے ترس کھایا جاتا؟

اُس زمانے میں روم میں سب سے قیمتی کپڑا ریشم نہ تھا بلکہ ہندوستان میں بنا ہوا حیرت انگیز اور نفیس سوتی کپڑا ہوتا تھا اور وہ اتنا باریک ہوتا تھا کہ کوئی ریشم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اب انہوں نے اس کے سر میں سے ایک سوتی لباس پھسلا دیا۔ یہ ایک لمبا اور سادگی سے کٹا ہوا لباس تھا جو کمر میں جا کر ایک ازار بند سے تنگ کیا جاتا تھا۔ لباس پر واحد کشیدہ کاری گوٹ پہ سونے کے ڈور تھے۔ باقی لباس کو کسی کشیدہ کاری کی ضرورت نہ تھی۔ یہ ویسے ہی جاذب نظر اور دلکش تھا۔ مگر ورینیا اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتی تھی کہ اس لباس میں اس کے جسم کا انگ انگ نظر آ رہا تھا۔ یہ ننگا پن تھا جس کا مطلب تھا، خوفناک بے عزتی۔ اور اس نے پستانوں سے رستے ہوئے دودھ کو خوش آمدید کہا جس نے سامنے کا حصہ بھگو کر منظر کا بیڑہ غرق کر دیا۔

اِس لباس پہ ایک بڑا زرد ریشمی شال تھا۔ ورینیا نے اسے ایک چوغے کی طرح پہن لیا۔ اس نے اپنے لباس کو اس سے ڈھانپ لیا۔ وہ جب بھی رات کا کھانا کھانے نمودار ہوتی، کراسس کہتا:

''میری جان۔ تم اس طرح اپنا خوبصورت بدن کیوں چھپاتی ہو؟ اس شال کے نیچے تم نے جو لباس پہن رکھا ہے، اس کی قیمت دس ہزار سیسٹرز ہے۔ کم از کم مجھے اسے دیکھنے کی مسرت سے تو محروم نہ کرو''۔

جب آج وہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تو اس نے پھر یہ بات کہی' اور آج پھر ورینیا نے فرمانبرداری سے شال گرا دیا۔

''تم مجھے بدحواس کر دیتی ہو''۔ کراسس نے کہا ''تم مجھے بہت بدحواس کر دیتی ہو۔ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ گال کے علاقے میں مجھے اپنے کیمپ میں باتیاتس کے ساتھ ایک شام گزارنے کا موقع ملا تھا۔ اس نے تمہیں جنگلی بلّی کہا تھا۔ یہ لفظ ایک ایسی عورت کا اظہار کرتا ہے جسے سدھایا نہ جا سکتا ہو۔ حالانکہ مجھے ایسا نہیں لگتا۔ تم تو غیر معمولی طور پر فرمانبردار ہو''۔

''ہاں''۔

''میں حیران ہوں کہ کس چیز نے تم میں یہ تبدیلی پیدا کی۔ میرا خیال ہے کہ تم مجھے بتانے کی پرواہ نہیں کرتی ہو۔ ہے نا؟''

''مجھے نہیں پتہ۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتی کہ مجھے کس چیز نے بدل دیا ہے''۔

''تم آج بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔ تمہارے بال بھی بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔ ہے نا؟''۔

''پتہ نہیں''

''پتہ نہیں۔ کیا تم لمبی بات نہیں کر سکتی ہو؟ مجھے تمہارے اِس ہوں ہاں سے نفرت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے محبت دو۔ کم از کم ایک رات اپنی محبت مجھے بخش دو۔ ایک رات میرے ساتھ سوؤ۔ کیا تم اس طرح کرو گی؟''۔

''جس طرح آپ کی مرضی۔ آپ میرے مالک ہیں''۔

''ورینیا' میں تمہارا مالک بننا نہیں چاہتا۔ دراصل میں تمہارا نہیں بلکہ تم میری مالکن ہو۔ میں تمہیں اس طرح رکھنا چاہتا ہوں جس طرح ایک شوہر اپنی بیوی کو رکھتا ہے''۔

''میں آپ کو روک نہیں سکتی۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ گھر میں کوئی اور غلام آپ کو روک نہیں سکتا''۔

''یہ تم نے کیا بات کر دی؟''۔

''کیوں؟ میں نے غلط تو نہیں کہا''۔

''ورینیا میں تمہارے ساتھ زبردستی زنا نہیں کرنا چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کرنا چاہتا جو میں اپنی کسی غلام عورت سے کرتا رہتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کتنی عورتوں کے ساتھ سویا ہوں۔ عورتوں کے ساتھ بھی' اور مردوں کے ساتھ بھی۔ میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے بارے میں سب کچھ جان جاؤ۔ کیونکہ اگر تم مجھ سے محبت کرنے لگو تو میں یکسر بدل جاؤں گا، نیا بن جاؤں گا، نیک بن جاؤں گا۔ اوہ میرے خدا۔ کیا تم جانتی ہو کہ لوگ مجھے دنیا کا امیر ترین شخص کہتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ میں امیر ترین شخص نہ ہوں مگر تم اگر ساتھ ہو تو ہم ساری دنیا پر حکمرانی کر سکیں گے''۔

''میں دنیا پر حکمرانی نہیں چاہتی''۔ ورینیا نے کہا۔ اس کی آواز یک رنگ تھی، اُتار چڑھاؤ سے مبرا لہجہ، مردہ سی آواز۔ وہ اس سے بات کرتے ہوئے یہی لہجہ اختیار کرتی تھی۔

''کیا تمہیں یقین نہیں آتا کہ اگر تم مجھ سے محبت کرو تو میں یکسر تبدیل ہو جاؤں گا؟''۔

''مجھے نہیں پتہ۔ مجھے کوئی پرواہ نہیں''۔

''مگر تم پرواہ کرو گی، اگر معاملہ تمہارے بچے کا ہو۔ تم دودھ پلانے والی ایک خادمہ کیوں نہیں رکھتیں؟ خواہ مخواہ وہاں بیٹھی پستانوں سے دودھ بہا رہی ہو.....''

''تم مجھے ہمیشہ بچے کی دھمکی کیوں دیتے ہو؟ بچہ تمہاری ملکیت ہے اور میں تمہاری ملکیت ہوں۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ بچے کو قتل کرنے کی دھمکی دے کر تم مجھے خود سے محبت کروانے پر مجبور کرو گے؟''

''میں نے تمہارے بچے کو قتل کرنے کی دھمکی نہیں دی''۔

''تم..........''

''مجھے معاف کر دو، ورینیا۔ ہم ہمیشہ اسی دائرے میں گفتگو کرتے ہیں۔ مہربانی کر کے کھانا کھا لو۔ مجھ سے جو ہو سکے، تمہاری خدمت کرتا رہوں گا۔ میں تمہیں اس طرح کی خوراک پیش کرتا ہوں۔ مجھے یہ نہ بتاؤ کہ تمہیں اس کی پرواہ نہیں۔ اسی ایک کھانے سے ایک پورا محل خریدا جا سکتا ہے۔ کم از کم اسے کھا تو لو۔ سنو۔ میں تمہیں آج پیش آنے والی ایک دلچسپ کہانی سناتا ہوں۔ کم از کم تمہیں یہ کہانی دلچسپ لگے گی۔ تم تھوڑا سا کھا تو لو''۔

''میں اتنا کھاتی ہوں جتنی میری ضرورت ہوتی ہے''۔ ورینیا نے کہا۔

ایک غلام داخل ہوا۔ اور ٹرے پہ ایک مرغابی رکھ گیا۔ دوسرے غلام نے اُسے ٹکڑوں میں کاٹ دیا۔

''اِسی مرغابی کو کھا لو۔ اسے کڑوی برانڈی میں کھٹے شفتالو لگا کر پکایا گیا ہے''۔

''یہ بہت اچھا ہے''۔ ورینیا نے کہا۔

''ہاں۔ تو.......میں تمہیں آج ہونے والے عجیب واقعے کے بارے میں بتا رہا تھا۔ حمام میں گراکس داخل ہوا تھا۔ وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتا ہے کہ اسے چھپا نہیں سکتا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ میں اس سے نفرت نہیں کرتا۔ ارے مجھے بھول گیا کہ تم اسے نہیں جانتی ہو۔ وہ ایک سینیٹر ہے اور روم میں ایک عظیم سیاسی قوت ہے.... یا تھا۔ آج کل اس کی قوت کمزور پڑ گئی ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک ہے جو خود کو ذلت بھرے گڑھے سے باہر نکال کر ووٹوں کی فنکاری کے ذریعے اپنی قسمت بنا چکے ہیں۔ وہ ایک موٹا سؤر ہے۔ نہ وقار ہے، نہ وجاہت اور نہ ہی دانش و احساس۔ اس لئے وہ اپنے تخت پر اُس وقت تک بیٹھے گا جب تک کہ تخت پھسل کر اس کے نیچے سے نکلتا نہیں۔ مجھے اسی وقت اندازہ ہوا کہ وہ مجھ سے کچھ چاہتا ہے۔ اس نے میرے ساتھ چل کر اپنے موٹے ڈھیر جیسے جسم کو نمائشی چیز بنا رکھا ہے۔ بالآخر اس نے دل کی بات کہہ ہی ڈالی۔ وہ تمہیں خریدنا چاہتا ہے۔ اس

نے بھاری قیمت کی پیش کش کی اور پھر جب میں نے اسے دھتکار دیا تو اس نے قیمت دوگنی کر دی۔ وہ بہت ضد کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بے عزتی کی مگر اس پہ کچھ اثر نہ پڑا''۔

''آپ نے مجھے کیوں فروخت نہیں کیا؟'' وریبنیا نے پوچھا۔

''اس کے ہاتھ؟ میری جان۔ تمہیں اس گول مٹول لاش کو ایک بار چلتے ہوئے دیکھنا چاہیے۔ تمہیں شاید اس بات کی بھی پرواہ نہیں''۔

''مجھے کوئی پرواہ نہیں''۔ وریبنیا نے کہا۔

کراسس نے اپنی پلیٹ پرے دھکیل دی اور اسے گھورنے لگا۔ اس نے ایک ہی گھونٹ میں اپنا جام خالی کیا، ایک اور بھرا' اور غصے میں اچانک زور سے گلاس کو فرش پہ پھینک دیا۔ اس نے خود پہ قابو پاتے ہوئے کہا۔

''تم مجھ سے اس قدر نفرت کیوں کرتی ہو؟''

''کیا مجھے تم سے محبت کرنا چاہیے؟''

''ہاں۔ اسلئے کہ میں نے تمہیں اتنا دیا جس کا سپارٹیکس کے ساتھ تم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا''۔

''نہیں''۔ اس نے کہا۔

''کیوں۔ کیوں نہیں؟ وہ تھا کیا؟ کیا وہ ایک دیوتا تھا؟''۔

''وہ یوتا نہیں تھا''۔ وریبنیا نے کہا ''وہ ایک عام سا آدمی تھا۔ سادہ سا آدمی' وہ ایک غلام تھا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ تم نے اپنی زندگی غلاموں کے بیچ گزار دی''۔

''اور اگر میں نے تمہیں دیہات میں لے جا کر کسی کسان کے حوالے کر دیا ہوتا تو کیا تم اس کے ساتھ رہ سکتی تھیں؟ اُس سے محبت کر سکتی تھیں؟''۔

''میں صرف سپارٹیکس سے محبت کر سکتی ہوں۔ میں کسی اور سے محبت ہرگز نہیں کر سکتی۔ میں کسی اور مرد سے محبت نہیں کر سکتی۔ مگر میں کھیتوں میں کام کرنے والے ایک غلام کے ساتھ رہ سکتی ہوں۔ وہ کسی حد تک سپارٹیکس جیسا ہوتا ہے' حالانکہ سپارٹیکس معدنی کان میں کام کرنے والا غلام تھا۔

تم مجھے بہت سادہ سمجھتے ہو۔ ہاں میں بہت سادی ہوں اور بیوقوف بھی۔ کبھی کبھی تو میں سمجھ بھی نہیں سکتی کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ مگر سپارٹیکس مجھ سے بھی سادہ تھا۔ تمہارے مقابلے میں تو وہ ایک بچہ جیسا تھا۔ وہ خالص تھا''۔

''خالص سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' کراسس نے خود پہ قابو رکھتے ہوئے پوچھا ''میں نے یہ بکواس تم سے بہت بار سنی۔ سپارٹیکس سماج کا' لاقانون دشمن تھا۔ وہ ایک پیشہ ور قصائی تھا جو ایک لاقانون قاتل بن گیا اور روم کی تعمیر کردہ ہر اچھی' عمدہ اور شائستہ چیز کا دشمن بن گیا۔ روم پوری دنیا کے لئے امن و تمدن لایا مگر یہ غلیظ غلام صرف تباہی اور آتش زنی جانتا تھا۔ کتنے محل اس نے کھنڈر کر دیئے! اس لئے کہ غلام نہ تو تہذیب جانتے تھے اور نہ تمدن سمجھتے تھے۔ انہوں نے کیا کیا؟ چار سال تک روم سے لڑ کر کونسا کارنامہ سرانجام دیا؟ کتنے ہزار آدمی غلاموں کی بغاوت کی نذر ہو گئے؟ اس قدر مصائب اور تکالیف صرف اس لئے مسلط ہوئیں کہ اس غلاظت نے آزادی کا خواب دیکھا تھا، جس کا مطلب تھا، تباہی و بربادی مچانے کی آزادی کا خواب''۔

وہ سر جھکائے، نگاہیں نیچی کئے چپ بیٹھی رہی۔

''تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتیں؟''۔

''مجھے معلوم نہیں کہ تمہیں کس طرح جواب دوں''۔ اس نے آہستگی سے جواب دیا ''مجھے نہیں معلوم کہ ان سوالوں کا کیا جواب دوں''۔

''میں نے تم سے وہ باتیں سنی ہیں جو میں پوری کرہِ ارض پر کسی اور سے سننا برداشت نہیں کر سکتا۔ تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتیں؟ تم نے سپارٹیکس کو خالص کہا تھا، اس سے تمہارا کیا مطلب تھا؟ کیا میں کم خالص ہوں؟''۔

''میں تمہیں نہیں جانتی''۔ وریبنیا نے کہا ''میں تمہیں نہیں سمجھ پاتی۔ میں رومنوں کو سمجھ نہیں پاتی ہوں۔ میں صرف سپارٹیکس کو جانتی ہوں''۔

''اور وہ خالص کیوں تھا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔ کیا تم نہیں سوچتے کہ میں نے خود سے یہ سوال نہ کیا ہوگا؟ ہو سکتا ہے

وجہ یہ ہو کہ وہ ایک غلام تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وجہ یہ ہو کہ اس نے بہت مصیبتیں برداشت کی تھیں۔ جس طرح کی مصیبتیں ایک غلام جھیلتا ہے، تم اسے کس طرح سمجھ سکو گے؟ تم کبھی بھی غلام نہیں رہے''۔

''مگر خالص۔ تم نے خالص کہا''۔

''میرے نزدیک وہ خالص تھا۔ وہ کوئی برا کام نہیں کرتا تھا''۔

''تمہارا کیا خیال ہے کہ اس بغاوت کو ابھارنا اور دنیا کے نصف حصے کو آگ لگانا نیکی کا کام تھا؟''۔

''ہم نے دنیا کو کوئی آگ نہیں لگائی۔ ہم صرف اپنی آزادی چاہتے تھے۔ ہم صرف امن وچین سے زندہ رہنا چاہتے تھے۔ مجھے تمہاری طرح بات کرنی نہیں آتی۔ میں تعلیم یافتہ نہیں ہوں۔ میں تو تمہاری بولی بھی اچھی طرح نہیں بول سکتی۔ جب تم مجھ سے گفتگو کرتے ہو تو میں کنفیوز ہو جاتی ہوں۔ مگر سپارٹیکس کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے کوئی کنفیوژن نہیں ہوتی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہم کیا چاہتے تھے۔ ہم آزاد ہونا چاہتے تھے''۔

''مگر تم تو غلام تھے۔''

''ہاں۔ اور کسی کو غلام اور کسی کو آزاد کیوں ہونا چاہیے؟''

کراسس نے مزید نرم روی سے کہا۔ ''وریناتم روم میں زندگی بسر کرتی رہی ہو۔ میں تمہیں اپنی پالکی میں شہر لے جا چکا ہوں۔ تم نے روم کی طاقت دیکھ لی، روم کی بے انت و بے پایاں طاقت تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ روم کی فوجیں تہذیب کی سرحد پہ چاق وچوبند کھڑی ہوتی ہیں اور تاریکی کی قوتوں کو پسپا کرتی ہیں۔ پاپائے روم کا عصائے اقتدار دیکھتے ہی قومیں کانپ جاتی ہیں۔ جہاں کہیں پانی ہے، رومن بحریہ وہاں وہاں پہ حکمران ہے۔ تم نے دیکھا کہ غلاموں نے ہماری سپاہ کے کچھ حصے کو تباہ کر دیا مگر یہاں، اس شہر میں اس کی کوئی معمولی سی ارتعاش تک محسوس نہ کی گئی۔ کیا تم یہ تصور تک کر سکتی ہو کہ چند باغی غلام دنیا کی عظیم ترین قوت کا تختہ الٹ سکتے تھے' ایک ایسی قوت کا جس کی مثال دنیا کی گذشتہ ساری سلطنتیں بھی نہ تھیں؟ کیا تم نہیں سمجھتیں کہ روم لافانی ہے؟ رومن طرزِ زندگی انسان کے اختیار کردہ تمام طرزوں میں سب سے بہترین ہے۔ اور یہ ابد تک جاری

رہے گا۔ میں یہی بات تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں۔ سپارٹیکس کے لئے مت روؤ۔ تاریخ سپارٹیکس سے نمٹ چکی ہے۔ تمہارے بسر کرنے کیلئے اپنی زندگی موجود ہے''۔

''میں سپارٹیکس کے لئے نہیں روتی۔ سپارٹیکس کے لئے کوئی بھی نہیں روئے گا۔ لیکن لوگ سپارٹیکس کو کبھی بھولیں گے بھی نہیں''۔

''آہ۔ وریناوریناتم کتنی بے وقوف ہو۔ سپارٹیکس پہلے ہی مر کر بھوت بن گیا ہے۔ اور کل کو وہ بھوت بھی ختم ہو جائے گا۔ آج سے دس سال بعد اس نام کو کوئی بھی یاد نہیں رکھے گا۔ کوئی اسے یاد کرے بھی کیوں؟ کیا جنگِ غلاماں کی کوئی تاریخ ہے؟ سپارٹیکس نے تعمیر نہیں صرف تخریب کی اور دنیا صرف انہی کو یاد رکھتی ہے جو تعمیر کرتے ہیں''۔

''اُس نے اُمید تعمیر کی''۔

''وریناتم چیزوں کو ایک چھوٹی بچی کی طرح دہراتی ہو۔ اُس نے اُمید تعمیر کی، کس کیلئے؟ اور وہ اُمیدیں آج ہیں کہاں؟ اُڑ گئیں، جس طرح راکھ اور گرد اڑتی ہے۔ تم دیکھتی نہیں کہ دنیا میں کوئی دوسرا طریقہ ہے ہی نہیں۔ دوسرا راستہ ہو ہی نہیں سکتا سوائے اِس راستے کے کہ طاقتور کمزور پہ حکمرانی کریں۔ وریناء، میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ تم ایک غلام ہو بلکہ اس حقیقت کے باوجود.....مگر سپارٹیکس خالص تھا'' اس نے تلخی سے کہا۔

''ہاں۔ سپارٹیکس خالص تھا''۔

''مجھے بتا دو۔ بتاؤ کہ وہ کس طرح خالص تھا؟''۔

''میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ میں تمہیں ان چیزوں کے بارے میں نہیں بتا سکتی جنہیں تم نہیں سمجھ سکتے''۔

''میں سمجھنا چاہتا ہوں۔ میں اُسے سمجھنا چاہتا ہوں، اُس سے لڑنا چاہتا ہوں۔ میں اُس سے اُس وقت لڑا تھا جب وہ زندہ تھا اور میں اُس سے آج لڑوں گا جب کہ وہ مرا ہوا ہے''۔

وریناء نے اپنا سر ہلایا ''تم اس طرح میرے پیچھے کیوں پڑتے ہو؟ تم مجھے بیچتے کیوں نہیں ؟ تم مجھ سے وہ سلوک کیوں نہیں کرتے جو تم چاہتے ہو؟ تم مجھے تنہا کیوں نہیں چھوڑتے ؟''۔

''ورینیا۔ میں نے تم سے ایک سادہ چیز بتانے کو کہا۔ کیا سپارٹیکس جیسا آدمی کوئی ہوا ہے؟ مجھے اس کے بارے میں کوئی بتا تا کیوں نہیں؟''۔

''میں نے تمہیں بتا دیا...'' وہ رکی۔

''ہاں ہاں، بتاؤ ورینیا۔ میں تمہارا دوست بننا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے بات کرتے ہوئے گھبراؤ''۔

''میں گھبراتی نہیں ہوں۔ میں سپارٹیکس کو جان جانے کے بعد پھر کبھی نہیں گھبرائی۔ مگر اس کے بارے میں بات کرنا مشکل ہے۔ تم اسے ایک قاتل اور قصائی کہتے ہو۔ مگر وہ تمام نوع انسانی میں بہترین اور مقدس ترین آدمی تھا''۔

''اچھا...... مجھے بتاؤ کہ کیسے۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ وہ کس طرح مقدس ترین شخص تھا۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ اس نے کونسا عمل ایسا کیا جس نے تمہیں اس طرح سوچنے پر مجبور کیا۔ اگر میں یہ سمجھ جاؤں تو ہوسکتا ہے کہ سپارٹیکس جیسا بن سکوں''۔ وہ کچھ کھائے بغیر شراب پیتا رہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ میں سپارٹیکس کی طرح بن جاؤں''۔

''تم مجھے اس بارے میں بات کرنے پر مجبور کرتے ہو۔ مگر میں کس طرح وضاحت کروں؟ تم لوگوں کی طرح غلاموں کے مابین مرد اور عوتوں میں امتیاز نہیں رکھا جاتا۔ غلاموں میں ایک مرد اور ایک عورت برابر ہوتے ہیں۔ ہم ایک ہی طرح کام کرتے ہیں، ہم پہ ایک ہی طرح کوڑے برسائے جاتے ہیں، ہم ایک ہی طرح مرتے ہیں اور ایک ہی طرح بے نام قبروں میں چلے جاتے ہیں۔ اور شروع میں ہم نے نیزے اور تلواریں سنبھالیں اور اپنے مردوں کے شانہ بشانہ لڑے۔ سپارٹیکس میرا ساتھی تھا۔ ہم دونوں ایک تھے۔ ہم دونوں اکٹھے جڑے ہوئے تھے۔ اُسے جہاں بھی ایک زخم آتا۔ مجھے محض اُسے چھونا ہوتا اور پھر اس زخم کا درد مجھے ہوتا اور یہ زخم میرا زخم بن جاتا۔ اور ہمیشہ ہم برابر تھے۔ جب اس کا بہترین دوست کرکسس مرگیا تو اس نے اپنا سر میری گود میں رکھا اور ایک چھوٹے بچے کی طرح رویا، چلایا۔ اور جب میرا پہلا حمل چھ ماہ میں گرا تو میں بھی اسی طرح روئی تھی، چلائی تھی اور اس نے مجھے سنبھالا دیا تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں میرے علاوہ دوسری کسی عورت سے محبت نہیں کی۔ اور خواہ کچھ بھی ہو، میں کسی اور مرد سے محبت نہیں کروں گی۔ جب میں پہلی بار اس کی بانہوں میں لیٹی تھی تو میں بہت ڈری ہوئی تھی۔ پھر ایک حیران کن احساس مجھ پہ طاری ہوگیا۔ میں نے جان لیا کہ میں کبھی نہیں مروں گی۔ میری محبت لافانی ہے۔ مجھے دوبارہ کوئی چیز تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔ میں اس کی طرح ہوگئی اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی کچھ کچھ میری طرح ہوگیا۔ ہم دونوں کے درمیان کوئی چیز خفیہ نہ رہی۔ پہلے پہل مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے جسم پر موجود داغ دھبوں کو کہیں دیکھ نہ لے۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ ایک داغ بھی خالص ہوتا ہے۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتا تھا۔ مگر میں تمہیں اس کے متعلق کیا بتا سکتی ہوں؟ وہ اُسے ایک دیوتا بنانا چاہتے ہیں۔ مگر وہ ایک دیوتا نہ تھا۔ وہ ایک عام آدمی تھا۔ وہ شریف تھا، اچھا تھا اور محبت سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے پیار کرتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو گلے لگاتے تھے۔ اور جب بھی ملتے تو ایک دوسرے کے ہونٹوں کو چومتے تھے۔ میں نے تم رومنوں کو گلے لگاتے اور چومتے کبھی نہیں دیکھا۔ بلکہ یہاں مرد مرد کے ساتھ اس طرح سوتا ہے جس طرح میاں بیوی سوتے ہیں۔ سپارٹیکس جب بھی مجھ سے کوئی بات کرتا میں اس کے معانی جان جاتی۔ مگر مجھے سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ تم کیا باتیں کرتے ہو، میں نہیں جانتی کہ جب رومن باتیں کرتے ہیں تو ان کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ جب غلام آپس میں الجھ جاتے یا لڑ پڑتے تو سپارٹیکس انہیں بلا لیتا اور وہ سب بولتے تھے۔ پھر وہ بولتا تھا اور وہ سب سنتے تھے۔ وہ بری حرکتیں کرتے تھے مگر اچھا بننے کی خواہش رکھتے تھے۔ وہ تنہا نہ تھے۔ وہ کسی کا حصہ تھے۔ وہ ایک دوسرے کا بھی حصہ تھے۔ پہلے پہل وہ مالِ غنیمت سے چوری کیا کرتے تھے۔ سپارٹیکس نے مجھے بتایا کہ وہ کس طرح چوری سے باز آسکتے ہیں۔ وہاں مشترکہ سٹور کو کبھی تالا نہیں لگایا گیا اور نہ ہی اس پہ پہرے دار مقرر کئے گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ وہ چوری کئے بغیر اپنی ضرورت کی ہر چیز حاصل کر سکتے ہیں تو انہوں نے چوری کرنی بند کر دی۔ غربت اور بھوکے رہنے کا ان کا خوف کم ہوگیا۔ سپارٹیکس نے مجھے سکھایا کہ لوگ ساری برائیاں صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ خوف زدہ ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ اگر انسان بھائی چارہ میں رہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہو، وہ سب کا ہو تو وہ کس قدر خوبصورت اور عمدہ ہوجاتا ہے۔ اور میں نے یہ چیز خود دیکھی، میں اس میں زندہ رہی۔

ایسا تھا، میرا شوہر۔ اسی وجہ سے وہ اُن سب کی راہنمائی کرسکتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اس کی بات سنتے تھے۔ وہ محض قاتل اور قصاب نہ تھے۔ وہ اس طرح کے لوگ تھے جو دنیا نے اس سے قبل نہیں دیکھے تھے۔ انہی کے نقش قدم پر چلا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم مجھے تکلیف نہیں دے سکتے اور یہی وجہ ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرسکتی''۔

''چلی جاؤ یہاں سے'' کراسس نے اس سے کہا'' میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ خدا تمہیں غارت کرے''۔

6

گراکس نے فلیوئیس کو دوبارہ بلوالیا۔ دونوں آدمی ایک ہی منزل کے راہی تھے۔ وہ دونوں موٹے اور معمر آدمی آپس میں اُس وقت ہمیشہ سے زیادہ بھائی لگ رہے تھے۔ وہ بیٹھے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ گراکس کو فلیوئیس کی ٹریجڈی کا احساس تھا۔ فلیوئیس نے دیگر کامیاب لوگوں کی طرح بننے کی ہمیشہ کوششیں کی تھیں، مگر وہ ویسا بن کبھی نہ سکا۔ وہ ان کی نقلیں کرتا تھا مگر آخر میں وہ ہمیشہ نقل ہی رہتی۔ فلیوئیس ایک فراڈ تک بھی نہ تھا۔ وہ محض فراڈ کا نقال ہی رہا۔ فلیوئیس نے گراکس کی طرف دیکھا اور محسوس کیا کہ بڈھے گراکس کا قصہ بس تمام ہونے کو تھا۔ اور یہ کہ گراکس دوبارہ گراکس نہیں بن سکتا تھا۔ جو بری صورت گراکس کے ساتھ پیش آچکی تھی' اس کے بارے میں وہ محض قیاس ہی کرسکتا تھا۔ مگر یہ قیاس ہی کافی تھا۔ یہاں اس نے ایک حفاظت کنندہ تلاش کیا تھا اور اب اس کا حفاظت کنندہ مزید اس کی حفاظت نہیں کرسکتا۔ مستقبل میں یہی سچائی وقوع پذیر ہونے والی تھی۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''۔ فلیوئیس نے پوچھا''مجھ سے دوبارہ نہ پوچھو۔ وہ عورت وریناہی ہے۔ میں نے اطمینان کرلیا ہے۔ وہ وریناہی ہے، سپارٹیکس کی بیوی وریناتم اور کیا چاہتے ہو؟''۔

''تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو، تمہیں کس چیز سے خوف آتا ہے؟''۔

''مجھے تم سے خوف آتا ہے''۔ فلیوئیس نے دکھ سے کہا''میں اس کام سے خوفزدہ ہوں جو تم مجھ سے کروانے والے ہو۔ اگر تم چاہتے تو فوجی دستے بلا سکتے تھے، تمہارے پاس ذاتی غنڈے اور بدمعاش ہیں۔ تم اس شہر میں کسی بھی آدمی سے اپنا کام کرواسکتے ہو۔ پھر تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟ تم مجھ جیسے ایک بڈھے کے پاس کیوں آتے ہو؟ میں کبھی بھی اہم شخص نہ رہا۔ میں ہمیشہ ایک نیچ شخص رہا ہوں۔ تم اپنے دوستوں کے پاس کیوں نہیں جاتے؟''۔

''میں ان کے پاس نہیں جاسکتا'' گراکس نے کہا''اس معاملے پر میں اُن سے مدد نہیں لے سکتا''۔

''کیوں؟''۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں؟ میں اس عورت کو چاہتا ہوں، میں وریناکو چاہتا ہوں۔ میں نے اُسے خریدنے کی کوشش کی۔ میں نے کراسس کو ایک ملین سیسٹرز کی پیش کش کی۔ پھر میں نے یہ قیمت دوگنی کردی مگر اس نے میری بے عزتی کی، میرا مذاق اڑایا اور مجھے دھتکار دیا''۔

''دوملین! نہیں نہیں۔ دوملین!''۔ فلیوئیس اس رقم کے تصور سے ہی کانپ اٹھا۔ اس نے اپنے ہونٹ چبائے اور اپنے ہاتھوں کو سختی سے باندھا اور کھولا''دوملین۔ یہ تو پوری کائنات ہے۔ پوری دنیا رقم کی اس چھوٹی سی تھیلی میں آسکتی ہے۔ تمہارے پاس یہ تھیلی ہے اور اس طرح پوری دنیا تمہارے پاس ہے۔ اور یہ سب تم نے ایک عورت کیلئے پیش کردی۔ میرے خدا! گراکس.....تم اسے کیوں چاہتے ہو؟ میں تمہارے رازوں کی ٹوہ لگانے کے لئے نہیں پوچھ رہا۔ تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کچھ کروں۔ مگر اگر تم مجھے نہیں بتاؤ گے تو میں ابھی یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ مجھے علم ہونا چاہیے کہ تم اُسے کیوں چاہتے ہو؟''۔

''میں اس سے محبت کرتا ہوں'' گراکس نے مردہ لہجے میں کہا۔

''کیا؟''۔

گراکس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب اس کے پاس وقار نام کی کوئی چیز نہیں رہ گئی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کی آنکھیں سرخ و آبدیدہ ہوگئیں۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا۔محبت؟ کیسی محبت؟تم نے کبھی شادی نہیں کی۔کوئی عورت تمہاری شریکِ حیات نہ بن سکی۔اب تم کہتے ہو کہ ایک غلام لڑکی سے تمہیں اس قدر محبت ہوگئی کہ اس کے لئے دو ملین سیسٹرز دینے کو تیار ہو گئے۔میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا''۔

''تمہیں سمجھنے کی کیا ضرورت ہے؟'' سیاستدان غرایا۔''تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔تم مجھے دیکھتے ہو۔میں بوڑھا اور موٹا ہوں۔اور تم نے ہمیشہ یہ خیال کیا کہ میں خصّی ہوں۔تمہاری جو مرضی سوچو۔مجھے کبھی کوئی ایسی عورت نہیں ملی جو انسان ہو۔ہماری عورتوں میں سے کتنی ہیں جو انسان ہیں؟ مجھے ان سے ڈر لگا اور ان سے نفرت رہی۔ہوسکتا ہے کہ انہیں اس طرح ہم نے بنایا ہو۔میں نہیں جانتا۔میں پیٹ کے بل رینگ رینگ کر اُس عورت تک جانا چاہتا ہوں۔میں چاہتا ہوں کہ وہ ایک بار میری طرف دیکھے اور مجھ سے کہے کہ میں اس کیلئے بے معنی نہیں۔مجھے پتہ نہیں کہ وہ کراسس کو کیا سمجھتی ہے مگر میں یہ جانتا ہوں کہ کراسس کے لئے وہ کیا شئے ہے۔میں یہ جانتا ہوں۔مگر اس کے لئے کراسس کیا چیز ہے؟ یہ وہی چیز ہے جس نے اُس کے خاوند کو مار دیا۔یہ وہی شخص ہے جس نے سپارٹیکس کا صفایا کیا تھا۔وہ اُسے نفرت کے سوا اور کس نظر سے دیکھتی ہے؟''۔

''عورت ایسا کر سکتی ہے''۔فلیوئیس نے کہا''کراسس قیمت لامحدود طور پر بڑھا سکتا ہے۔تمہیں حیرانگی ہوگی''۔

''ارے نہیں۔تم غلط ہو۔موٹے احمق، بے وقوف!''۔

''گراکس، تمہیں پھر غصہ آ گیا''۔

''تو پھر، بیوقوفوں کی سی باتیں نہ کرو۔مجھے یہ عورت چاہیے۔تمہیں پتہ ہے اس کی قیمت کا''۔

''تمہارا مطلب ہے کہ تم.....''

''ہاں''

''تم اس کے نتائج جانتے ہو؟''۔فلیوئیس نے محتاط ہو کر کہا''مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔اگر میں اسے لاؤں گا تو اس کی رقم وصول کروں گا اور مصر جا کر ایک محل خریدوں گا اور اسکندریہ میں کچھ غلام لڑکیاں خریدوں گا۔اور اپنی بقیہ زندگی ایک نواب کی طرح گزاروں گا۔میں ایسا کر سکتا ہوں مگر گراکس تم ایسا نہیں کر سکتے۔تم گراکس ہو، ایک سینیٹر ہو۔اور اس لمحے روم میں سب سے زیادہ طاقتور قوت ہو۔تم بھاگ نہیں سکتے۔تم اس کے ساتھ کس طرح لڑو گے؟''۔

''میں نے اس بارے میں ابھی تک کچھ نہیں سوچا''۔

''اچھا؟ تم جانتے ہو کہ کراسس کیا کرے گا۔آج تک کراسس کو کوئی شکست نہ دے سکا۔آج تک کراسس نے کسی سے کوئی چیز نہیں لی۔کیا تم کراسس سے لڑ سکو گے؟ کیا تم اس جیسے دولت مند سے لڑ سکو گے؟ وہ تمہیں تباہ کر دے گا گراکس۔قتل کر دے گا، وہ تمہیں برباد کرے گا اور قتل کر دے گا''۔

''کیا تمہارے خیال میں وہ اتنا بڑا آدمی ہے؟''۔گراکس نے نرمی سے پوچھا۔

''تم سچ جاننا چاہتے ہو؟ دو ملین اتنی بڑی رقم ہے جس کے بارے میں میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا۔مگر سچ یہ ہے کہ ہاں۔وہ اتنا ہی بڑا آدمی ہے۔وہ ایسا کر سکتا ہے اور وہ ایسا کرے گا''۔

''میں اپنی قسمت آزماؤں گا''۔گراکس نے کہا۔

''قسمت آزمانے کے بعد کیا کرو گے؟ دو ملین بہت بڑا پیسہ ہوتا ہے۔میں یہ پیسہ دے کر اُسے گھر سے اٹھوا کر بھی یہاں لا سکتا ہوں۔یہ کوئی مشکل نہیں۔مگر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ تمہارے منہ پر نہیں تھوکے گی؟ کراسس نے سپارٹیکس کو تباہ کر دیا۔مگر کراسس سے ایسا کرایا کس نے؟ اسے یہ کام سونپنے کی پسِ پردہ کوشش کس نے کی۔اسے فوج کس نے دی اور افسر کس نے بنایا؟''۔

''میں نے'' گراکس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بالکل۔تو تمہیں کیا ملے گا؟''۔

''وہ.....لڑکی.....''۔

''تم اُس لڑکی کو کیا دے سکتے ہو؟ ایک غلام صرف ایک چیز کی خواہش کرتا ہے۔کیا تم اس لڑکی کو وہ چیز دے سکتے ہو؟''

''کیا؟''

''اوہ۔تم جانتے ہو کہ وہ چیز کیا ہے؟'' فلیوئیس نے کہا''تم اس بات کا سامنا کیوں نہیں کرتے؟''۔

''تمہارا مطلب ہے، آزادی''۔گراکس نے پرسکون انداز میں کہا۔

''تمہارے ساتھ نہیں۔اُس کی آزادی، تمہارے بغیر۔اس کا مطلب ہے کہ روم سے باہر اُس کی آزادی۔اس کا مطلب ہے کہ کراسس کی پہنچ سے باہر اُس کی آزادی''۔

''تمہارے خیال میں کیا وہ اپنی آزادی کیلئے مجھے ایک رات عطا کر دے گی؟''

''کس چیز کی رات؟''

''محبت ....نہیں نہیں، محبت نہیں۔ وقار، عزت، پرواہ۔نہیں .....نہیں، یہ سب نہیں۔ احسان۔ہاں احسان کی ایک رات''۔

''تم کتنے بے وقوف ہو؟'' فلیوئیس نے کہا۔

''تم ایسا کہہ سکتے ہو'' گراکس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا''شاید میں بے وقوف ہوں یا شاید نہیں۔میں کراسس کے ساتھ قسمت آزمائی کروں گا۔تمہیں اس لڑکی کو قائل کرنا پڑے گا کہ میں اپنا قول کبھی نہیں توڑتا۔میں اپنے قول کا پکا ہوں۔روم یہ بات جانتا ہے۔مگر کیا تم اسے اس بات کا قائل کر سکو گے؟''

فلیوئیس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بعد میں اس کے روم سے نکل جانے کے انتظامات بھی تمہی کو کرنے پڑیں گے۔کیا تم ایسا کر سکو گے؟''

فلیوئیس نے دوبارہ اثبات میں سر ہلایا۔

''کہاں؟''

''کم از کم گال تک۔وہاں وہ محفوظ رہ سکتی ہے۔شاید ساحلوں کی نگرانی کی جائے۔اسی طرح جنوب کی طرف سڑکوں کی بھی۔میرا خیال ہے کہ اگر وہ شمال کی جانب گال چلی جائے تو محفوظ رہے گی۔وہ جرمن لڑکی ہے۔اگر وہ چاہے تو وہاں سے جرمنی تک پہنچ سکتی ہے''۔

''تم اسے کراسس کے گھر سے کس طرح باہر نکالو گے؟''۔

''وہ کوئی مسئلہ نہیں۔وہ ہفتے میں تین دن دیہات میں گزارتا ہے۔تھوڑی سی رقم خرچ کر کے لڑکی کو وہاں سے نکالا جا سکتا ہے''۔

''شرط صرف یہ ہے کہ لڑکی جانا چاہے تو''۔

''ہاں'' فلیوئیس نے کہا۔''اور میرا خیال ہے کہ وہ بچے کو ساتھ لانا چاہے گی''۔

''ٹھیک ہے۔میں بچے کو یہاں آرام سے رکھ سکتا ہوں''۔

''ہاں''

''تم دو ملین پیشگی چاہو گے، ہیں ناں؟''

''میرا خیال ہے کہ مجھے یہ رقم پیشگی لینی چاہیے''۔فلیوئیس نے قدرے غمگین انداز میں کہا۔

''یہ رقم ابھی تمہیں مل جاتی ہے۔پیسہ یہیں موجود ہے۔تم اسے نقد بھی لے سکتے ہو۔اور سکندریہ میں میرے بینکروں سے ڈرافٹ کے ذریعے بھی''۔

''میں نقد لوں گا''۔فلیوئیس نے کہا۔

''ہاں....میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔فلیوئیس، مجھے دغا دینے کی کوشش نہ کرنا۔اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم سے بہر حال نمٹوں گا''۔

''دفع کرو۔گراکس میرا قول اتنا ہی پکا ہوتا ہے جتنا تمہارا''۔

''بہتر۔بہت بہتر''۔

''میں صرف یہ نہیں جانتا کہ تم ایسا کر کیوں رہے ہو۔مجھے دیوتاؤں کی قسم، مجھے نہیں معلوم کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ کراسس آرام سے بیٹھ جائے گا تو پھر تم اسے جانتے ہی نہیں''۔

''میں کراسس کو جانتا ہوں''۔

''پھر تو تمہارا خدا حافظ ہو گراکس۔ کاش کہ میں ایسا نہ سوچتا۔ مگر میرا خیال یہی ہے''۔

7

ورینیا نے خواب دیکھا۔ اس نے خواب دیکھا کہ اُسے سینٹ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ وہ وہاں بیٹھے تھے، وہ جو دنیا پر حکمرانی کر رہے تھے۔ وہ اپنے سفید چوغوں میں ملبوس اپنی عظیم نشستوں پر بیٹھے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا چہرہ کراسس کی طرح لمبا، خوبصورت اور درشت تھا۔ ان سے متعلق ہر چیز.....ان کے بیٹھنے کا انداز، آگے کی طرف جھکے ہوئے، ٹھوڑی ہاتھ کے سہارے تھامے ہوئے' اُن کے چہروں کے تاثرات اس قدر سنجیدہ، اس قدر بدشگون، اُن کا اعتماد' اُن کی پریقینی.....'ان سے متعلق ہر چیز اقتدار کے مجموعے میں شامل ہوتی جاتی تھی۔ وہ قوت تھے، طاقت تھے' اقتدار تھے۔ اُن کے سامنے ساری دنیا بے بس اور ہیچ تھی۔ وہ سینٹ کے عظیم محرابی ہال میں اپنے سفید پتھر کی نشستوں پر بیٹھے تھے اور انہیں دیکھ کر ہی رعب و خوف کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

ورینیا نے خواب میں دیکھا کہ وہ اُن کے سامنے کھڑی ہے اور اُسے سپارٹیکس کے خلاف گواہی دینا ہے۔ وہ ان کے سامنے ایک معمولی سوتی لباس میں کھڑی ہے اور اُسے اس بات کا دردناک احساس تھا کہ اس کا دودھ اس کے لباس کو گیلا کئے جا رہا تھا۔ انہوں نے اس سے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔

''سپارٹیکس کون تھا؟''۔

اس نے جواب دینا شروع کر دیا کہ' مگر اس سے قبل کہ وہ جواب دے پاتی، اگلا سوال آ گیا۔

''اُس نے روم کو تباہ کرنے کی کوشش کیوں کی؟''

اُس نے پھر جواب دینے کی کوشش کی مگر پھر اگلا سوال آیا۔

''جو بھی اس کے ہاتھ آیا، اس نے قتل کر دیا، کیوں؟ کیا اسے معلوم نہ تھا کہ ہمارا قانون قتل کی اجازت نہیں دیتا؟''۔

اُس نے اس کی تردید کرنی چاہی، مگر اس سے پہلے کہ وہ دو تردیدی جملے کہہ پاتی' نیا سوال آیا: ''وہ کیوں ہر اچھی چیز سے نفرت کرتا تھا اور ہر شیطانی چیز سے محبت کرتا تھا؟''۔

اس نے پھر بات کرنے کی کوشش کی مگر ایک سینیٹر کھڑا ہو گیا۔ اور اس کے پستانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ کیا ہے؟''۔

''دودھ''۔

اب ہر چہرے پر ناراضگی تھی۔ خوفناک ناراضگی۔ اور وہ بہت زیادہ خوف زدہ ہو گئی۔ اور پھر بغیر کسی سبب کے اس کا خوف دور ہو گیا۔ خواب میں اس نے اپنے آپ سے کہا:

''اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ سپارٹیکس میرے ساتھ ہے''۔

پھر اس نے اپنی گردن گھمائی اور دیکھا کہ واقعی سپارٹیکس اس کے پاس کھڑا ہے۔ اُس نے وہی کپڑے پہن رکھے تھے جو جدوجہد کے دوران وہ اکثر پہنے رکھتا تھا۔ اس نے چمڑے کے بڑے بوٹ پہن رکھے تھے۔ اس نے سلیٹی رنگ کا ایک سادہ چغہ پہن رکھا تھا اور اپنے سیاہ گھنگریالے سر پر ایک ٹوپی پہن رکھی تھی۔ وہ غیر مسلح تھا' اس لئے کہ وہ ہمیشہ سے اُس وقت تک اسلحہ نہ اٹھاتا جب تک کہ انہیں جنگ کا سامنا نہ ہو۔ اس نے کوئی زیور، کوئی انگوٹھی، کوئی بازوبند نہیں پہن رکھا تھا۔ وہ کلین شیو تھا اور اس کے گھنگریالے بال چھوٹے کئے ہوئے تھے۔

خواب میں اُس کی موجودگی ورینیا کے لئے اس قدر قرار کا باعث تھی جیسے کہ خواب میں نہیں بلکہ حقیقی دنیا میں ہو۔ جب بھی وہ اسے دیکھتی مسرور ہو جاتی۔ جیسے مثلاً ایک کھلا ہوا دائرہ ہو۔ اور جب وہ نمودار ہو جاتا تا دائرہ خود کو بند کر دیتا اور یوں یہ دائرہ مکمل ہو جاتا۔ ایک بار وہ اُس کے احاطے میں تھی۔ وہاں پہ کم از کم پچاس آدمی تھے جو سپارٹیکس کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر کار وہ آ گیا۔ وہ ایک طرف کھڑی تھی تا کہ وہ منتظر لوگوں سے بات کر سکے۔ وہ صرف اسے دیکھتی رہی اور اس کی مسرت بڑھتی چلی گئی، اور جو بات وہ کرتا تھا، جو حرکت وہ کرتا تھا، مسرت کے اس عمل کا حصہ تھا۔ ایک

لمحہ ایسا آیا کہ وہ اس مسرت میں اضافہ برداشت نہیں کرسکتی تھی اور اسے احاطے سے باہر جانا پڑا۔ وہ باہر گئی، تنہا اور اکیلی جگہ پہ۔

اب اپنے خواب میں وہ اسی طرح کے جذبات میں مبتلا تھی۔

''جانِ من۔تم یہاں کیا کررہی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ مجھ سے سولات کررہے ہیں''۔

''کون؟''۔

''یہ'' اس نے سینیٹروں کی طرف اشارہ کیا ''وہ مجھے خوف زدہ کررہے ہیں''۔

اور اب اس نے نوٹ کیا کہ سینیٹروں پر مکمل سکوت طاری ہوگیا۔ وہ گم سم اور ساکن وساکت ہوگئے تھے۔

''مگر دیکھو تو۔ وہ زیادہ خوف زدہ ہیں''، سپارٹیکس نے کہا۔ یہ اس کی مخصوص عادت تھی۔ وہ کوئی چیز دیکھتا اور سادگی سے اسے بیان کرتا۔ پھر وہ حیران ہوگئی۔ کہ اس نے خود یہ کیوں نوٹ نہ کیا۔ واقعی وہ خوف زدہ تھے۔

''ورینیا، آؤ چلیں'' سپارٹیکس مسکرایا۔ اس نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کیا اور ورینیا نے اپنا بازو اس کی کمر کے گرد۔ وہ ہال سے باہر روم کی گلیوں کی طرف چلے گئے۔ وہ محبت کرنے والا جوڑا تھا۔ وہ روم کی گلیوں میں چلتے گئے چلتے گئے اور کسی نے ان کو نہ ٹوکا، کسی نے انہیں نہ روکا۔ خواب میں سپارٹیکس نے اس سے کہا، ''میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔ ہر وقت میں تمہارے ساتھ ہوں پھر بھی میں تمہیں چاہتا ہوں۔ آہ۔ میں تمہیں کس قدر چاہتا ہوں''۔

''ہر وقت تم مجھے چاہتے ہو اور تم مجھے پا لیتے ہو''۔

''میں جانتا ہوں، جانتا ہوں میں۔ مگر یاد کرنا مشکل ہے۔ میں تمہیں چاہنے سے خود کو روک نہیں سکتا۔ میں تمہیں زیادہ سے زیادہ چاہتا ہوں۔ کیا تم بھی مجھے اسی طرح چاہتی ہو؟''۔

''ہاں۔ اسی طرح''۔

''جب بھی مجھے دیکھتی ہو؟''۔

''ہاں''۔

''مجھے بھی ایسا لگتا ہے۔ جب تمہیں دیکھتا ہوں''۔ وہ کچھ دور تک گئے۔ پھر سپارٹیکس نے کہا ''مجھے کہیں جانا چاہیے۔ ہمیں کہیں جانا چاہیے اور ایک دوسرے کے ساتھ لیٹنا چاہیے''۔

''مجھے ایک جگہ معلوم ہے'' ورینیا نے خواب میں اسے جواب دیا۔

''کہاں''

''یہ کراسس نامی ایک شخص کا گھر ہے۔ میں وہاں رہتی ہوں''۔

وہ رک گیا اور اس نے اپنا بازو ہٹالیا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا ہوگیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اس کے لباس پہ دودھ دیکھا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے کہا۔ وہ اچانک خوف زدہ ہوگیا، پیچھے ہٹا اور پھر وہ وہاں نہ تھا۔ تب خواب ختم ہوگیا۔ ورینیا جاگ گئی اور وہاں کچھ نہ تھا سوائے تاریکی کے، جو اس کے چاروں طرف موجود تھی۔

8

اگلے روز کراسس دیہات کی طرف چلا گیا اور جب شام ہوئی تو فلیوئیس ورینیا کو گراکس کے پاس لے آیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ اس نے قول کیا تھا۔ وہ اس وقت گراکس کے گھر پہنچے جب وہ رات کے کھانے پر تنہا بیٹھا تھا۔ ایک غلام گراکس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ باہر دو اشخاص کھڑے ہیں۔ ایک فلیوئیس ہے اور اس کے ساتھ ایک عورت ہے۔ عورت کے بازوؤں میں ایک بچہ ہے۔

''ہاں'' گراکس نے کہا ''ہاں میں جانتا ہوں۔ بچے کیلئے ایک جگہ تیار ہے۔ انہیں اندر لاؤ''۔ پھر اس نے کہا۔

''نہیں نہیں۔ میں خود انہیں اندر لاؤں گا''۔ وہ ڈرائنگ روم سے قریب قریب دوڑتا ہوا دروازے کی طرف گیا۔ اس نے ان کے لئے خود دروازہ کھولا۔ وہ بہت ملنساری کا مظاہرہ

کر رہا تھا۔ بہت خوش خلق۔ اُس نے اس طرح ان کا خیر مقدم کیا جس طرح کہ کوئی کسی معزز مہمان کا کرتا ہے۔

عورت ایک لمبے چغے میں ملبوس تھی اور تاریکی میں گراکس اس کے چہرے کے تاثرات نہ دیکھ سکا۔ مگر اب وہ اسے دیکھنے کے لئے انتظار کر سکتا تھا۔ وہ انہیں اندر لے گیا اور اس نے عورت سے کہا کہ وہ بچہ اسے دے دے یا خود اسے پنگھوڑے تک لے جائے۔ بچہ ورینیا کے بازوؤں میں جھول رہا تھا۔ اور گراکس اس بات سے خوف زدہ تھا کہ کہیں وہ ایسی بات کہہ نہ دے یا کوئی اشارہ نہ دے جس سے بچے کے بارے میں کوئی اندیشہ پیدا ہو۔

''میں نے اس کی ضرورت کی ہر چیز کا انتظام کر رکھا ہے''۔ اس نے کہا ''میرے پاس ایک چھوٹا سا پنگھوڑا ہے اور وہ سب کچھ ہے جس کی آپ کو ضرورت ہو سکتی ہے۔ وہ بہت آرام اور حفاظت سے رہے گا''۔

''اسے زیادہ چیزوں کی ضرورت نہیں ہے'' ورینیا نے کہا۔

پہلی بار گراکس نے اس کی آواز سنی۔ یہ نرم مگر گہری خوش کن اور دلکش آواز تھی۔ اب اُس نے اپنا چغہ پیچھے گرا دیا اور اس نے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے لمبے اور بھورے بال پیچھے کی طرف گندھے ہوتے تھے۔ اس نے چہرے پر میک اپ نہیں کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کے چہرے کے خدوخال اُبھر کر اسے مزید خوبصورت بنا رہے تھے۔

جس وقت گراکس کی نظریں اُس پر ٹکی ہوئی تھیں، فلیوئیس کی آنکھیں گراکس پہ مرکوز تھیں۔ فلیوئیس حواس باختہ اور اداس، ایک طرف کھڑا تھا۔ وہ وہاں پر بے چین سا تھا اور جونہی اسے بات کرنے کا موقع ملا، اس نے کہا۔

''گراکس مجھے اور تیاریاں کرنی ہیں۔ میں صبح صادق کے وقت آؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اُس وقت تک تیار ہوں گے''۔

''میں تیار ہوں گا'' گراکس نے کہا۔

پھر فلیوئیس چلا گیا۔ اور گراکس ورینیا کو بچے کے لئے تیار کردہ کمرے تک لے گیا۔ وہاں ایک غلام عورت بیٹھی تھی اور گراکس نے عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ ساری رات یہاں بیٹھی رہے گی۔ وہ بچے پر سے ایک لمحے کیلئے بھی آنکھیں نہیں ہٹائے گی۔ اس لئے آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ بچے کو کچھ نہ ہوگا۔ اگر بچہ رو دے گا تو یہ فوراً آپ کو بلا لے گی۔ پریشانی کی بالکل کوئی بات نہیں''۔

''بچہ سوئے گا''۔ ورینیا نے کہا۔ ''آپ بہت مہربان ہیں، مگر بچہ سوئے گا''۔

''لیکن آپ کو بچے کے رونے کی آواز سننے کیلئے کان لگانے نہ پڑیں گے۔ جب بھی وہ روئے گا وہ آپ کو بلا لے گی۔ کیا آپ کو بھوک لگی ہے؟ کیا آپ نے کھانا کھایا ہے؟''۔

''میں نے کھانا نہیں کھایا، مگر مجھے بھوک نہیں لگی''۔ ورینیا نے بچے کو پنگھوڑے پر رکھ کر جواب دیا۔ ''میری خواہش ہے کہ کاش مجھے بھوک لگی ہوتی۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کہ میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ پہلے پہل مجھے اُس شخص پہ اعتبار نہ آیا۔ مگر اب مجھے اس پہ اعتبار آ گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ میری خاطر یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں اور کسی لمحے جاگ جاؤں گی''۔

''میں کھانا کھاؤں گا، آپ میرے پاس بیٹھیں گی اور شاید اس طرح آپ کا بھی کچھ کھانے کو جی کرے''۔

''ہاں۔ میں ایسا کروں گی''۔

وہ واپس ڈائننگ روم آ گئے اور ورینیا گراکس سامنے والی نشست پر بیٹھ گئی۔ وہ ٹیک نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ وہاں اکڑوں سا ہو کر بیٹھ گیا، اس کی نظر ایک لمحے کیلئے بھی ورینیا پر سے نہ ہٹی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ بالکل مطمئن سا ہو گیا ہے اور اسے عظیم مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔ ایسی مسرت جو اس نے پوری زندگی نہ دیکھی تھی۔ یہ صبر و شکر کا معاملہ تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں صبر و شکر کے ان جیسے احساسات کا مزہ نہ چکھا تھا۔ اسے ایسا لگا کہ وہ دنیا میں مطمئن ہے۔ دنیا کی دردناک بے محلی اور بے ثباتی ختم ہو چکی تھی۔ وہ اپنے حسین شہر کے اس گھر میں مطمئن تھا۔ اور اُس کا دل اِس عورت کی محبت سے لبالب بھرا ہوا تھا جو اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ پوری زندگی عورت ذات

سے محبت نہ کرنے' مگر پھر' سپارٹیکس کی بیوی کے ساتھ محبت کرنے کا معمہ حل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

اس نے کھانے کے بارے میں بات چیت شروع کر دی ''مجھے خدشہ ہے کہ آپ کراسس کی میز پر کھانے کے انواع واقسام دیکھ کر میرے کھانے کو سادہ سمجھیں گی۔ میں ہمیشہ پھل، سادہ گوشت اور مچھلی کھاتا ہوں۔ کبھی کبھی کوئی مخصوص ڈش کھاتا ہوں۔ آج رات کے لئے جھینگا مچھلی ہے جو بہت مزیدار ہے۔ میرے پاس سفید شراب بھی ہے جو میں پانی کی جگہ پیتا ہوں.....''

وہ اس کی باتیں نہیں سن رہی تھی۔ اس نے غیر معمولی پریشانی سے ورینیا سے پوچھا:

''آپ اس وقت کچھ بھی نہیں سمجھ پاتی ہوں گی جب ہم رومن لوگ خوراک کے بارے میں بات کرتے ہوں۔ ہے نا؟''۔

''نہیں''۔ اس نے تسلیم کیا۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ کیوں نہیں سمجھتیں۔ ہم یہ بات کبھی نہیں کہتے کہ ہماری زندگیاں کس قدر خالی ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ ہم اپنی زندگیاں بھرنے کے لئے اتنا وقت خرچ کرتے ہیں۔ ہم نے وحشی قوموں کی طرح کھانے' پینے' مباشرت کرنے اور ہنسنے کو عقیدہ بنالیا ہے۔ ہمیں مزید بھوک نہیں لگتی۔ ہم بھوک کے بارے میں باتیں تو کرتے ہیں مگر ہمیں اس کا تجربہ بالکل نہیں ہے۔ ہم پیاس کے بارے میں باتیں تو کرتے ہیں مگر ہم کبھی پیاسے رہتے نہیں۔ ہم محبت کی باتیں کرتے ہیں مگر محبت کرتے نہیں۔ اور ہم اپنی بے انت جدید کاریوں اور بدکاریوں کو اس کا متبادل بنا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں مسرت کی جگہ تفریح نے لے رکھی ہے۔ اور جونہی ایک تفریح غیر دلچسپ ہو جاتی ہے تو ہم ایک اور تفریح تلاش کرتے ہیں۔ جو پچھلی سے زیادہ پر جوش ہو۔ زیادہ، زیادہ اور زیادہ۔ ہم نے خود کو اس حد تک ظالم بنالیا ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں، ہمیں اس کا احساس نہیں رہتا اور یہ بے حسی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں ناں؟''۔

''ہاں۔ کچھ کچھ سمجھ رہی ہوں''۔

''اور ورینیا۔ مجھے بہر صورت آپ کو سمجھنا ہے۔ مجھے بہر صورت سمجھنا ہے کہ آپ کو کیوں

ڈر ہے کہ آپ خواب دیکھ رہی ہیں۔ کراسس نے آپ کی خوب خدمت کی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ اگر آپ چاہتیں تو وہ آپ سے شادی تک کر لیتا۔ کراسس ایک بڑا آدمی ہے۔ وہ روم کے بہت بڑے آدمیوں میں سے ایک ہے' اور اس کی قوت اور اس کا اثر ناقابل یقین حد تک بہت ہے۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ مصر کا فرعون کیا ہوتا ہے؟''۔

''ہاں میں جانتی ہوں''۔

''ہاں۔ تو خوب۔ کراسس مصر کے کسی بھی فرعون سے زیادہ طاقتور ہے۔ اور آپ مصر کی کسی ملکہ سے زیادہ عظیم ہوتیں۔ کیا آپ اس کے ساتھ خوش نہ ہوتیں؟''۔

''اس شخص کے ساتھ' جس نے سپارٹیکس کو قتل کیا تھا؟''۔

''آہ۔ مگر غور کیجئے۔ اس نے خود تو ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ سپارٹیکس کو نہیں جانتا تھا اور نہ ہی اس سے اس کی کوئی ذاتی رنجش تھی۔ میں اس میں برابر کا گناہ گار ہوں۔ روم نے سپارٹیکس کو تباہ کیا۔ مگر سپارٹیکس مر چکا ہے اور آپ زندہ ہیں۔ کیا آپ کراسس کی نعمتیں نہیں چاہتیں؟''

''نہیں''۔ ورینیا نے جواب دیا۔

''پھر آپ کیا چاہتی ہیں؟''۔

''میں آزاد ہونا چاہتی ہوں' میں روم سے نکلنا چاہتی ہوں اور پھر کبھی روم کو دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا بیٹا آزاد فضا میں جوان ہو جائے''۔

''کیا آزادی اتنی بڑی نعمت ہوتی ہے؟'' گراکس نے واقعی بدحواس ہو کر پوچھا ''کس چیز سے آزاد؟ بھوکا رہنے کی آزادی، قتل ہونے کی آزادی' بے گھر ہونے کی..... کھیتوں میں کسان کی طرح مشقت کرنے کی آزادی؟''

''میں آپ کو اس بارے میں بتا نہیں سکتی'' ورینیا نے کہا ''میں نے کراسس کو بتانے کی کوشش کی مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ کس طرح اسے بتاؤں۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ آپ کو کس طرح بتاؤں''۔

''اور آپ روم سے نفرت کرتی ہیں، ورینیا۔ میں روم سے محبت کرتا ہوں۔ روم میرا خون

ہے میری زندگی ہے، میری ماں ہے، میرا باپ ہے۔ روم ایک رنڈی ہے مگر اگر مجھے روم چھوڑنا پڑے تو میں مر جاؤں گا۔ مجھے اپنا شہر بہت اچھا لگتا ہے۔ مگر آپ اس سے نفرت کرتی ہیں۔ میں حیران ہوں کہ آپ روم سے کیوں نفرت کرتی ہیں۔ کیا سپارٹیکس روم سے نفرت کرتا تھا؟''۔

''وہ روم کے خلاف تھا اور روم اس کے خلاف تھا۔ آپ یہ بات جانتے ہیں''۔

''مگر جب وہ روم کو تباہ کر لیتا تو اس کی بجائے کیا تعمیر کرتا؟''۔

''وہ ایک ایسی دنیا کی تعمیر چاہتا تھا جہاں نہ غلام ہوتے نہ مالک۔ جہاں صرف عوام رہتے، امن میں، بھائی چارے میں۔ اس نے کہا کہ ہم روم سے ہر وہ چیز لیں گے جو اچھی ہو' خوبصورت ہو۔ ہم شہر بنائیں گے جن کی فصیلیں نہ ہوں گی۔ اور۔۔۔۔ اور سب انسان امن و بھائی چارے میں رہیں گے اور جہاں مزید کوئی جنگ نہ ہوگی' کوئی مصیبت نہ ہوگی اور کوئی دکھ نہ ہونگے''۔

گراکس اب خاموش بیٹھا تھا اور ورینیا اُسے بے خوفی اور حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔ عظیم جسامت اور بھاری بھونڈی چربی کے باوجود وہ ایک ایسا شخص تھا جس پر اس نے اعتبار کرنا چاہا۔ وہ ان سب لوگوں سے مختلف تھا جن سے وہ آج تک ملی تھی۔ اس میں ایک مخصوص دیانتداری نظر آ رہی تھی۔ اس میں ایک صفت تھی جس سے کسی طرح اُسے سپارٹیکس کی یاد آ رہی تھی۔ وہ کسی خاص چیز کی طرف اشارہ تو نہیں کر سکتی تھی، نہ ہی طبعی طور پر ایسی کوئی چیز موجود تھی..... محض کبھی کبھار..... وہ ایسی بات کہہ دیتا کہ شاید سپارٹیکس بھی وہی کچھ کہتا۔

پھر' کوئی اور بات کرنے سے پہلے وہ دیر تک خاموش رہا اور پھر اس نے ورینیا کی کہی ہوئی بات پر تبصرہ شروع کر دیا۔ جیسے اس نے ابھی ابھی یہ بات کہہ دی ہو۔

''تو یہ تھا سپارٹیکس کا خواب'' اس نے کہا ''ایک ایسی دنیا کی تعمیر جہاں نہ کوڑا ہو، نہ کوڑا کھانے والا..... جہاں نہ کوئی محل ہوں اور نہ مٹی کے بنے گھروندے۔ کون جانے ورینیا! تم نے اپنے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے؟''۔

''سپارٹیکس۔ اسے اور کیا نام دوں گی بھلا؟''

''ٹھیک کیا کہ سپارٹیکس نام رکھا۔ بالکل ٹھیک کیا۔ وہ بڑا ہوگا' لمبا تڑنگا' تنومند اور فخر سے

بھرا ہوا۔ کیا تم اسے اس کے بات کے بارے میں بتاؤ گی؟''

''ہاں۔ میں اسے بتاؤں گی؟''۔

''کس طرح؟ کس طرح بتاؤ گی؟ وہ ایک ایسی دنیا میں پلے بڑھے گا جہاں سپارٹیکس کی طرح کے آدمی نہ ہونگے، تم اسے کس طرح بتاؤ گی کہ اس کے باپ کو کس چیز نے پاک اور مقدس بنایا؟''۔

''آپ کو کیسے پتہ ہے کہ سپارٹیکس پاک اور مقدس تھا؟''۔ ورینیا نے اس سے پوچھا۔

''کیا یہ جاننا اتنا مشکل ہے؟''۔ گراکس حیران تھا۔

''یہ جاننا کچھ لوگوں کیلئے مشکل ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو کیا بتاؤں گی؟ میرا خیال ہے کہ آپ میری بات سمجھیں گے۔ میں اسے ایک بہت ہی سادہ بات بتاؤں گی۔ میں اسے بتاؤں گی کہ سپارٹیکس اس لئے پاک اور اشراف تھا کہ اس نے برائی سے منہ پھیر لیا اور برائی کا مقابلہ کیا۔ وہ برائی کے خلاف لڑا اور اپنی پوری زندگی اس چیز کے خلاف جنگ کرتا رہا جس چیز کو اس نے غلط سمجھا''۔

''اور کیا اسی چیز نے اسے خالص بنا دیا تھا؟''۔

''میں زیادہ عقلمند تو نہیں مگر میرا خیال ہے کہ یہ کسی بھی آدمی کو خالص بنا دیتی ہے''۔ ورینیا نے کہا۔

''اور سپارٹیکس کو کس طرح پتہ چلا کہ فلاں چیز درست ہے اور فلاں چیز غلط؟''۔

''جو چیز اُس کے لوگوں کے لئے اچھی تھی، وہ درست تھی اور جس چیز سے انہیں نقصان پہنچتا وہ غلط تھی''۔

''اچھا'' گراکس نے کہا۔ ''سپارٹیکس کا خواب اور سپارٹیکس کی راہ۔ ورینیا' میں خواب دیکھنے کی عمر سے گزر چکا ہوں۔ میں اگر جواں ہوتا تو میں بھی اس چیز کے متعلق خواب دیکھتا، جس کیلئے میں نے اپنی پوری زندگی کام کیا۔ زندگی..... یہ کتنی مختصر اور کتنی بے معنی اور بے مقصد لگتی ہے۔ یہ ایک لمحے کی طرح ہے۔ آدمی پیدا ہوا' آدمی مرا۔ بغیر کسی سبب کے اور بغیر کسی تُک کے۔ اور

میں اب یہاں اپنے موٹے، بھدے اور بدصورت جسم کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ کیا سپارٹیکس بہت خوبصورت شخص تھا؟''۔

وہ جب سے اس کے گھر آئی تھی، پہلی بار مسکرادی۔ وہ مسکرائی' پھر ہنسنے لگی اور پھر یہ ہنسی آنسوؤں میں بدل گئی اور اس نے اپنا چہرہ میز پر رکھا۔ اور وہ روتی رہی۔

''ورینیا۔ ورینیا۔ میں نے کوئی غلط بات کہہ دی کیا؟''

''نہیں۔ نہیں....'' وہ اُٹھ بیٹھی اور رومال سے اپنا چہرہ صاف کیا۔'' آپ نے کچھ نہیں کہا۔ آپ نے کچھ نہیں کہا۔ یہ تو سپارٹیکس کے لئے میری محبت تھی۔ وہ آپ رومنوں کی طرح نہ تھا۔ وہ میرے قبیلے کے لوگوں کی طرح بھی نہ تھا۔ وہ ایک تھریشین تھا۔ اس کا چہرہ چوڑا اور کھلا تھا۔ ایک بار جب ایک اوورسیر اُسے مار رہا تھا، تو اس کی ناک ٹوٹ گئی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ اس سے وہ بھیڑ کی طرح کا بن گیا تھا۔ مگر میرے نزدیک وہ ویسا ہی تھا جیسے کہ اسے ہونا چاہیے تھا''۔

ان کے درمیان ساری رکاوٹیں ختم ہو چکی تھیں۔ گراکس اس کے قریب آیا اور اس کا ہاتھ تھاما۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں خود کو کسی عورت کے اس قدر قریب نہ پایا تھا، کسی عورت پر اتنا اعتبار نہ کیا تھا۔''میری جان۔ میری جان'' اس نے کہا'' کیا آپ جانتی ہیں کہ میں نے آپ سے کیا کہا؟ اول۔ میں نے خود کو بتایا کہ میں آپ سے محبت کی ایک رات چاہتا ہوں۔ پھر میں نے خود اسے مسترد کیا۔ پھر میں نے وقار اور عزت کی ایک رات چاہی۔ اُسے بھی میں نے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد میں نے صرف احسان کی ایک رات چاہی۔ مگر احسان سے زیادہ بھی ہے ورینیا۔ ہے نا؟''۔

''ہاں ہے'' اس نے بلا تکلف کہا۔ گراکس کو اسی وقت انداز ہوا کہ ورینیا میں کوئی دوغلا پن اور فنکاری نہیں ہے۔ وہ اس طرز کے علاوہ کسی اور طریقے سے اپنے دل کی بات نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے اس کا ہاتھ اُٹھایا اور چوما۔ ورینیا نے اپنا ہاتھ پیچھے نہیں کھینچا۔

''میں یہی چاہتا ہوں''۔ اس نے کہا''میرے پاس صبح تک کا وقت ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ بیٹھیں گی؟ اور میرے ساتھ باتیں کریں گی؟ اور تھوڑی سی شراب پئیں گی اور تھوڑا سا کھانا کھائیں گی؟۔ میں نے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں اور بہت سی باتیں آپ سے سننی

ہیں۔ کیا آپ صبح ہونے تک میرے پاس بیٹھیں گی؟۔۔۔۔ اور پھر فلیوئیس گھوڑوں کے ساتھ آئے گا اور آپ ہمیشہ کے لئے روم سے روانہ ہوں گی۔ کیا آپ میری خاطر ایسا کریں گی؟''۔

''میں اپنی خاطر بھی ایسا کرنا چاہتی ہوں''۔ اس نے کہا۔

''میں آپ کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ مجھے کوئی ایسا طریقہ معلوم نہیں ہے جس سے کہ آپ کا شکریہ ادا کروں''۔

''میرا شکریہ ادا کرنے والی کوئی بات نہیں ہے''۔ ورینیا نے کہا'' آپ مجھے خوش رکھ رہے ہیں۔ میں نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ میں دوبارہ اس قدر خوش ہوں گی۔ میں نے کبھی نہیں سوچا کہ سپارٹیکس کی موت کے بعد کبھی مسکرا سکوں گی۔ میرا خیال تھا کہ زندگی ہمیشہ ایک صحرا کی مانند رہے گی۔ پھر بھی وہ مجھے بتاتا رہتا تھا کہ زندگی دوسری تمام چیزوں سے افضل ہے۔ مجھے اس کی بات کا مطلب اب سے پہلے کبھی بھی سمجھ نہیں آیا تھا۔ اب میں ہنسنا چاہتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ میں ہنسنا چاہتی ہوں''۔

9

جب فلیوئیس واپس ہوا تو یہ صبح صادق سے ایک گھنٹہ قبل کا وقت تھا۔ یہ سلیٹی رنگ کا وہ تنہا گھنٹہ ہوتا ہے جب زندگی کم ہوتے ہوتے ختم ہوتی ہے اور چیزیں دوبارہ شروع ہونے سے پہلے اپنے عمیق ترین نقطے پر پہنچ جاتی ہیں۔ گھر کا ملازم اُسے گراکس اور ورینیا کے پاس لے گیا۔ گراکس ایک کرسی میں خود کو پسار کر پڑا تھا، وہ تھکا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا مگر ناخوش نہ تھا۔ ورینیا ایک صوفے پر بیٹھی بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ وہ بھی تھکی ہوئی لگتی تھی۔ پھر بھی وہ اپنے صحت مند، گلابی بچے کو پستان سے دودھ پلاتی ہوئی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ جب گراکس نے فلیوئیس کو دیکھا تو اس نے اپنی انگلی ہونٹوں پہ رکھی اور فلیوئیس خاموشی سے انتظار کرنے لگا۔ وہ اس عورت کے حسن میں کھو سا گیا تھا۔ وہ وہاں ملگجی روشنی میں بیٹھی بچے کو دودھ پلاتی ہوئی ایسے لگ رہی تھی جیسے کہ وہ بہت

بہت عرصہ پہلے روم کی یادداشت سے باہر نکلی ہو۔

جب اس نے دودھ پلانا ختم کیا تو اپنی پستان کو ڈھانپ دیا اور سوئے ہوئے بچے کو ایک کمبل میں لپیٹ لیا۔ گراکس کھڑا ہو گیا اور اس کے سامنے گیا اور ایک لمبے لمحے تک وہ اس پر نگاہیں مرکوز کئے رہی۔

''بگھیاں تیار ہیں'' فلیوئیس نے کہا ''ایک بگھی کو میں نے گدوں اور کمبلوں سے بھر دیا ہے تا کہ آپ اچھی طرح آرام سے رہیں..... مگر ہمیں فوراً نکلنا چاہیے۔ بہت دیر ہو گئی ہے''۔

لگتا تھا جیسے انہوں نے اُس کی بات نہیں سنی۔ وہ ایک دوسرے پر نگاہیں جمائے تھے۔ ایک سپارٹیکس کی حسین بیوی تھی اور دوسرا موٹا، بھدا رومن سیاستدان گراکس تھا۔ پھر ورینیا گھریلو ملازم کی طرف مڑی اور اس سے کہا۔

''آپ ایک لمحے کے لئے میرے بچے کو اٹھائیں گی؟''۔

گھریلو ملازم نے بچے کو تھاما اور ورینیا گراکس کے پاس گئی۔ اس نے اس کے ہاتھوں کو سہلایا اور اس کے چہرے پر پہنچی۔ وہ آگے کی جانب جھکا اور ورینیا نے اس کا بوسہ لیا۔

''میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ میرے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آئے۔ اگر آپ میرے ساتھ آجائیں تو میں بھی آپ کے ساتھ اچھی طرح رہنے کی کوشش کروں گی..... میں آپ سے اتنی اچھی طرح پیش آنے کی کوشش کروں گی جتنی کہ میں کسی بھی مرد کے ساتھ ہو سکتی ہوں'' ورینیا نے کہا۔

''شکریہ۔ جانِ من''۔

''گراکس۔ کیا آپ میرے ساتھ آئیں گے؟''۔

''اوہ۔ میری جان۔ تمہارا بہت شکریہ۔ میں تمہارا بہت احسان مند ہوں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ مگر میں روم سے دور ہو کر اچھا نہ ہوں گا۔ روم میری ماں ہے۔ گو میری ماں رنڈی ہے مگر تمہارے علاوہ روم وہ واحد عورت ہے جس سے میں نے محبت کی ہے۔ میں بے وفا نہیں ہوں۔ میں ایک موٹا بوڑھا آدمی ہوں۔ جاؤ میری جان''۔

''ہمیں دیر ہو رہی ہے'' فلیوئیس نے بے صبری سے کہا ''اب تک پچاس لوگوں کو اس بات کا پتہ چل چکا ہو گا۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ اس راز کو کوئی بھی افشا نہ کر دیگا؟''۔

''اس کا اچھی طرح خیال رکھنا''۔ گراکس نے کہا ''فلیوئیس۔ اب تم ایک امیر آدمی بن جاؤ گے۔ اب تم آرام سے رہو گے۔ اس لئے میری خاطر یہ آخری کام کرو۔ اِس کا اور اس کے بچے کا بہت خیال رکھو۔ انہیں شمال کی طرف لئے چلو جب تک کہ تم آلپس کے پہاڑوں کے دامن میں نہیں پہنچ جاتے۔ گال کے کسان وہاں چھوٹے چھوٹے گاؤں میں رہتے ہیں۔ وہ بہت اچھے، سادے اور محنتی لوگ ہیں۔ یہ ان کے ساتھ کوئی جگہ ڈھونڈ لے گی۔ مگر اسے اس وقت تک لئے چلنا جب تک کہ تمہیں آلپس کے پہاڑ آسمان کے خلاف نظر نہ آئیں۔ اور تیزی سے سفر کرنا۔ گھوڑوں کو چابک مارنا۔ اگر ضروری ہو تو انہیں مار ڈالو اور نئے گھوڑے خرید لو مگر رکو نہیں۔ فلیوئیس تم میری خاطر ایسا کرو گے ناں؟''۔

''میں نے اب تک آپ سے کیا ہوا کوئی عہد نہیں توڑا''۔

''ہاں، تم قول کے سچے ثابت ہوئے ہو، خدا حافظ''۔

وہ دروازے تک ان کے ساتھ گیا۔ ورینیا نے بچہ اٹھا لیا۔ وہ دروازے پر کھڑا ہو گیا اور صبح کی ہلکی سی روشنی میں انہیں بگھیوں پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔ گھوڑے بے چین اور ہوشیار تھے۔ وہ پکی سڑک پر روانہ ہو گئے۔

''خدا حافظ ورینیا''۔ اس نے پکار کر ورینیا کو خدا حافظ کہا۔

ورینیا نے اس کی طرف ہاتھ لہرایا۔ پھر بگھی نظروں سے اوجھل ہو گئی..... گراکس اب اپنے دفتر گیا اور اپنی بڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا اور اس نے ایک لمحے کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ مگر وہ سویا نہیں۔ اس کا اطمینان ختم نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کئی چیزوں کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے باپ کے متعلق سوچا جو ایک غریب موچی تھا۔ اس نے اس وقت کو یاد کیا جب رومن محنت کیا کرتے تھے اور اپنی محنت پہ فخر کیا کرتے تھے۔ اس نے گلیوں میں اپنی سیاست کے آغاز کو یاد کیا، غنڈہ گردی اور ووٹوں کی خرید و فروخت کی تر

بیت، ہجوم کو استعمال کرنے اور اقتدار کی سیڑھی پر اپنے چڑھنے کے مراحل کو یاد کیا۔ اقتدار جو کبھی کافی نہیں ہوتا' پیسہ جو کبھی کافی نہیں ہوتا۔ اُن دنوں ابھی تک ایسے رومن موجود تھے جو جمہوریہ کے لئے، لوگوں کے حقوق کیلئے' لڑتے تھے اور کسانوں کو بے دخل کرنے اور زرعی غلامی کے قیام کی ناانصافی کے خلاف بہادری سے تقریریں کرتے تھے۔ وہ گرجتے تھے، برستے تھے۔ وہ ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ گراکس انہیں سمجھتا تھا۔ یہ اس کی عظیم خوبی تھی کہ وہ انہیں سمجھتا تھا اور ان کے کاز کی صداقت کو تسلیم کرتا تھا۔ مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اُن کا مقصد ناکام مقصد ہے۔ تاریخ کے گھڑیال کو پیچھے نہیں دھکیلا جا سکتا۔ یہ سوئی ہمیشہ آگے کی طرف جاتی ہے۔ اور گراکس نے اُن لوگوں کا ساتھ دیا جو سلطنت کے قیام کے حامی تھے۔ اس نے اپنے غنڈے اُن لوگوں کو تباہ کرنے کے لئے بھیج دیئے جو قدیم آزادیوں کی بات کرتے تھے۔ اس نے منصف مزاج اور اصول پرست لوگوں کو قتل تک کروایا تھا۔

وہ اب اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے پشیمانی یا ندامت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ تو صرف سمجھنے کی خواہش میں اپنا ماضی یاد کر رہا تھا۔ وہ لوگ قدیم آزادیوں کیلئے جدوجہد کر رہے تھے۔ وہ اُس کے دشمن تھے۔ مگر کیا آزادی قدیم ہوتی ہے؟۔ ابھی ابھی یہیں، اس کے گھر سے ایک عورت گئی اور اس کے اندر آزادی آگ کی طرح شعلہ زن تھی۔ اس نے اپنے بیٹے کا نام سپارٹیکس رکھا تھا اور پھر یہی سپارٹیکس اپنے بیٹے کا نام سپارٹیکس رکھے گا۔ اور غلاموں کو کب تک غلام رکھا جا سکے گا؟ اس سوال کا اُس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس مسئلے کا اس کے پاس کوئی حل نہ تھا۔ مگر اس بات سے بھی اسے پشیمانی نہیں ہو رہی تھی۔ اس وقت اسے تاریخ کا احساس ہو رہا تھا۔ وقت کی تیز رفتاری میں وہ خود محض ایک لمحہ تھا۔ اس کا محبوب شہر دائم رہے گا' ابد تک۔ اگر پھر کبھی سپارٹیکس واپس آئے اور دیواروں کو تہس نہس کر دے (تاکہ لوگ بغیر خوف کے رہ سکیں) تو وہ سمجھ جائیں گے کہ گراکس جیسے لوگ بھی موجود تھے جو اپنے شہر کی برائیوں کو جاننے کے باوجود اُس سے محبت کرتے تھے۔

وہ اب سپارٹیکس کے خواب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیا یہ خواب حقیقت بن سکے گا۔ کیا یہ خواب قائم و دائم رہ سکے گا؟ کیا ورینیا کی کہی ہوئی بات سچ تھی کہ برائی کے خلاف لڑ کر آدمی بے غرض اور خالص بن جاتا ہے؟ اس نے کبھی ایسے آدمی نہیں دیکھے' مگر اس نے سپارٹیکس کو بھی کبھی نہیں دیکھا۔۔ مگر وہ ورینیا کو جانتا تھا۔ سپارٹیکس جا چکا تھا اور ورینیا جا چکی تھی۔ اب تو سب کچھ خواب لگتا تھا۔

اس نے ورینیا کے علم کے محض ساحل کو چھوا تھا۔ مگر ورینیا کا کاز رائج نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی گھریلو غلام اندر آئی۔ اُس نے اس کی طرف عجیب انداز میں دیکھا۔ ''بوڑھی عورت۔ کیا بات ہے؟''۔ اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''مالک۔ آپ کے غسل کا سامان تیار ہے۔''

''مگر میں آج نہیں نہاؤں گا۔'' اُس نے کہا اور غلام کی حیرت اور سراسیمگی سے محظوظ ہوا۔ ''بوڑھی عورت۔ آج ہر چیز مختلف ہے' دیکھو تو''۔ وہ کہتا رہا ''میز پر تھیلوں کی قطار ہے۔ ہر تھیلے میں میرے ہر غلام کے لئے آزاد ہونے کا ایک سرٹیفکیٹ ہے۔ ہر تھیلے میں بیس ہزار سیسٹرز (رومن سکہ) ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ تھیلے غلاموں کو دے دو اور انہیں کہہ دو کہ میرے گھر سے چلے جائیں، بوڑھی عورت، یہ کام ابھی کرو''۔

''میں کچھ بھی نہیں سمجھی'' اس نے کہا۔

''کیوں؟ تم مجھے کیوں سمجھ نہیں پاتیں؟ میں نے صاف لفظوں میں اپنی بات کہہ دی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سب لوگ چلے جاؤ۔ تم آزاد ہو اور تم لوگوں کے پاس کچھ نقدی بھی ہے۔ کیا میں نے پہلے کبھی تمہیں حکم عدولی کی اجازت دی؟''۔

''مگر آپ کے لئے کھانا کون پکائے گا۔ آپ کا خیال کون رکھے گا؟''۔

''بوڑھی خاتون۔ مجھ سے سوالات نہ کرو۔ جیسا میں کہتا ہوں، ویسا ہی کرو''۔

جب وہ سب چلے گئے تو گراکس کو گھر عجیب طرح سے خاموش لگا۔ یہ ایک نئی قسم کی خاموشی تھی۔ صبح کا سورج ابھر رہا تھا۔ گلیاں زندگی سے بھر گئی تھیں، ہر طرف آوازیں تھیں، شور تھا۔ مگر گراکس کا گھر سکوت میں تھا۔

وہ واپس اپنے دفتر آ گیا۔ ایک الماری تک گیا اور اس کا تالا کھولا۔ وہاں سے اس نے

ایک تلوار نکالی۔ یہ ہسپانوی تلوار زیادہ لمبی نہ تھی مگر بہت خوبصورتی سے بنائی گئی تھی۔ یہ سونے چاندی سے منقش نیام میں رکھی ہوئی تھی۔ یہ تلوار کئی سال پہلے اسے ایک جشن کے موقع پر دی گئی تھی۔ اسے وہ موقع یاد نہ رہا۔ کتنی دلچسپ بات ہے کہ اُسے ہتھیاروں سے نفرت تھی۔ مگر یہ بات حیران کن تھی کہ جب اس نے سوچا کہ وہ واحد ہتھیار جس پہ وہ بھروسہ کرتا تھا، وہ خود اس کی صلاحیت تھی۔ اس نے تلوار میان سے نکالی اور اس کی دھار اور نوک کو چھو کر دیکھا۔ یہ بہت تیز تھی۔ پھر وہ دوبارہ اپنی کرسی کی طرف گیا اور بیٹھ گیا۔ وہ خود کو قتل کر دینے کے خیال پہ مسکرایا۔ اس فعل میں کوئی وقار نہ تھا۔ یہ حرکت مکمل طور پر مضحکہ خیز تھی۔ اور اسے شک تھا کہ کہیں وہ تلوار اپنے اندر نہ گھونپ سکے۔ اسے شک تھا کہ خود کو قتل کرنے کی بجائے ایسا نہ ہو کہ وہ محض اپنی اوپری چربی کاٹ لے اور پھر خون دیکھ کر حواس باختہ ہو جائے اور چیخ چیخ کر روتے ہوئے مدد کے لئے پکارتا پھرے۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں ایک مرغی تک نہیں ماری تھی۔

پھر وہ سمجھ گیا کہ یہ دل کا معاملہ نہ تھا۔ وہ پوری زندگی میں موت سے بہت کم خوفزدہ ہوا تھا۔ بچپن ہی سے وہ دیوتاؤں کی مضحکہ خیز کہانیوں کا مذاق اڑاتا چلا آیا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے طبقے کے تعلیم یافتہ لوگوں کے اس نقطۂ نظر کو تسلیم کرتا تھا کہ دیوتاؤں کا کوئی وجود نہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا تصور غلط تھا۔ اس نے خود کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ صرف اس بات سے خوف زدہ تھا کہ کہیں وہ خود کو وقار کے ساتھ قتل نہ کر سکے۔

ان خیالات میں کھوئے ہوئے اس کی آنکھ لگ چکی تھی۔ باہر کے دروازے پر زور مار دستک سے وہ جاگ گیا۔ اس نے اپنی سُستی جھٹک دی اور سننے لگا۔

''آہ۔ کیا غصہ ہے''۔ اس نے سوچا ''کراسس تمہیں کتنا غصہ آ رہا ہے۔ تمہاری خوفناک برہمی حق بجانب بھی ہے کہ بڈھے احمق موٹے نے تمہیں ایک انگلی پر نچایا ہے اور تمہاری جنگ کی بیش بہا غنیمت تم سے چھینی ہے۔ مگر کراسس۔ تمہیں اس سے محبت تو نہ تھی۔ تم نے سپارٹیکس کو صلیب پر ٹھونکنا چاہا تھا اور جب وہ تمہیں نہ مل سکا تو تم نے اس کی بیوی چاہی۔ تم نے چاہا تھا کہ وہ تم سے محبت کرے، تمہارے سامنے گھٹنے ٹیک کر چلے۔ اوہ۔ کراسس تم کس قدر بیوقوف ہو۔ احمق ہو، گدھے ہو۔ پھر بھی تم جیسے لوگ اس عہد کے عظیم لوگ تصور کئے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں''۔

اس نے تلوار تلاش کی مگر اسے تلوار نہیں مل رہی تھی۔ پھر وہ اپنے گھٹنوں پر بیٹھ گیا اور تلوار کو کرسی کے نیچے پیوست کر دیا۔ اس نے تلوار کو اپنے ہاتھوں سے تھامے رکھا اور پھر اپنے ارادے کو مضبوط کر کے اس نے اسے اپنے سینے کے پار کر دیا۔ درد اس قدر شدید تھا کہ وہ چیخ پڑا مگر تلوار اندر جا چکی تھی اور پھر وہ اس پر آگے کی طرف گرا، تلوار کا بقیہ حصہ بھی اندر چلا گیا۔

وہ اسی طرح پڑا تھا جب کراسس دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوا۔ جنرل کو گرا کس کا پہلو بدلنے میں اپنی پوری قوت صرف کرنی پڑی۔ پھر جنرل نے دیکھا کہ سیاستدان کا چہرہ ایک رونی سی صورت میں، ایک کھسیانی ہنسی کی صورت میں جامد تھا۔۔۔۔

کراسس غصے اور نفرت سے بھرا ہوا واپس اپنے گھر آ گیا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں کسی بھی چیز سے اتنی نفرت نہ کی تھی جتنی نفرت اسے مرے ہوئے گرا کس سے ہو رہی تھی۔ مگر گرا کس مر گیا تھا اور کراسس اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

جب کراسس اپنے گھر میں داخل ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا ایک مہمان آیا ہوا ہے۔ نوجوان کائیس اسکا منتظر تھا۔ کائیس کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ اس لئے اس نے فوراً ہی بتایا کہ وہ کاپوا میں چھٹیاں گزار کر ابھی ابھی لوٹا ہے اور سیدھا اپنے عاشق کراسس سے ملنے آیا ہے۔ وہ کراسس کی طرف گیا اور اسے سینے سے بھینچ لیا۔ اور تب کراسس نے اسے نیچے پچھاڑ دیا۔

کراسس اندھا دھند دوسرے کمرے میں چلا گیا اور ایک کوڑا لئے واپس ہوا۔ کائیس فرش پر سے اُٹھ ہی رہا تھا (اسکی ناک سے خون بہہ رہا تھا، اس کا چہرہ حیرت، دکھ اور بے عزتی کا مجموعہ بن گیا تھا) کہ کراسس اس پر کوڑے برسانے لگا۔

کائیس چیخا۔ وہ بار بار چلایا۔ مگر کراسس اس پر کوڑے برساتا رہا۔ کراسس کو بالآخر اس کے اپنے غلاموں نے پکڑ لیا اور پھر کائیس ٹھوکریں کھاتا ہوا بھاگ گیا۔ وہ کوڑوں کی وجہ سے چھوٹے بچے کی طرح زور زور سے رو رہا تھا۔

باب ہشتم

1

فلیوئیس نے گراکس کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کو پورا کیا۔ گراکس کے دستخط کردہ اسناد کے ساتھ وہ بگھیوں کو پہلے شمال اور پھر مشرق کی طرف سرپٹ دوڑاتا رہا۔ وریبنیا کو سفر کے بارے میں کوئی تفصیل یاد نہ تھی۔ اس لئے کہ پہلے دن کے سفر کے بڑے حصے کے دوران وہ سوتی رہی۔ سڑک بہت اچھی تھی۔ دن کے پہلے حصے تک بگھی بانوں نے بے ترسی سے گھوڑے بھگائے۔ دوپہر کو دوسرے گھوڑے بگھیوں میں جوت لئے گئے۔ اور دن کا بقیہ حصہ وہ ان نئے گھوڑوں پر چابکیں برساتے رہے۔ رات تک وہ روم سے شمال کی جانب سو میل کے قریب مسافت طے کر چکے تھے۔ انہوں نے اندھیرا ہوتے ہی گھوڑے بدل لئے اور یہ گھوڑے چاندنی میں پوری رات بھاگتے رہے۔

کئی بار انہیں فوجی گشت کا سامنا بھی ہوا مگر گراکس کا عطا کردہ سینٹ کی طرف سے حکم نامہ ہمیشہ ان کی گلوخلاصی کے لئے کافی ثابت ہوا۔ رات بھر وریبنیا بگھی میں بیٹھی رہی۔ بچہ کمبلوں میں لپٹے اور نرم گدوں کے درمیان پیروں والی جگہ پر آرام سے سوتا رہا۔ وہ دیہی علاقے کو چاندنی میں دیکھتی رہی۔ اس کے آس پاس کی چیزیں تیزی سے پیچھے کی طرف بھاگ رہی تھیں۔ پوری دنیا سو رہی تھی اور وہ تیزی سے سفر کر رہے تھے۔

صبح ہونے سے کچھ پہلے جب چاند ڈوبا تو وہ سڑک پر سے اتر کر تھوڑے فاصلے پر ایک سبزہ زار پر رُکے۔ انہوں نے گھوڑوں کو کھولا، انہیں جفتیں لگائیں، اور چپڑ چپڑ روٹی کھائی۔ انہوں نے تھوڑی شراب پی اور پھر کمبل بچھا کر سو گئے۔ وریبنیا کو مشکل سے نیند آئی۔ مگر تھکے ہارے بگھی بان فوراً ہی گہری نیند سو گئے۔ وریبنیا کو لگا جیسے اس نے مشکل ہی سے پلکیں جھپکی ہوں گی کہ فلیوئیس نے اسے جگایا۔ جب تک کہ انہوں نے گھوڑوں کو آہستگی اور بدمزاجی سے جوت لیا (جس طرح کہ آدمی اپنی تھکاوٹ پر قابو پاتے ہوئے کرتا ہے)' وہ بچے کو دودھ پلاتی رہی۔ اور پھر صبح کی مدھم روشنی میں وہ پھر سڑک پر آ گئے اور شمال کی جانب گھڑ دوڑ جاری رکھی۔ جب سورج نکل رہا تھا تو وہ ایک جگہ رک گئے تاکہ اپنی ٹانگوں کو سیدھا کر سکیں اور گھوڑے بدل سکیں۔ کچھ دیر بعد وہ ایک فصیل والے شہر سے گزرے۔ اس ساری صبح بگھی بان گھوڑوں کو چابک مارتے رہے اور ان پہ گرجتے رہے۔ اب سفر کے آثار وریبنیا پر ظاہر ہونے لگے۔ اس نے کئی بار الٹی کی اور اسے متواتر یہ دھڑکا لگا رہا کہ کہیں اس کی پستانوں کا دودھ کم نہ ہو جائے۔ مگر شام کے وقت فلیوئیس ایک کسان سے تازہ دودھ اور بکری کا پنیر لے آیا۔ جس سے وریبنیا کی جان میں جان آئی۔ رات کو چونکہ آسمان پہ بادل تھے اس لئے وہ تقریباً پوری رات آرام کرتے رہے۔

وہ پھر صبح تڑکے سفر پر روانہ ہوئے۔ اور دوپہر کو اس جگہ پہنچے جہاں ایک اور بڑی سڑک ان کی سڑک کو کاٹتی ہوئی گزرتی تھی۔ اب وہ شمال مغرب کی طرف سفر کرنے لگے۔ اور جب سورج غروب ہو رہا تھا تو وریبنیا کو پہلی بار دور آلپس کی برف پوش چوٹیاں نظر آئیں۔ چاندنی رات تھی اس لئے انہوں نے سفر جاری رکھا۔ وہ گھوڑوں کو آخری بار تبدیل کرنے کے لئے رکے اور صبح کے وقت انہوں نے بڑی سڑک چھوڑ دی اور ایک کچی سڑک پہ مشرق کی طرف ہو لئے۔ یہ سڑک ایک وادی کی طرف جاتی تھی۔ جب سورج نکلا تو وریبنیا کو دور دور تک وادی نظر آئی۔ ایک دریا وادی کے بیچ سے گزرتا تھا اور وادی کے اطراف پہاڑیاں تھیں۔ آلپس کے پہاڑ اب نزدیک ہو گئے تھے۔

اب وہ تیزی سے نہیں چل سکتے تھے۔ سڑک خراب تھی اور بگھیاں ہچکولے کھا رہی تھیں۔ وریبنیا اپنے بچے کو تھامے بالشتوں کے درمیان بیٹھی تھی۔ انہوں نے لکڑی کے ایک پل کے ذریعے دریا پار کیا اور پہاڑوں کی جانب بڑھتے گئے۔ پورا دن دشوار سفر میں گزرا۔ گال کسان انہیں دیکھ

کر اپنا کام روک دیتے اور دو عظیم الشان بگھیوں اور موٹے گھوڑوں کو دیکھنے لگ جاتے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا۔ بچے دوڑتے ہوئے نزدیک آجاتے اور اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے اس غیر معمولی نظارے کو دیکھتے۔

ڈھلتی ہوئی سہ پہر میں جب سڑک محض ایک لکیر نظر آرہی تھی، وہ پہاڑوں سے گزرے جہاں ایک وسیع وحسین وادی ان کے سامنے پھیلی ہوئی تھی۔ اس وسیع وادی میں ورینیا کو کہیں کہیں ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آتا اور کہیں کسانوں کی جھگیاں، جنگل کے چھوٹے چھوٹے قطعے، چھوٹی چھوٹی ندیاں، اور دور کہیں کسی شہر کی فصیل نظر آرہی تھی۔ یہ شہر اُن کے مغرب میں تھا۔ وہ لوگ شمال کی جانب ڈھلوان میں بڑھتے رہے اور آلپس کے پہاڑ ابھی تک دور تھے۔

اُترائی میں جانا چڑھائی پہ چڑھنے سے زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے گھوڑوں کو روک روک کر چلانا پڑ رہا تھا اور سڑک بل کھاتی جاتی تھی۔ جب وہ وادی کی تہہ تک پہنچ گئے تو اس وقت اندھیرا ہو چکا تھا۔ وہ آرام کرنے اور چاند نکلنے کا انتظار کرنے رک گئے۔ انہوں نے اس رات چاندنی میں کچھ سفر کیا، دوبارہ آرام کیا اور پھر دوسری صبح روشنی ہوتے ہی پھر چل پڑے۔ اس علاقے کی ساری سڑکیں خراب تھیں۔ وہ چلتے رہے اور بالآخر اُن پہاڑوں تک پہنچ گئے جہاں آلپس شروع ہوتا ہے۔

یہاں پر فلیوئیس ورینیا سے جدا ہوا۔ صبح سویرے کا وقت تھا اور آس پاس کھیتوں اور درختوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ سڑک پر ورینیا کو چھوڑتے ہوئے فلیوئیس نے کہا۔

''ورینیا۔ خدا حافظ۔ میں نے گراکس سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق اپنا فرض مکمل کر لیا ہے اور میرا خیال ہے کہ معاوضے کی صورت میں اُس کی دی ہوئی رقم اب میرے لئے حلال ہے۔ مجھے امید ہے کہ نہ تو تم اور نہ ہی میں دوبارہ روم دیکھیں گے۔ اس لئے کہ آج کے بعد وہ شہر ہم دونوں کے لئے مناسب شہر نہ رہا۔ میں تمہارے لئے اور تمہارے اس چھوٹے لڑکے کے لئے خوش بختی وخوشحالی کی دعا کرتا ہوں۔ یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر کسانوں کا ایک گاؤں ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ وہ تمہیں بگھی پر آتے ہوئے نہ دیکھیں۔ اس تھیلے میں تمہارے لئے ایک ہزار سیسٹرز

ہیں جو ایک سال تک تمہارے خوراک اور پوشاک کے لئے کافی رقم ہے۔ کسان سادہ لوگ ہیں۔ اور اگر تم اُس پہاڑ کے اس طرف اپنی آبائی سرزمین جانا چاہو، تو وہ تمہاری مدد کریں گے۔ مگر میں تمہیں ایسا کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ان پہاڑوں پر رہنے والے لوگ وحشی ہیں، اور اجنبیوں سے نفرت کرتے ہیں۔ اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ تمہیں تمہارا اپنا قبیلہ ہرگز نہیں مل سکے گا۔ جرمن قبائل جنگل میں یہاں وہاں مہاجرت کرتے رہتے ہیں، اس لئے کسی قبیلے کو ڈھونڈنا ناممکن ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ آلپس کے اُس پار کا جنگل ایک بچے کی پرورش کے لئے مرطوب اور غیر مناسب جگہ ہے۔ یہیں کہیں پر بس جاؤ۔ یہ جگہ مجھے تو اچھی نہیں لگتی مگر یہ خواہش تو خود تمہاری تھی ''۔

''ہاں، میری یہی خواہش تھی''۔ اس نے کہا ''فلیوئیس میں تمہاری احسان مند ہوں''۔

اور پھر انہوں نے بگھیاں موڑ دیں اور ورینیا وہیں کھڑی، بچے کو اپنی بانہوں میں لئے انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ انہیں اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک کہ کھیت کی ایک ابھار نے انہیں نظروں سے اوجھل نہ کر دیا۔

پھر وہ سڑک پر بیٹھ گئی اور بچے کو دودھ پلانے لگی۔ اس کے بعد وہ سڑک کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔ یہ موسم گرما کی ایک خوبصورت خنک صبح تھی۔ سورج شفاف آسمان پہ نمودار ہو رہا تھا۔ پرندے چہچہا رہے تھے اور شہد کی مکھیاں رس چوستی بھنبھناتی ہوئی ایک سے دوسرے پھول تک جا رہی تھیں۔

ورینیا بہت خوش تھی۔ یہ خوشی ایسی تھی جو اس نے سپارٹیکس کے ساتھ نہیں دیکھی تھی۔ مگر اُس نے زندگی کا علم اور زندہ رہنے کی خوبیاں اس کے لئے ترکے میں چھوڑ دی تھیں۔ وہ زندہ تھی اور آزاد تھی۔ اور اس کا بچہ آزاد اور زندہ تھا۔ اس لئے وہ مسرتوں سے بھری ہوئی تھی اور اُمید اور نیک خواہشوں کے ساتھ مستقبل کو دیکھ رہی تھی۔

یہ تھی ورینیا کی سرگزشت ۔کوئی شخص تنہا نہیں رہ سکتا اور جس گاؤں میں وہ آ گئی ،وہ گال کے کسانوں کا تھا۔اس نے ایک شخص کے پاس سر چھپانے کی جگہ تلاش کی جس کی بیوی بچے کی پیدائش کے عمل کے دوران مر چکی تھی ۔شاید لوگوں کو پتہ تھا کہ ورینیا ایک فرار شدہ غلام تھی ۔مگر اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی ۔اس کے پستان دودھ سے بھرے ہوئے تھے اور اس نے ان لوگوں کے ایک بچے کو زندگی دی ۔وہ ایک اچھی عورت تھی اور لوگ اس کی سادگی اور مضبوطی کی وجہ سے اُس سے پیار کرتے تھے ۔

وہ جس شخص کے گھر آ گئی تھی وہ ایک عام کسان تھا۔وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا اور اسے محض محنت کے اسباق یاد تھے۔وہ سپارٹیکس نہ تھا مگر سپارٹیکس سے چنداں مختلف بھی نہ تھا۔اسے زندگی کے ساتھ محبت تھی۔اسے غصہ دیر سے آتا تھا اور وہ اپنے بچوں سے بے حد پیار کرتا تھا (اس کا ایک اپنا بچہ تھا اور دوسرا وہ جو ورینیا ساتھ لائی تھی)۔

وہ ورینیا سے بہت محبت کرتا تھا اس لئے کہ وہ باہر سے اس کے پاس آئی تھی' اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے ساتھ زندگی لائی تھی ۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ورینیا بھی اس سے شناسا ہو گئی اور اس کے احساسات کا جواب دینے لگی۔اس نے ان کی زبان آسانی سے سیکھ لی ۔اس زبان کی بنیاد لاطینی تھی اور اس میں کئی گال الفاظ مل گئے تھے۔اس نے ان کے رسم ورواج سیکھ لئے ۔یہ رواج اس کے اپنے قبیلے کے رواجوں سے بہت مختلف نہ تھے ۔وہ زمین کاشت کرتے تھے ۔وہ فصل کا کچھ حصہ اپنے گاؤں کے دیوتاؤں کو دیتے تھے اور کچھ حصہ ٹیکس کلکٹر اور روم کو۔وہ زندہ رہتے ،مرجاتے ،رقص کرتے ،گاتے ،روتے اور شادیاں کرتے تھے ۔اور ان کی زندگیاں موسموں کے تغیر کے ساتھ ساتھ چلتیں۔دنیا میں عظیم تبدیلیاں ہو رہی تھیں مگر ان کے ہاں یہ تبدیلیاں اس قدر سست رفتاری سے محسوس کی جا رہی تھیں کہ ان کے ہاں کچھ بھی نہیں بدل رہا تھا۔

ورینیا سرسبز تھی ۔اور ہر سال ایک بچہ جن رہی تھی ۔اس شخص سے اس نے سات بچے پیدا کئے ۔اس کے بعد اس کی عمر اس حد تک پہنچ گئی جہاں عورت مزید بچے پیدا نہیں کر سکتی ۔چھوٹا سپارٹیکس ان بچوں کے ساتھ ساتھ بڑا ہو رہا تھا۔وہ لمبا،مضبوط اور سیدھا بچہ تھا۔اور جب وہ سات برس کی عمر کو پہنچا تو ماں نے پہلی بار اُسے بتایا کہ اس کا باپ کون تھا اور اُس نے کیا کچھ کیا۔وہ حیران تھی کہ ننھا بچہ کس قدر سمجھ دار تھا۔اس گاؤں میں سپارٹیکس کا نام کسی نے بھی نہیں سن رکھا تھا۔عظیم واقعات زمین ہلائے جا رہے تھے مگر اس گاؤں پر کوئی بڑا اثر نہیں پڑ رہا تھا۔اور جب دوسرے بچے بھی (تین لڑکیاں اور چار لڑکے)بڑے ہو گئے تو ورینیا نے انہیں بھی کئی بار سپارٹیکس کا قصہ سنایا۔اُس نے انہیں بتایا کہ کس طرح ایک عام آدمی جو کہ ایک غلام تھا،ظلم و جبر کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا' اور کس طرح چار سال تک عظیم الشان روم اس کا نام سن کر کانپ جاتا تھا۔اس نے انہیں اُن غمگین معدنی کانوں کے بارے میں بھی بتایا جہاں سپارٹیکس مشقت کرتا تھا۔اور انہیں بتایا کہ وہ کس طرح ہاتھ میں چاقو لے کر رومن اکھاڑے میں لڑا تھا۔اس نے انہیں بتایا کہ وہ کس قدر اچھا' شریف اور مہربان تھا۔اس نے کبھی بھی سپارٹیکس کو ان سادہ لوگوں سے دور نہ رکھا جن میں کہ وہ رہتی تھی ۔بے شک' جب اس نے سپارٹیکس کے ساتھیوں کے بارے میں انہیں بتایا تو وہ ان کی مشابہت گاؤں کے اِس یا اُس آدمی سے کر کے بتایا کرتی تھی ۔اور جس وقت وہ یہ قصے سناتی ،اس کا خاوند رشک اور حیرت سے سنتا۔

3

ورینیا کی زندگی سہل بھی نہ تھی ۔وہ صبح سے شام تک محنت کرتی تھی ۔وہ گھاس کاٹتی ،کھرپی کرتی ،صفائی کرتی' چرخہ کاتتی اور سلائی کرتی تھی ۔اس کی گوری جلد کو سورج نے جلا ڈالا۔اور اسکی خوبصورتی غائب ہو گئی ۔مگر اس کی خوبصورتی کبھی بھی اس کے لئے اہم نہیں رہی تھی ۔جب بھی وہ ماضی کے بارے میں سوچنا بند کرتی تو وہ زندگی کی احسان مند ہوتی تھی' جس نے اسے بہت کچھ عطا کیا تھا۔اس نے سپارٹیکس کا ماتم کرنا ترک کر دیا۔سپارٹیکس کے ساتھ اس کی زندگی اب محض ایک خواب بن گئی تھی ۔

سپارٹیکس

جب اس کا پہلا بیٹا 20 سال کی عمر کا تھا تو اسے بخار ہوا اور تین دن بعد وہ مرگئی۔ اس کی موت تیز تھی اور زیادہ دردناک نہ تھی۔ اور جب اُس کا خاوند، اس کے بیٹے اور بیٹیاں اس کے لئے رو چکے تو انہوں نے اسے ایک کفن میں لپیٹ دیا اور زمین میں دفن کر دیا۔

اس کی موت کے بعد اس جگہ میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ٹیکس بڑھنے لگا اور اس بڑھوتری کا کوئی انت نہ تھا۔ ایک خشک سالی کی وجہ سے فصل کا زیادہ حصہ تباہ ہو گیا تھا اور پھر رومن سپاہی آ گئے۔ جو خاندان ٹیکس کی ادائیگی کے قابل نہ تھے، انہیں اُن کے گھروں اور کھیتوں سے ہانکا گیا، گردن پر زنجیریں پہنائی گئیں اور انہیں ان کے گھروں اور کھیتوں سے ہانک کر بیچنے کے لئے روم لے جایا گیا۔ مگر سب نے یہ عمل قبول نہ کیا۔ سپارٹیکس، اس کے بھائی، بہن اور گاؤں کے دیگر لوگ شمال کی طرف جنگلوں میں بھاگ گئے۔ یہ جنگل آلپس کی وحشتوں میں موجود تھے۔ وہاں وہ بلوط کے پھل، جڑوں اور معمولی شکار پر گزارہ کرتے ہوئے ایک غریب اور دربدر زندگی گزارنے لگے اور جب اس زمین پر ایک عظیم محل بننے لگا، جو ایک زمانے میں ان کی ہوا کرتی تھی، تو وہ نیچے اترے اور اس محل کو لوٹ لیا اور جاتے ہوئے اُسے جلا کر خاکستر کر دیا۔

پھر سپاہی جنگل میں آئے۔ اور کسان، پہاڑی قبیلوں کے ساتھ مل کر سپاہیوں سے جنگ کرنے لگے۔ فرار ہونے والے غلام اُن سے آن ملے اور سال بہ سال ان بے ملکیتوں کی جنگ شدید تر ہوتی گئی۔ کبھی کبھی سپاہی ان کی قوت تباہ کر دیتے اور کبھی باغیوں کی قوت اس قدر بڑھ جاتی کہ وہ میدان پہ یلغار کر دیتے اور تاخت و تاراج، تباہ و برباد کر دیتے اور آگ لگا دیتے۔

اس طرز حیات میں سپارٹیکس کا بیٹا زندہ رہا اور مرا۔ وہ اپنے باپ کی طرح جدوجہد اور لڑائی میں مرا۔ وہ کہانیاں جو اس نے اپنے بیٹوں کو سنائیں وہ کم صاف تھیں، کم حقیقت پسند تھیں۔ قصے داستان بن گئے اور داستانیں علامتیں۔ مگر حاکموں کے خلاف محکوموں کی لڑائی جاری رہی۔ یہ ایک ایسا شعلہ تھا جو کبھی اونچا کبھی نیچا جلتا تھا مگر کبھی بجھا نہیں۔ اور سپارٹیکس کا نام گم نہ ہوا۔ یہ ورثہ خون کے ذریعے نہ تھا بلکہ مشترکہ جدوجہد کے ذریعے کا ورثہ تھا۔

ایک وقت آنے والا تھا۔ جب روم کو چیر پھاڑ کر رکھا جانا تھا۔ محض غلاموں کے ہاتھوں نہیں بلکہ غلاموں، زرعی غلاموں، کسانوں اور ان کے ساتھ آن ملنے والے آزاد بربروں کے ہاتھوں۔

اور جب تک انسان محنت کرتا رہے گا اور دوسرا انسان اس کی محنت کا پھل اور منافع چھینتا رہے گا، سپارٹیکس کا نام یاد رکھا جائے گا، کبھی کھسر پھسر میں اور کبھی کبھی صاف اور بلند آواز میں، چیخوں کے ساتھ۔